سلسلۂ مطبوعات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

قدیم قانون

تصنیف

سر ہنری سمنر مین

کے۔سی۔ایس۔آئی، ایل ایل۔ڈی، ایف۔آر۔ایس۔

ترجمہ

مولوی مسعود علی صاحب، بی۔اے (علیگ)،

سابق سشن جج علاقۂ سرکار عالی وحال رکن سررشتۂ
تالیف وترجمہ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی

سنہ ۱۳۵۲ھ م سنہ ۱۳۴۲ف م سنہ ۱۹۳۳ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن

فہرست مضامین

"قدیم قانون"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قدیم قانون

فصل اوّل

قدیم مجموعہ ہائے قانون

دنیا کے سب سے زیادہ مشہور و معروف نظامِ قانونی کا آغاز، جسطرح ایک مجموعۂ قانون سے ہوا تھا، اسی طرح، اس کا انجام بھی ایک ہی مجموعۂ قانون پر ہوا۔ قانون روما کے مفسرین نے، اس کی تاریخ بیان کرنے میں، متواتر، ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں، جن کا یہ مفہوم ہے: کہ ان کا تمام نظامِ قانونی، عدالت ارکان عشرہ کی بارہ الواح (Twelve Decemviral Tables) یعنی قانون منضبطہ (تحریری) (Written Law) پر مبنی ہے؛ باستثنا ایک خاص صورت کے، ان بارہ الواح سے پہلے کا کوئی آئین، روما میں قابل تسلیم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ نظریہ یہ ہے کہ: روما کا قانونی نظام، مجموعۂ قوانین سے، اور انگلستان کا نظام قانونی قدیم زبانی روایات سے، پیدا ہوا ہے۔ یہی وہ خاص وجہ ہے، جس نے ہمارے نظامِ قانونی کی نشو و نما کو، روما کے نظام قانونی کی نشو و نما سے، مختلف اور جدا کر دیا ہے۔ اگرچہ ان میں سے کوئی نظریہ بھی، واقعات حقیقی کے مطابق نہ تھا؛

مگر ہر ایک سے، مہتم بالشان نتائج پیدا ہوئے۔
مجھے اس امر کے بیان کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، کہ ان بارہ لوحوں کے نفاذ کا زمانہ، وہ ابتدائی زمانہ نہیں ہے، جہاں سے، ہمیں قانون کی تاریخ شروع کرنی چاہیئے۔ روما کا قدیم مجموعۂ قوانین، اسی قسم کا ہے، جس قسم کے مجموعے، دنیا کی ہر مہذب قوم میں پائے جاتے تھے؛ اور جو کم از کم، تمام رومی اور یونانی دنیا میں، ایسے اوقات میں رائج اور شائع تھے، جو ایک دوسرے سے زیادہ بعید نہ تھے؛ ان کا ظہور تقریباً یکساں حالات میں ہوا، اور جہاں تک ہمارا علم کام دیتا ہے، اُن کی پیدائش کے اسباب بھی، ایک ہی سے تھے۔ اس میں کلام نہیں ہو سکتا، کہ علم قانون کے بہت سے اصول، اُن مجموعہ ہائے قوانین کی بنیاد ہیں؛ اور زمانہ کے لحاظ سے، اصول مذکور کو، ان مجموعوں پر تقدم حاصل ہے۔ اکثر ایسی تحریریں موجود ہیں، جن سے، اِن قانونی اصول کا، ایک حد تک پتہ چلتا ہے؛ لیکن، جب تک کہ علم اللسان سے، سنسکرت کا علم ادب، پورے طور سے، منکشف نہ ہو جائے؛ ہمارا، بہترین ذریعہ علم، ہومر یونانی کی نظمیں ہیں؛ جو، اگرچہ حقیقی واقعات کی تاریخ، سمجھے جانے کے قابل نہیں ہیں؛ مگر، بالکل خیالی بھی نہیں کہی جا سکتیں: بلکہ وہ، اس سوسائٹی کی حالت کا بیان ہیں، جس سے، شاعر واقف تھا۔ شاعر کے تخیل نے، عہد فتوحات (Heroic age) کے خاص خاص واقعات، سورماؤں کے کس بل، اور دیوتاؤں کی قدرت، میں خواہ کتنا ہی مبالغہ کیوں نہ کیا ہو؛ مگر، اس امر کے باور کرنے کی، کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، کہ اس نے اخلاقی اور طبعی تصورات میں، جن پر اُس وقت تک، خاص توجہ، مبذول نہیں کی جاتی تھی، کوئی تلبیس کی ہوگی۔ اور اس لحاظ سے، ہومر کی نظمیں، ان بعد کی تحریرات سے، جو قدیم زمانہ کے حالات سے، بحث کرنے کا ادعا کرتی ہیں، مگر جو مذہبی اور فلسفی اثرات کے تحت، تالیف ہوئیں، زیادہ تر قابلِ اعتبار ہیں۔ اگر، فن قانون کے، ابتدائی تصورات کا، ہم کو، کسی طرح بھی علم ہو جائے، تو ہمارے لیئے بیحد مفید ہوگا۔ مقننین کے لیئے، یہ ابتدائی تصورات، ایسے ہی ہیں، جیسے طبقات الارض کے ماہرین کے لیئے، زمین کے ابتدائی طبقات۔ اِن ابتدائی تصورات میں، بالقوۃ،

وہ تمام شکلیں موجود ہوتی ہیں، جن میں، بعدہ، قانون، اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے۔ "اصول قانون" کے علم کی جو ناقابلِ اطمینان حالت، ہمیں نظر آتی ہے، اس کی ذمہ داری، اس عجلت یا تعصب، پر عائد ہوتی ہے؛ جس نے، "مقننین" کو، عام طور سے "سطحی اور سرسری تحقیقات" کے علاوہ، کچھ اور نہ کرنے دیا۔ حقیقت یہ ہے، کہ مقننین کی تحقیقات، اسی روش پر چلتی ہے، جس پر، علم طبیعیات اور علمِ عضویات کی تحقیقات، اس زمانہ میں چلتی تھی، جبکہ مشاہدے کی جگہ، صرف مفروضات سے کام لیا جاتا تھا۔ تمدن اور قانون، کی ابتدائی تاریخ کی معقول تلاش پر، عام طور سے، ایسے مفروضات کو ترجیح دی جاتی ہے، جو بظاہر، معقول اور حاوی معلوم ہوتے ہیں: مثلاً، قانون فطرت یا تمدنی میثاق کا مفروضہ مگر فی الحقیقت، یہ مفروضات بالکل غیر مصدقہ ہوتے ہیں۔ اِن مفروضات سے، حقیقت پر، پردہ پڑجاتا ہے؛ اور خیالات، صحیح راستہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ اور، ایک ایسا قوی اور حقیقی رجحان، پیدا ہوجاتا ہے، جو، ایک دفعہ قائم و مضبوط ہوجانے کے بعد، فن اصولِ قانون کے، مراتب مابعد پر، اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا۔

"قانون" یا "قواعد حیات" کے ابتدائی تصورات، جو اس وقت، بڑھکر، اس قدر وسیع ہوگئے ہیں؛ وہی ہیں، جن پر، ہومر کے الفاظ "تھیمس" (Themis) اور "تھیمسٹس" (Themistes) حاوی تھے۔ "تھیمس" جیسا کہ مشہور و معروف ہے، یونانیوں کے آخر زمانہ کے دیوتاؤں کے مجمع میں، انصاف کی دیوی کی حیثیت سے، شریک تھی؛ لیکن یہ حالیہ اور بہت ترقی یافتہ خیال ہے: اور "ایلیڈ" کے اس خیال سے مختلف ہے، جس میں، وہ "زییس" (Zeas) دیوتا کی مددگار (Assessor) بتائی گئی ہے۔ جن لوگوں نے، انسان کی، ابتدائی زندگی کے حالات، بہ نظر تعمق، ملاحظہ کئے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں، کہ قوموں کی آغاز زندگی میں، ہر موقت اور متوالی واقعہ کو، ایک فرضی شخصیت دے دی جاتی تھی۔ اسی بناء پر، چلنے والی ہوا، نکلنے بڑھنے اور ڈوبنے والا سورج، اور فراوانی بخش زمین، یہ سب اشخاص، اور آسمانی اشخاص تھے۔ اور، جس طرح، یہ عمل، احساسی عالم میں تھا، اسی طرح، اس کا عمل، اخلاقی عالم میں بھی جاری تھا۔ جب، کوئی بادشاہ، کسی

4

نزاع کا فیصلہ کرتا تھا، تو سمجھا جاتا تھا، کہ وہ فیصلہ، براہِ راست، آسمان سے، اِس کے دل پر، القا ہوا ہے۔ بادشاہوں، اور سب بادشاہوں سے بڑھے ہوئے دیوتاؤں کے دلوں پر، جو فیصلے، القا ہوتے تھے، وہ، آسمانی پیامبر "تھیمس" کے ذریعہ سے ہوتے تھے۔ اِس تصور کی خصوصیت کا اظہار، اس کے صیغۂ جمع کے استعمال سے، ہوتا ہے؛ پس لفظ "تھیمس" کی جمع "تھیمسٹس" سے، خود، وہ فیصلے اور تجویزیں مراد ہیں، جو، بادشاہوں کے دلوں پر، القا کی جاتی تھیں۔ بادشاہوں کی نسبت، کہا جاتا تھا، کہ اِن کے پاس، ان تجویزوں کا، ایک ذخیرہ رہتا تھا، جن کو، وہ، ضرورت کے وقت، کام میں لاتے تھے؛ مگر، یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے، کہ یہ، قانون نہیں ہیں؛ صرف فیصلے یا تجویزیں ہیں۔ مسٹر گروٹ، اپنی تاریخ یونان میں، لکھتے ہیں: کہ "زیلیس" یا دنیاوی بادشاہ، واضعانِ قوانین نہیں، بلکہ صرف جج (یعنی اس کے برتنے والے) ہیں"۔ اور ان کے پاس یہ تجویزیں موجود رہتی ہیں۔ چونکہ عقیدہ یہ ہے کہ ان کا نزول آسمان سے ہوتا تھا، اس لیئے ان کی نسبت یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی ایک رشتۂ اصول میں منسلک تھیں، بلکہ وہ ایک دوسرے سے علٰحدہ اور منفردہ تجویزیں ہوتی تھیں۔

ان خیالات کا عارضی ہونا خود ہومر کی نظموں میں بھی صاف طور سے نظر آتا ہے۔ قدیم تمدن کی سادہ زندگی میں یکساں واقعات اور حالات کا پیش آنا بمقابلہ اِس زمانہ کے زیادہ تر عام ہوگا؛ اور یکساں حالات اور واقعات میں تجویزوں کا یکساں اور ایک دوسرے سے مشابہ ہونا ایک لازمی امر ہے یہاں سے رواج کی بنیاد پڑتی ہے جو "تجویز" کے بعد کا تصور ہے۔ زمانۂ حال کے خیالات کے لحاظ سے خواہ ہم اس اصول پر کتنا ہی زور کیوں نہ دیں، کہ رواج کا تصور فیصلہ عدالتی کے تصور سے پہلے کا ہے؛ اور فیصلہ کو لازم ہے، کہ وہ رواج کو برقرار رکھے، اور اس کی خلاف ورزی پر سزا دے؛ مگر یہ امر یقینی ہے کہ ان تصورات کی تاریخی ترتیب وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ ہومر کا لفظ اُس رواج کے لیئے جو ہنوز پختگی کو نہیں پہنچا تھا بعض اوقات "تھیمس" بصیغۂ واحد اور اکثر "ڈائیک" (Dike) ہے، جس کے معنی کبھی فیصلے، کبھی

5

رسم، اور کبھی رواج کے لیئے جاتے ہیں۔ لفظ "نومس" (Nόμos) "قانون" جو یونانیوں کی بعد کے تمدن کی سیاسی لغت میں اس قدر مشہور و معروف ہوا، ہومر کی نظم میں نہیں پایا جاتا۔

اس خیال کو کہ "تھیمس" کا القا آسمانی ذریعہ سے ہوتا ہے اور ذریعہ مذکور خود "تھیمس" کی شکل اختیار کر لیتا ہے، دوسرے قدیم عقائد سے علحدہ رکھنا چاہیئے؛ جیسے ممکن ہے کہ سرسری طور سے تحقیقات کرنے والے لوگ خلط ملط کر دیں۔ یہ خیال کہ خداوند تعالےٰ نے پورا مجموعہ یا کامل قانون عطا کیا، جیسا کہ ہندو "قانون منو" کی نسبت سمجھتے ہیں، بہت ترقی یافتہ اور بہت حال کا خیال ہے۔ "تھیمس" یا "تھیمسٹس" کا تعلق انسان کے اس قوی اور دیرپا عقیدہ سے ہے جس میں زندگی کا ہر شعبہ اور تمدن کا ہر آئین آسمانی تائید پر مبنی اور قائم تھا۔ قدیم قانون، اور ابتدائی سیاسی خیالات میں اس عقیدہ کے آثار ہر طرف نظر آتے ہیں۔ ایک مافوق الفطرت قوت کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ، وہ اس زمانہ کے تمام اہم آئین ادارات، ریاست، قوم اور خاندان کو برکت دیتی اور چلاتی ہے۔ ان انسانوں کا، جو ان آئین اور ادارات کے منشا کے مطابق مختلف گروہوں میں منقسم تھے، فرض تھا کہ وہ ایک وقت معین پر جمع ہو کر مشترکہ رسوم ادا، اور مشترکہ قربانیاں پیش کریں؛ اور کبھی کبھی یہ فرض اور زیادہ صریح طریقہ سے استغفار اور توبہ کی غرض سے ادا کیا جاتا تھا، تاکہ ارادی اور غیر ارادی خطاؤں کی سزایں معافی یا تخفیف ہو جائے ہر شخص جو یونانیوں اور رومیوں کے معمولی علم ادب سے واقف ہے جانتا ہے کہ مذہبی مراسم (Sacra gentilicia) کا کیا قوی اثر روما کے ابتدائی قانون تبنیت اور وصایا پر تھا۔ ہندوؤں کا رسمی قانون جس میں قدیم تمدن کے بعض عجیب و غریب کرشمے موجود ہیں، اب بھی انسان کے تمام حقوق اور توریث کے تمام قواعد کو متوفی کی تجہیز و تکفین (یعنی خاندان کے تسلسل میں وقفہ پڑ جانے کے وقت بعض رسوم کے صحیح طور سے ادا ہونے پر منحصر کرتا ہے۔

6

قبل اس کے کہ اصول قانون کے اس حصہ سے بحث ختم کی جائے، انگلستان کے طلباء کو یہ بتا دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ بنتھم اپنی کتاب "فرگمنٹ

اون گورنمنٹ" (Fragment on Government) اور آسٹن اپنی کتاب موسومہ "پرونس آف جورس پروڈنس ڈیٹرمنڈ (Province of Jurisprudence Determined) میں ہر قانون کو واضع قانون کا ایک حکم قرار دیتے ہیں، جس سے باشندگان ملک پر ایک فرض عائد ہوتا ہے، اور اس کی خلاف ورزی کی حالت میں سزا کا خوف دلایا جاتا ہے۔ حکم کے متعلق، جو کہ قانون کا پہلا عنصر ہے، یہ بھی قرار دیا جاتا ہے کہ، اس کو کسی منفردہ فعل پر نہیں، بلکہ ایک قسم اور نوع کے تمام افعال پر حاوی ہونا چاہیئے۔ یہ تجزیہ یعنی مختلف اوصاف کی تشریح ایسے اصول قانون کے واقعات سے جو تکمیل کے درجہ کو پہنچ چکے ہیں، بالکل مطابق ہوتی ہے اور الفاظ کی تھوڑی سی کھینچ تان سے ہر زمانہ اور ہر قسم کے قوانین سے مطابق کی جاسکتی ہے؛ مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ قانون کا جو عام تصورا اس وقت ہے وہ اس تجزیہ کے مطابق ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر ہم خیالات کی قدیم تاریخ پر غور کرتے ہیں اسی قدر ہم اپنے آپ کو قانون کے ایسے تصور سے جو ان اجزا سے مرکب ہو جو منتھم بتایا ہے، دور پاتے ہیں۔ یہ امر[1] یقینی ہے کہ انسان کی ابتدائی حالت میں نہ کسی قسم کے وضع قانون اور نہ کسی علحدہ واضع قانون کا تصور کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں قانون کو رواج کا مرتبہ بھی حاصل نہیں ہوتا تھا؛ وہ صرف ایک عادت ہوتی تھی، یا بقول فرانسیسوں کے اس کا "وجود ہوائی" سمجھا جاتا تھا۔ غلط اور صحیح کا وثوق کیساتھ قرار دینے والا وقوع واقعات کے بعد فیصلہ ہوتا تھا۔ اس فیصلہ کے وقت یہ نہیں سمجھا جاتا

7

[1] یہ "امر یقینی" اس مذہبی مسئلہ کے صریح منافی ہے جو "انسان کی ابتدائی حالت" ہی سے سلسلۂ بعثت انبیاء (علیہم السلام) و نزول شرائع (قوانین الہی) کا معتقد ہے، قانون کے ارتقائی تدریجی کی نسبت آپ جو چاہیں کہیں، لیکن اس کی بنا پر اہل مذہب اپنی منزل من اللہ شریعتوں کے "وجود" کو "ہوائی" نہیں سمجھ سکتے۔

عمادی
ناظر مذہبی جامعۂ عثمانیہ

تھا کہ کوئی قانون موجود تھا جس کی خلاف ورزی کی گئی ہے، بلکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ فیصلہ جج کے دل میں تصفیہ کے وقت ایک اعلیٰ قوت کی طرف سے القا کیا گیا ہے
اس خیال کا بُعدِ زمانہ، اور اختلاف حالات کی وجہ سے ہمارے ذہن میں بھی آنا سخت دشوار ہے، مگر جب ہم اس قدیم تمدن کے حالات سے بہ تفصیل بحث کرینگے، جس میں ایک انسان اپنی عمر کا بڑا حصہ اپنے بزرگ خاندان کی خود مختار حکومت میں بسر کرتا تھا اور اپنے تمام افعال میں قانون کا نہیں، بلکہ توہمات کا پابند رہتا تھا، اس وقت اس خیال کا قرین قیاس ہوجانا زیادہ دشوار نہ ہوگا۔ اس تاریخی واقعہ کا سمجھنا کہ "تھیمسٹس" کو قانون کے تصور پر تقدم تھا ایک انگلستان کے رہنے والے کے لیئے بہ نسبت دوسری اقوام کے لوگوں کے زیادہ تر آسان ہوگا، کیونکہ انگلستان کے اصول قانون کے متعلق جو ایک دوسرے سے مختلف روایات مشہور ہیں.
ان میں سب سے زیادہ معروف، یا یوں کہو کہ جس کا سب سے زیادہ اثر عمل پر پڑتا ہے، وہی ہے جس میں یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ فیصلہ جات اور نظائر کا وجود قواعد، اصول، اور امتیازات سے متقدم ہے۔ یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ "تھیمسٹس" میں وہ خصوصیت بھی پائی جاتی ہے جو "بنتھم" اور آسٹن کی رائے کے مطابق، منفرد یا محض احکام کو قانون سے جدا کرتی ہے۔ "صحیح اور حقیقی قانون" ایک قسم اور ایک نوع کے افعال کو، بلا امتیاز، تمام باشندگان ملک پر لازم کرتا ہے، اور یہی قانون کا وہ تصور ہے جو عام طور سے لوگوں کے دماغوں میں بسا ہوا ہے، جس کی بنا پر لفظ "قانون" صرف یکسانی، تسلسل، اور تشابہ (Uniformities, successions, similitudes) کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے
"حکم" صرف ایک منفردہ فعل کو لازم کرتا ہے، اور اس لیئے "تھیمسٹس" بہ نسبت قانون کے احکام سے زیادہ تر مشابہ ہیں۔ وہ صرف منفردہ حالات کے متعلق فیصلے ہیں اور ان کے لیئے یہ ضرور نہیں کہ وہ مسلسل کسی ترتیب کے پابند رہیں۔
ہومر کے زمانہ کے علم ادب میں ہم کو قانون کا ابتدائی تخم "تھیمسٹس" اور اس سے کسی قدر زیادہ نشو ونما یافتہ "ڈائک" کے تصور میں ملتا ہے۔ اصول قانون کی دوسری منزل صاف طور سے نمایاں اور بیحد دلچسپ ہے۔ مسٹر گروٹ

8

نے اپنی تاریخ کے دوسرے حصہ اور نویں فصل میں بہ تفصیل بتایا ہے کہ اس تمدن سے جس کا نقشہ ہومر نے کھینچا ہے قوم نے رفتہ رفتہ کس طرح اپنی حالت کو بدلا فتوحات کے زمانے کی بادشاہی کا انحصار ایک درجہ تک آسمانی حقوق، اور ایک درجہ تک غیر معمولی طاقت، شجاعت، اور دانشمندی پر ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ، بادشاہ کی عظمت کا خیال کم ہوتا گیا، اور جب موروثی بادشاہوں کے سلسلے میں کمزور بادشاہ ہونے لگے اس وقت شاہی اختیارات زائل ہوگئے، اور آخرکار ان کی جگہ امرا کی جماعت قائم ہوگئی۔ اگر اس انقلاب کے متعلق صحیح الفاظ استعمال کئے جائیں، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہی اقتدارات امرا کی ایک ایسی مجلس نے غصب کرلیئے جس کی طرف ہومر جابجا اشارہ کرتا اور اس کی تصویر کھینچتا ہے۔ بہرحال تمام یورپ میں ہم کو شاہی حکومت کے زمانہ کے بعد معدودے چند امرا (Oligarchy) کا دور حکومت نظر آتا ہے، اور جہاں بادشاہی کا نام مطلق صفحہ ہستی سے مٹ نہیں جاتا، وہاں بادشاہ کے حقوق برائے نام رہ جاتے ہیں۔ اور وہ ایک موروثی جنرل، جیسے کہ لیسڈاٹمون (Lacedaemon) میں، یا صرف ایک عہدہ دار، جیسا کہ "بادشاہ ارکن" اثینا میں (The King Archon at Athens) یا صرف اسقف اعظم جس طرح "ریکس سکری فائیکولس" (Rex Sacrificulus) روما میں تھا، رہ جاتا ہے۔ یونان، اٹلی، اور ایشیائے کوچک، میں حکمران جماعت عام طور سے ایسے خاندانوں سے مرکب ہوتی تھی جو فرضی طور سے باہم رشتہ دار سمجھے جاتے تھے، اور اگرچہ ابتدا میں وہ سب اپنے دعاوی ایک حد تک مذہبی عظمت پر قائم کرتے تھے، مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوت کا انحصار اسی خیالی عظمت پر نہیں رہتا تھا۔ اگر ابتدا ہی میں عام رعایا اُن پر غالب ہوکر ان کی قوت کو توڑ نہیں دیتی تھی، تو یہ جماعت آخرکار تقریباً وہ صورت اختیار کرلیتی تھی جس کا مفہوم فی زمانا سیاسی امرا (Political Aristocracy) کی اصطلاح سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ ایشیا کے بعید تر ممالک میں جو تبدیلیاں تمدن انسانی میں واقع ہوئیں وہ ان تبدیلیوں سے جو اٹالی اور یونانی دنیا میں واقع ہوئیں بہت پیشتر کی تھیں!

۵

مگر عام تہذیب میں ان کی وہی حیثیت تھی، اور دونوں بلحاظ عام خصوصیات کے ایک دوسرے سے بہت زیادہ مشابہ تھیں۔ اس امر کی شہادت ایک درجہ تک ملتی ہے کہ ان قوموں میں جو بعدہ شاہانِ ایران کی تحت مل جل کر ایک ہوگئیں، اور ان قوموں میں جو جزیرہ نمائے ہند میں آباد تھیں، سب میں عہد فتوحات، اور جماعتِ امرا کا دور حکومت موجود تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کی فوجی اور مذہبی لوگوں کی ایک مختصر جماعت (Oligarchy) جداگانہ قائم ہوگئی تھی؛ مگر اس سے عام طور سے شاہی اختیارات میں فرق نہ آتا تھا۔ برخلاف مغرب کے، مشرق میں مذہبی جز، فوجی اور سیاسی جز پر غالب آنے لگا، اور فوجی اور ملکی امرا کی جماعت، بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں کے بیچ میں دب دبا کر نیست و نابود یا بے نام و نشان ہو کر رہ گئی۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہوں کو وسیع اختیارات حاصل رہے، مگر وہ حقوق مذہبی گروہ کے حقوق سے محدود تھے۔ دونوں ممالک میں جو فرق تھا وہ یہ تھا کہ مشرق میں امرا کے گروہ نے مذہبی، اور مغرب میں ملکی اور سیاسی رنگ اختیار کرلیا۔ مگر اس سے اس مسئلہ کی صداقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ، اگر تمام دنیا میں نہیں تو کم از کم ہندی یورپین قوموں کی تمام شاخوں میں، فاتح بادشاہوں کے تاریخی عہد کے بعد امرا کا تاریخی عہد شروع ہوتا ہے۔

متقنن کے لئے اس میں قابلِ لحاظ امر یہ ہے کہ یہی امرا کا گروہ قانون کا محافظ اور اس کا عامل ہے اور اسی کو تمام شاہی حقوق حاصل ہیں، بجز اس اہم فرق کے کہ، وہ ہر فیصلہ کی نسبت یہ دعوےٰ نہیں کرسکتا کہ وہ اس کے دل میں القا کیا گیا ہے۔ اس خیال کا تسلسل جو بزرگ خاندان (Patriarchal Chieftain) کے فیصلوں کو القائے آسمانی کی طرف منسوب کرتا تھا اب بھی جا بجا اس دعوے میں نظر آتا ہے کہ فلاں قانون کلیتاً یا اس کا کوئی جز آسمانی ہے، مگر خیالات میں جو ترقی ہوگئی ہے وہ اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک نزاع کے تصفیہ کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ وہ آسمانی القا کا نتیجہ ہے۔ اس وقت امرا کی یہ قانونی جماعت جو دعوےٰ کرتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ علم قانون کی

10

بلا مداخلت غیرے وہی نمازن، اور ان اصول کی جنکے ذریعہ سے باہمی تنازعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، وہی تنہا قابض ہے۔ اب ہم فی التحقیقت رواجی قانون (Customary Law) کی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ اس وقت رواج اور رسم کا قابل احساس مجموعہ فراہم ہوگیا ہے اور اس کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کا کامل علم طبقۂ امرا کو حاصل ہے۔ ہمارے جو ذرائع علم ہیں وہ ہم کو صاف طور سے بتا رہے ہیں کہ جو اختیار امرا کے اس مختصر گروہ کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا اس کا استعمال وہ بعض اوقات بیجا طور سے کرتے تھے، مگر اس بنا پر اختیار مذکور کو محض غصب اور ظلم کا آلہ نہ تصور کرنا چاہئے۔

11

تحریر کے ایجاد کے قبل، اور قانون کی ابتدائے نشو و نما میں، امرا کے ایک گروہ کا عدالتی اختیارات کے ساتھ مخصوص کردیا جانا ایک ایسی مناسب تجویز تھی جس کے ذریعہ سے قوم یا قبیلے کے رسم و رواج کی حفاظت کی امید ہوسکتی تھی۔ ان رسم و رواج کی صحت کی امکانی ضمانت اسی طور سے ہوسکتی تھی کہ وہ قوم کے ایک محدود حصہ کے حافظہ میں محفوظ کردیئے جائیں۔

رواجی قانون کا زمانہ اور اس کی حفاظت کا ایک مخصوص طبقہ سے متعلق کردیا جانا، ایسے امور ہیں جو خاص طور سے قابل لحاظ ہیں۔ جس اصول قانون کی حالت کا اس سے اظہار ہوتا ہے اس کے آثار اس وقت بھی قانونی اور روزمرہ کے محاورات میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً وہ قانون جس سے صرف قوم کا ایک مختصر مخصوص حصہ واقف ہوتا ہے خواہ وہ کوئی فرقہ ہو، یا طبقۂ امرا، یا مذہبی گروہ یا کوئی (دینی نظم و نسق) صحیح طور سے غیر مکتوبہ (Un-written Law) قانون کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے سوائے دنیا میں کوئی ایسا قانون نہیں ہے جو غیر مکتوبہ ہو۔ بعض اوقات انگلستان کا نظائری قانون (Case Law) بھی غیر مکتوبہ قانون کہا جاتا ہے، اور بعض انگلستان کے اصولی لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر انگلستان کا اصولِ قانون ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کرلیا جائے تو گویا ہم غیر مکتوبہ قانون کو مکتوبہ قانون کی شکل میں لے آئیں گے، جو ان کی رائے میں، اگر مشتبہ نہیں، تو کم از کم بیحد قابل غور امر ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں

ہوسکتا کہ ایک زمانہ ایسا تھا جبکہ انگلستان کے عمومی قانون (Common Law) کو بطور معقول غیر مکتوبہ قانون کہہ سکتے تھے۔ انگلستان کے قدیم جج قطعی طور سے 12 ایسے قواعد، اصول، اور امتیازات کے علم کے مدعی تھے جس سے وکلا اور عامۂ خلائق پوری طور سے واقف نہ تھی۔ لیکن یہ امر بہت مشتبہ ہے کہ آیا وہ کُل قانون جس کے علم کا وہ تنہا دعوے کرتے تھے فی الحقیقت غیر مکتوبہ تھا۔ یہ مان لینے کے ساتھ ہی کہ ایک زمانہ میں دیوانی اور فوجداری کے اکثر قواعد ایسے تھے جن کا علم محض ججوں کو تھا ان کا غیر مکتوبہ ہونا باطل ہوجاتا ہے۔ جس وقت سے ویسٹ منسٹر کی عدالتوں نے اپنے فیصلوں کی بنیاد نظائر پر قائم کرنی شروع کی، خواہ وہ سالانہ رپورٹوں میں درج ہوں یا کہیں اور، اس وقت سے وہ قانون جس سے وہ لوگ کام لیتے تھے مکتوبہ قانون ہوگیا۔ اِس وقت انگریزی قانون کے ہر قاعدہ کو، مطبوعہ نظائر کے واقعات کے الجھاؤ سے نکال کر، الفاظ کی شکل میں لانا پڑتا ہے، جو ہر جج کے مذاق، احتیاط، اور علم کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں؛ اور اس کے بعد قاعدۂ مذکور کو مقدمہ زیر تصفیہ سے مطابق کرنا پڑتا ہے۔ مگر اس عمل کی کسی نوبت میں بھی کوئی ایسی خصوصیت نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر وہ مکتوبہ قانون سے جدا خیال کیا جائے۔ یہ مکتوبہ نظائری قانون ہے، اور اس میں اور مدوّن قانون (Code Law) میں جو فرق ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ وہ بطریق مختلف ضبط تحریر میں آیا ہے۔ اصول قوانین کی تاریخ میں رواجی قانون کے بعد ہم ایک دوسرے عہد میں داخل ہوتے ہیں جو عہد اول سے صاف طور سے ممیز نظر آتا ہے؛ یعنی ان قدیم مدوّن قانون کے عہد میں جن کا سب سے زیادہ مشہور و معروف نمونہ روما کی بارہ لوحیں ہیں، یونان، اٹلی، اور مغربی ایشیا کے اِن سواحل پر جہاں یونانی آبادیاں تھیں، ان مدوّن قوانین نے تقریباً ایک ہی سے زمانوں میں رواج پایا۔ اس سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ فی الحقیقت ایک ہی وقت میں رائج ہوئے، بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ ہر قوم کے ایک ہی سی منزل ترقی پر پہنچنے کے بعد ان کا 13 رواج ہوا۔ ممالک متذکرہ بالا میں ہر مقام پر ان رواجوں کی جگہ جن کے خازن

امرا کی ایک مخصوص جماعت کے حافظے تھے، لوحوں پر منقوش قوانین عامۂ خلائق کی اطلاع کے لیئے شائع ہوگئے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس تبدیلی میں ان نازک خیالات کو کوئی دخل تھا جو اس زمانہ میں تدوین کی تائید میں پیش کیئے جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ فنِ تحریر کی ایجاد اور اشاعت اِس قدیم تدوین کی محرک تھی۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ امرا نے اس قانونی علم کا جس پر وہ تنہا قابض تھے بیجا استعمال کیا، اور ان کا تنہا قانون پر متصرف ہونا عوام کی اُن تحریکات کی کامیابی میں جو مغربی دنیا میں عام طور سے شروع ہوگئی تھیں، سخت مزاحم تھا ممکن ہے کہ عامۂ خلایق کی خواہشات نے اس عمل کو زیادہ تر مقبول کردیا ہو، مگر فی الحقیقت تدوین قانون فن تحریر کی ایجاد کا بلا واسطہ نتیجہ تھا۔ چند اشخاص کے حافظہ کے مقابلہ میں، خواہ وہ مشق سے کتنا ہی قوی کیوں نہ کرلیا گیا ہو، منقوشہ لوحیں قانون کی بہتر محافظ اور ان کی حفاظت کی بہتر ضامن معلوم ہوتی تھیں۔

روما کا مجموعہ قانون بھی اسی قسم کے مجموعوں میں ہے جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں ان کی وقعت ان کی تدوین میں، کسی حُسن ترتیب یا ان کے جامع و مانع ہونے پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ اس اشاعت اور علم پر ہے جس سے لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ ان کو کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہیئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ روما کی بارہ لوحوں میں ایک درجہ تک ترتیب کے آثار نظر آتے ہیں، مگر اس کی توضیح غالباً اس روایت سے ہوجاتی ہے کہ اس مجموعہ کے مرتب کرنے والوں نے ان یونانیوں سے مدد لی تھی جن کو یونان کے آخر زمانہ کی قانون سازی کا تجربہ تھا۔ سولن کے ”ایٹک کوڈ“ کے اجزا بتا رہے ہیں کہ 14 ان میں بہت کم ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور غالباً ڈریکو کے قوانین اس بارہ میں اور زیادہ بہتر تھے۔ ان مجموعوں کے جو اجزا مغرب اور مشرق میں اب تک باقی چلے آئے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مذہبی، دیوانی، اور خالص اخلاقی احکام کے ایسے مجموعے ہیں، جن میں ہر ایک کی خصوصیات کا فرق نہیں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور یہ اُن معلومات کے مطابق ہے جن کا پتہ ہم کو

دوسرے ذرائع سے بھی ملتا ہے۔ قانون کا اخلاق سے، اور مذہب کا قانون سے علیحدہ کیا جانا صاف طور سے ایسے زمانہ کا عمل ہے جبکہ عقولِ انسانی ترقی کے اور چند زینے طے کرچکی تھیں۔

یہ مجموعے آج کل کے لوگوں کی نظر میں خواہ کیسے ہی عجیب کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں، مگر قدیم تمدنوں کے لیئے ان کے بیحد مفید اور اہم ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ جو سوال ہر تمدن کی حالت آیندہ پر موثر تھا وہ یہ نہ تھا کہ آیا کوئی مجموعہ قانون ہونا چاہیئے یا نہیں، کیونکہ اکثر قدیم تمدنوں نے کسی نہ کسی وقت ان کو حاصل کرلیا تھا۔ اور اگر اصولِ قانون کی تاریخ میں جاگیرداری (Feudalism) کا طریقہ کھنڈت نہ ڈال دیتا تو قیاس غالب یہی ہے کہ تمام موجودہ قوانین کا سرچشمہ ایک حد تک یہی مجموعے ثابت ہوتے؛ بلکہ وہ سوال جس پر قوم کی تاریخ کا انحصار ہے یہ تھا کہ ترقی کے کس مرتبہ پر اور کس زمانہ میں اپنے قوانین کو مکتوبہ شکل میں لانا چاہیئے۔ مغربی دنیا میں ہر سلطنت کے طبقہ ادنیٰ (Plebeian) نے عدیدیہ حکومت (Oligarchy) کے تنہا اجارہ پر کامیابی کے ساتھ حملہ آور ہوکر سلطنت جمہوری کی ابتدائی تاریخ میں عام طور سے ایک مجموعہ قوانین حاصل کرلیا تھا۔ لیکن مشرق میں جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں، حکمران امرانے بجائے فوجی اور سیاسی رنگ اختیار کرنے کے مذہبی رنگ اختیار کرلیا تھا جس سے وہ بجائے ضعیف ہونے کے اور زیادہ قوی ہوگئے تھے۔ اور بعض حالتوں میں ممالک ایشیا کی وضع کے لحاظ سے خاص خاص قومیں بہ نسبت مغرب کے تعداد میں بہت زیادہ ہوگئی تھیں، اور یہ ایک مسلمہ تمدنی اصول ہے کہ جو آئین جس قدر وسیع اقطاع میں شائع اور رائج ہوجاتا ہے، اسی قدر اسکی زندگی اور قیام میں مضبوطی ہوجاتی ہے۔ بہرحال مشرقی قوموں کو مجموعہ قوانین خواہ کسی وجہ سے ملے ہوں، اس میں شک نہیں کہ وہ مغربی قوموں کے بعد ملے، اور ان کی حیثیت بالکل دوسری تھی۔ ایشیا کے مذہبی پیشوا بھی خواہ خود اپنی ہدایت یا اپنے حافظوں سے بار کم کرنے، یا اپنے شاگردوں کی تعلیم کے لیئے، خواہ کوئی سبب ہو، بالآخر اپنے قانونی علم کو مجموعوں کی شکل میں مدوّن کرنے پر مجبور ہوئے

15

مگر جو موقعے اپنے اقتدار کے بڑھانے، اور ان کے مضبوط کرنے کے ملے، وہ اس قدر لالچ دلانے والے تھے کہ ان سے بچنا مشکل تھا۔ قانونی علم پر ان کے تنہا قابض ہونے نے ان کو یہ موقع دیا کہ انھوں نے ایسے مجموعے دنیا میں شائع کر دیئے، جو صرف ان قواعد پر نہیں جن پر فی الحقیقت عمل کیا جاتا تھا، بلکہ ان قواعد پر مشتمل تھے جو اس مذہبی گروہ کے خیال میں زیادہ تر عمل آوری کے قابل تھے۔ ہندوؤں کا مجموعۂ قوانین، جو منو کے قانون کے نام سے موسوم ہے، یقیناً برہمنوں کا مولفہ ہے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ اس میں اکثر صحیح، ہندوؤں کے مراسم درج ہیں، مگر زمانۂ حال کے بہترین مستشرقین کا یہ خیال ہے کہ مجموعی طور سے ان میں ایسے قواعد موجود ہیں، جو فی الحقیقت کسی زمانہ میں بھی ہندوستان میں رائج نہ تھے۔ اس کا بڑا حصہ اس حالت کی ایک خیالی تصویر ہے، جو برہمنوں کی رائے میں بلحاظ قانون کے ہونی چاہیئے تھی۔ انسانی فطرت اور اس کے مولفین کے مخصوص مقاصد کے لحاظ سے یہ امر ضرور تھا، کہ ایسے مجموعہ قوانین کے لیئے جیسا کہ منو کا ہے یہ دعوے کیا جائے کہ وہ بیحد قدیم اور بصورت مجموعی آسمان سے اترا ہے۔ منو ہندوؤں کے عقائد کے مطابق پرمیشور کے ایک اوتار تھے۔ لیکن جو مجموعہ ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور جس کی صحیح تاریخ کا بآسانی دریافت ہونا مشکل ہے، ہندوؤں کے اصول قانون کی بالمقابلہ ترقی کی تاریخ میں بہت بعد کی تالیف معلوم ہوتا ہے۔

بارہ لوح یا اسی قسم کے دوسرے مجموعوں سے سب سے بڑا فائدہ جو ان قوموں کو پہنچا جنھوں نے یہ مجموعے حاصل کرلیئے یہ تھا کہ، وہ عدیدیہ حکومت کے فریب اور قومی آئین کی لازمی تخریب اور تبدیل سے محفوظ ہو گئیں۔ روما کا مجموعہ قوانین ان مراسم کا الفاظ میں تذکرہ اور بیان تھا جو روما کے باشندوں میں جاری اور شایع تھے۔ اہل روما کی تہذیب کی ترقی کے لحاظ سے ان کا مجموعہ قوانین غیر معمولی طور سے قبل از وقت تھا، اور ایسے وقت میں شایع ہوا تھا جبکہ روما کے باشندے بہ مشکل وہ عقلی منازل طے کرنے پائے تھے جس میں تمدنی وجوب اور مذہبی فرائض باہم خلط ملط ہوتے ہیں۔ یہ امر

16

ظاہر ہے کہ ایک وحشی قوم کو جو خاص مراسم کی پابند ہو، ایسے خطرات پیش آسکتے ہیں جو اُس کی ترقی تہذیب کے لیئے سم قاتل ثابت ہوں۔ برخلاف اس کے بعض مراسم جو کوئی خاص قوم اپنے ابتدائی زمانہ اور اپنے ابتدائی وطن میں اختیار کرلیتی ہے عموماً ایسے ہوتے ہیں جو بہمہ وجوہ اس کی مادّی اور اخلاقی ترقی کے لیئے مفید ہوتے ہیں؛ اور اگر وہ صرف اُسی وقت تک بجنسہٖ قائم رکھے جاتے ہیں جبتک کہ جدید تمدنی ضرورتیں ان کو جدید مراسم نہیں بنکھاتیں، اس وقت تک قوم کی ترقی کا راستہ کھلا اور یقینی رہتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ایک قانون ترقی ایسا ہے جو ایسے مراسم کو جو ضبط تحریر میں نہیں آئے ہیں ہمیشہ درہم برہم کردینے کے لیئے آمادہ رہتا ہے۔ مراسم کی پابندی عوام کرتے ہیں جو ان کے صحیح مصالح کے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے، اور اس لیئے ان کے قیام کے لیئے خیالی اور وہمی وجوہ اپنے ذہن میں قرار دے لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد ایک دوسرا عمل شروع ہوجاتا ہے جو مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ معقول مراسم نامعقول مراسم کی پیدائش کے باعث ہوجاتے ہیں۔ تمثیل (Analogy) جو فن اصولِ قانون کی پختگی کے زمانہ میں اس قدر مفید چیز ہے، اس کی خامی اور ابتدائی حالت میں سخت مضر ثابت ہوتی ہے۔ جو اوامر اور نواہی ابتداءً بوجوہ معقول ایک خاص قسم کے افعال سے متعلق کیئے گئے تھے، وہ دوسرے اسی قسم کے افعال سے متعلق کردیئے جاتے ہیں، کیونکہ انسان جو ایک قسم کے افعال کے ارتکاب میں دیوتاؤں سے ڈرتا ہے، وہ فطرتی طور سے ان افعال کے ارتکاب میں بھی خوف زدہ ہوتا ہے جو افعال ممنوعہ سے دُور کی مشابہت بھی رکھتے ہیں۔ اگر ایک قسم کی غذا بلحاظ صحت ممنوع کی گئی ہے، تو وہ ممانعت دوسری غذاؤں سے بھی متعلق کردی جاتی ہے اگرچہ ان کا تشابہ بعض اوقات محض خیالی ہوتا ہے۔ اسی طرح عام پاک و صاف رہنے کا حکم چند روز کے بعد مذہبی نہانے دھونے کے طول طویل مراسم سے بدل جاتا ہے، اور قوم کی جماعتوں میں تفریق، جو تمدن کی تاریخ کے ایک خاص نازک زمانہ میں قومی زندگی کے لیئے نہایت ضروری ہوتی ہے، انسانی تمدن کا سب سے زیادہ تباہ و برباد کن آلہ

17

یعنی "ذات" (caste) کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ ہندوؤں کے قانون کی جو حالت ہوئی اس سے قانون روما کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم الانسان (Ethnology) بتاتا ہے کہ باشندگان روما اور ہندو ابتداءً ایک نسل سے ہیں اور فی الحقیقت ان کے ابتدائی مراسم میں بہت زیادہ تشابہ پایا جاتا ہے ہندوؤں کے اصول قانون میں اس وقت بھی جزالت رائے اور دوراندیشی کی تہ نظر آتی ہے، لیکن غیر دانشمندانہ نقل نے اس میں فضول اور تکلیف دہ امور داخل کرکے اس کو بیہودگی کا ایک عظیم الشان آلہ بنا دیا ہے۔ اِن فضولیات سے اہل روما محض اپنے مجموعہ قانون کی وجہ سے محفوظ رہے۔ ان کے مجموعہ کی ترتیب ایسے وقت میں ہوئی کہ مراسم صحیح اور سالم حالت میں تھے اگر وہ ایک صدی بعد مرتب ہوتے تو یہ حالت باقی نہ رہتی۔ ہندوؤں کا قانون بڑی حد تک ضبط تحریر میں آچکا ہے، اور اگرچہ وہ ایک شکل میں اسوقت تک سنسکرت میں موجود اور ایک لحاظ سے قدیم ہے، مگر اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ وہ ایسے وقت میں مدون ہوا کہ جو نقصان پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا تھا فی الحقیقت ہم کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اگر روما کی بارہ الواح کی اشاعت نہ ہوئی ہوتی تو اہل روما کا تمدن اور ان کی تہذیب ایسی ہی کمزور ہوتی جیسی کہ ہندوؤں کی ہے، مگر کم سے کم اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ان کو اپنے مجموعہ قوانین کی موجودگی میں ایسی حالت سے محفوظ رہنے کا زیادہ تر موقع حاصل تھا۔

18

فصل دُوّمُ

مفروضات قانونی

جب ابتدائی قانون ضبط تحریر یعنی مجموعہ یا "کوڈ کی" شکل میں آجاتا ہے اُس وقت سے اس کی وہ ترقی جس کو خود رو کے نام سے موسوم کرسکتے ہیں ختم ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد سے اگر اس میں کبھی کوئی تبدیلی ہوتی ہے، تو وہ سمجھ بوجھ کر اور بیرونی طور سے کی جاتی ہے۔ یہ فرض کرنا کہ کسی قوم یا فرقہ کے رسم و رواج میں، اُس وقت سے لے کر کہ انھیں کسی پدرسری بادشاہ نے قائم کیا، ان کے ضبط تحریر میں آنے تک، جو ایک طویل اور بعض صورتوں میں بے شمار مدت ہوتی ہے، کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی، محض محال ہے۔ یہ کہنا بھی احتیاط کے خلاف ہوگا کہ تبدیل کا کوئی جز بھی دیدہ و دانستہ نہیں کیا گیا ہے۔ اُس زمانہ کی قانونی ترقی کے متعلق جو کچھ تھوڑا بہت ہم کو علم ہے اس کی بنا پر ہمیں یہ فرض کرلینے کی گنجائش ہے، کہ ان تبدیلیوں میں کسی خاص مقصد کو بہت کم دخل تھا۔ قدیم رسم و رواج میں جو تبدیلیاں نظر آتی ہیں وہ تبدیل خیالات اور احساسات کے نتائج ہیں، جن کو ہمارے موجودہ عقول سمجھنے سے عاری ہیں۔ مگر قانون کے ضبط تحریر میں آجانے کے بعد سے ایک جدید دور

شروع ہوجاتا ہے اور اس کے بعد سے جب کسی قانونی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے، تو ہم اس کی نسبت یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ بغرض ترقی، یا ان تمام امور پر حاوی ہوجانے کے لیئے عمل میں آئی ہے، جو ان امور کے علاوہ تھے جو قدیم زمانہ میں مطمح نظر رہے تھے۔

20 بادی النظری طور سے یہ امر ذہن میں آتا ہے کہ نظامہائے قانونی کے ضبط تحریر میں آجانے کے بعد ان کی تاریخ سے ایسے عام مسائل اخذ نہیں کیئے جاسکتے جو قابل اعتبار سمجھے جائیں، کیونکہ میدان ضرورت سے زیادہ وسیع ہے اس امر کا یقین کرنا بھی دشوار ہے کہ جس قدر امور پر ہم نے غور کیا ہے وہ کافی مقدار میں ہیں، یا یہ کہ جن پر ہم نے غور کیا ہے اُن کو ہم صحیح طور سے سمجھ سکے ہیں۔ لیکن یہ کام اس وقت زیادہ تر آسان ہوجاتا ہے، جب ہم یہ امر پیش نظر رکھیں کہ قوانین کے ضبط تحریر میں آجانے کے بعد سے ترقی کرنیوالی اور نہ ترقی کرنے والی قوموں کا فرق نمایاں طور سے ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اس وقت ہماری بحث صرف ترقی کرنے والی قوموں سے ہے جن کی تعداد بیّن طور سے بہت تھوڑی ہے۔ مغربی یورپ کے باشندوں کو، باوجود کثیر شہادت کے، پورے طور سے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ جو تہذیب ان کے گرد و پیش نظر آتی ہے وہ دنیا کی تاریخ میں ایک شاذ استثناد ہے۔ ہمارے عام خیالات، تمام خوف و رجا اور منصوبوں میں ایک تغیر عظیم واقع ہوجائے اگر ترقی کرنے والی قوموں کا تناسب جملہ نوع انسان کے ساتھ صاف طور سے ہمارے پیش نظر رہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ بنی نوع انسان کے بڑے حصے نے اپنے قوانین کی ظاہری تکمیل اور ایک مستقل شکل میں آجانے کے بعد ذرہ برابر بھی اس کی خواہش نہیں کی کہ اس کے ملکی آئین میں کوئی ترقی ہو۔ یہ درست ہے کہ بعض اوقات کچھ مراسم زبردستی منسوخ کردیئے گئے، اور ان کی جگہ دوسرے مراسم قائم ہوگئے ہیں؛ اور کہیں ایک ابتدائی مجموعہ قوانین، جس کے آسمانی ہونے کا دعوے کیا جاتا تھا زیادہ تر وسیع، اور مذہبی مفسرین کی بے اعتدالیوں سے توڑ موڑ کر عجیب شکل میں کردیا گیا ہے غرض کہ دنیا کے ایک مختصر حصہ کے سوائے کسی جگہ 21

نظام قانونی کو تدریجی ترقی نہیں ہوئی۔ بعض قوموں نے مادی ترقی ضرور کی، مگر بجائے اس کے کہ وہ ترقی قانون کو وسیع کرے قانون نے خود اس ترقی کو محدود اور جامد بنادیا۔ قوموں کی ابتدائی حالتوں پر نظر ڈالنے سے اس منزل کا کچھ پتہ چلتا ہے جہاں پہنچکر اکثر قوموں کی ترقی رک گئی ہے۔ ہم صاف طور سے دیکھتے ہیں کہ برہمنوں کا ہندوستان اس منزل سے آگے نہیں بڑھا جو دنیا کے ہر قوم کے راستہ میں پیش آتی ہے، اور جس میں قانون اور مذہب کے قاعدہ میں کوئی تمیز اور فرق نہیں کیا جاتا۔ ایسی تمدنی جماعت کے ارکان مذہبی احکام کی خلاف ورزی میں عدالتی سزا دینا مناسب تصور کرتے ہیں، اور قانونی فرائض کی عدم ادائی کو مستوجب عذاب الٰہی قرار دیتے ہیں۔ چینی اس منزل سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ مگر اس کے بعد ہی ان کی ترقی کا راستہ مسدود ہوگیا کیونکہ ملکی قوانین قوم کے مجموعہ خیالات کے ساتھ چلتے ہیں۔ جو فرق ترقی کرنے والی اور جامد قوموں میں ہوتا ہے، وہ ان بڑے رازوں میں سے ہے جسے ابتک تحقیقات دریافت نہیں کرسکی ہے۔ اسکی جزئی توضیح غالباً ان امور سے ہوسکے جو میں نے گذشتہ فصل کے خاتمہ پر بیان کئے ہیں۔ یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ اس تحقیقات میں کسی ایسے شخص کو کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی جو صاف طور سے یہ نہ سمجھتا ہو کہ جمود بنی نوع انسان کا قاعدہ، اور ترقی اس کا استثنا ہے۔ تحقیقات میں کامیابی کے لیئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ قانون روما کے مخصوص منازل سے پوری طرح سے واقفیت رکھتا ہو۔ تمام انسانی آئینوں میں رومیوں کے اصول قانون کی تاریخ سب سے زیادہ مشہور اور قدیم ہے۔ اور جو تبدیلیاں اس میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں وہ متیقن اور صریح ہیں۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک اس کی یہ تبدیلی مفید تھی یا تبدیل کرنے والے اپنے خیال میں اس کو مفید تصور کرتے تھے۔ ترقی کا یہ سلسلہ ایسے زمانے میں بھی جاری رہا جبکہ بقیہ دنیا کے انسانی خیالات اور افعال میں سستی پیدا ہوگئی تھی، اور متواتر یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اُن پر حالت جمود طاری ہوجائے گی۔ میں آگے چلکر صرف ترقی کرنے والی جماعتوں ہی سے بحث کروں گا۔ ایسی جماعتوں ہی کے متعلق

22

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں تمدنی ضرورتیں اور تمدنی خیالات کم وبیش قانون کے پیش رو اور ہادی ہیں۔ ان دونوں میں جو فاصلہ ہے اس کو ہم رفع کردینا چاہتے ہیں اور بالکل اس کے قریب قریب آجاتے ہیں، مگر اس فاصلہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ قائم رہتا ہے؛ کیونکہ قانون ساکن ہوتا ہے اور جن جماعتوں کا ہم ذکر کررہے ہیں وہ آگے بڑھتی جاتی ہیں۔ عامہ خلائق کی راحت اور خوشی کا کم وبیش انحصار اسی پر ہے کہ وہ فاصلہ جو ان دونوں کے درمیان واقع ہے وہ جہاں تک عجلت کے ساتھ ممکن ہو مختصر کردیا جائے۔

قانون کو جماعت کی ضرورتوں کے مطابق کرنے کے ذرائع کے متعلق ایک عام رائے کا اظہار کیا جاسکتا ہے، جو ایک حد تک قابل لحاظ ہے۔ میرے نزدیک اس مقصد کے لیئے تین ذریعے ہوسکتے ہیں، قانونی مفروضات، نصفت اور وضع قوانین۔ جس ترتیب سے میں نے ان کو بیان کیا ہے وہی ان کی تاریخی ترتیب بھی ہے۔ بعض اوقات ان میں سے ایک ساتھ دو ذرائع اپنا عمل کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں، اور بعض نظامہائے قانونی ایسے ہیں کہ ان میں ان ذرایع میں سے کوئی نہ کوئی ذریعہ بالکل بے اثر رہا ہے۔ لیکن میرے ذہن میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے جس میں اس کے ظہور کی یہ ترکیب بدل گئی ہو۔ ان میں سے نصفت کی ابتدائی تاریخ عام طور سے بالکل تاریکی میں ہے۔ اور اس بناء پر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بعض منفردہ قوانین جو تمدنی ضرورتوں کی اصلاح کے لیئے جاری ہوئے تھے، انھیں اختیارات نصفت پر تقدم حاصل ہے۔ مگر میرا ذاتی یقین یہ ہے کہ نصفتی چارہ کار کو ہر جگہ قوانین موضوعہ کے چارہ کار پر تقدم حاصل رہا ہے اگر یہ ترتیب قطعی طور سے صحیح نہ مانی جائے تو ان کی ترتیب کے متعلق جو رائے قائم ہوتی ہے انھیں ان زمانوں سے محدود کردینے کی ضرورت پڑے گی جن میں وہ متواتر اور مسلسل ابتدائی قانون کی تبدیل میں موثر رہے ہیں۔ میں نے لفظ "مفروضات" اس سے بہت زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے جس میں انگلستان کے مقننین اس کے استعمال کرنیکے

حاوی ہیں، یا جن معنوں میں وہ رومیوں میں استعمال ہوتا تھا۔ روما کے قدیم قانون میں لفظ "مفروضہ" (Fictio) اگر ٹھیک طور سے دیکھا جائے تو فریقین مقدمہ کے بیانات کی ایک اصطلاح ہے، اور اس سے مقصد وہ غلط بیان ہوتا تھا جو مدعی کی طرف سے کیا جاتا تھا مگر جس کی تردید کی مدعی علیہ کو اجازت نہ تھی؛ مثلاً مدعی کا یہ بیان کہ وہ شہر روما کا باشندہ ہے، اگرچہ فی الحقیقت وہ ملک غیر کا باشندہ ہو۔ ان مفروضات کا مقصد صرف حصول اختیار تھا، اور اس لحاظ سے وہ بہت زیادہ ان بیانات سے مشابہ تھے جو انگلستان کی اعلیٰ قانونی عدالتیں اپنے طلب ناموں میں استعمال کرتی تھیں، اور جن کے ذریعہ سے انھوں نے عام دیوانی عدالتوں کے اختیارات غصب کر لیئے تھے۔ مثلاً یہ بیان کہ مدعی علیہ شاہی مارشل کی نگرانی میں تھا یا یہ کہ مدعی شاہی مقروض تھا، اور وہ مدعی علیہ کے قصور کی وجہ سے اپنے ذمہ کا قرضہ نہ ادا کر سکا۔ لیکن اب میں "مفروضات قانونی" کے الفاظ ان مفروضات کی نسبت استعمال کرتا ہوں جو اس واقعہ کو چھپاتے یا چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ قانون کے ایک قاعدہ میں تبدیلی ہوگئی ہے، اور اس کے الفاظ بحال خود ہیں، مگر اس کا عمل بدل گیا ہے اس لئے میرے الفاظ "مفروضات" نہ صرف ان مثالوں پر حاوی ہیں جو میں نے قانون روما اور انگلستان سے منتخب کرکے پیش کی ہیں، بلکہ اس سے زیادہ تر وسیع معنوں میں، استعمال ہوئے ہیں، کیونکہ میں انگلستان کے نظائری قانون اور روما کے جوابات عقلا (فتوے Responsa Prudentium) کو بھی انھیں مفروضات پر مبنی کرنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں مثالوں سے عنقریب بحث کی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں قانون بالکل بدل دیا جاتا ہے، مگر مفروضہ یہی رہتا ہے کہ وہ بحال خود اور بجنسہٖ قائم ہے۔ اس کا سمجھنا کچھ زیادہ دشوار نہیں کہ مفروضات کی تمام صورتیں قوم کی ابتدائی زندگی میں کیوں اس قدر زیادہ مطبوع ہوتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان سے ترقی کی وہ خواہش ایک حد تک پوری ہوجاتی ہے، جو کسی وقت بھی بالکل معدوم نہیں ہوتی، اور اس کے ساتھ ہی تبدیلی کی وہی ناگواری، جو ہر زمانہ میں

24

موجود رہتی ہے، پیش نہیں آنے پاتی۔ تمدنی ترقی کی ایک خاص منزل میں یہ مفروضات قانون کی سخت گیریوں میں کمی کر دینے کے لیئے بیحد مفید اور کارآمد ذرایع ثابت ہوتے ہیں، اگر ان میں سے ایک یعنی تبنیت ہی کا وجود نہ ہوتا جسکی وجہ سے ایک فرضی خاندانی تعلق پیدا ہوجاتا ہے، تو یہ سمجھنا مشکل ہے کہ قومیں کس طرح اپنے جکڑ بند سے آزاد ہوکر تہذیب کے میدان میں پہلا قدم ڈال سکتیں۔ اس لیئے بنتھم نے مفروضات قانونی کا جو جابجا خاکہ اُڑایا ہے اس سے ہم کو مطلق نہ متاثر ہونا چاہیئے۔ ان کو محض فریب قرار دے کر ان کی توہین کرنا قانون کی ترقی کی تاریخ میں ان کے مخصوص مقاصد سے ناواقفیت کی کامل دلیل ہے۔ مگر اسکے ساتھ ان اصولی لوگوں سے اتفاق کرنا بھی حماقت سے خالی نہ ہوگا جو مفروضات کے کارآمد ہونے کی بنا پر اس کے طرفدار ہیں کہ ان کو ہمارے قانونی نظام میں قائم رکھنا ضرور ہے۔ اس وقت بھی ایسے مفروضات موجود ہیں جن کا قوی اثر انگلستان کے اصولِ قانون پر پڑتا ہے، اور جو خیالات کو سخت صدمہ پہنچائے اور انگلستان کے وکلا کے اصطلاحات اور محاورات میں سخت تبدیلی کئے بغیر، ترک نہیں کئے جاسکتے۔ لیکن اس امر کی عام صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک مسلمہ مفید مقصد حاصل کرنے کے لیئے ایسا نامعقول طریقہ اختیار کرنا ہمارے شایان شان نہیں ہے۔ میں کسی ایسی بے ضابطگی کو جو قانون کے سمجھنے یا اس کی ترتیب میں، مشکل پیدا کردے، بے ضرر نہیں تصور کرتا۔ علاوہ دوسرے امور کے یہ مفروضات، قانون کی باضابطہ ترتیب میں سخت مزاحم ہیں۔ قانون کا ایک قاعدہ بحال خود موجود رہتا ہے، مگر وہ محض ڈھانچہ ہوتا ہے جس میں جان نہیں ہوتی، اس قاعدہ کو مرکز زمانہ ہوجاتا ہے اور ایک جدید قاعدہ اس ڈھانچہ میں آکر جانشین ہوجاتا ہے۔ اب یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ جو قاعدہ کہ فی الحقیقت نافذ اور قابلِ عمل ہے وہ اپنی حقیقی جگہ یا ظاہری جگہ پر قائم کیا جائے، اور اس میں مختلف عقلوں کے آدمی مختلف راستے اختیار کرلیتے ہیں۔ انگلستان کے قانون کی صحیح ترتیب اور تقسیم کے لیئے یہ امر ضرور ہے کہ مفروضات قانونی اس سے چھانٹ دیئے جائیں جو باوجود وضع قوانین کی حالیہ ترقی کے اب بھی اس میں بکثرت

موجود ہیں۔

اس دوسرے ذریعہ کو جسکی وجہ سے قانون تمدنی ضروریات کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے میں" نصفت" کہتا ہوں۔ اس لفظ سے میری مراد وہ قواعد ہیں جو اصلی ملکی قانون کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، مگر جو اس سے مختلف اصول پر مبنی ہوتے ہیں اور جن کو بعض اوقات ملکی قانون کے قواعد پر اس وجہ سے ترجیح دی جاتی ہے کہ جن اصول پر وہ مبنی ہیں وہ زیادہ تر وقعت اور تعظیم کے قابل ہیں۔ نصفت خواہ وہ روما کے ججوں یا انگلستان کے چانسلروں کی پیدا کی ہوئی ہو، مفروضات قانونی سے، جو ہر صورت میں اس سے قبل کے ہیں، مختلف ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس کی مداخلت قانون میں علانیہ اور صریح ہے۔ نصفت وضع قوانین سے بھی جدا ہے، جو اس کے مابعد قانونی ترقی کا ذریعہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ نصفت کے تسلیم کئے جانے کا دعوٰے کسی ظاہری شخص یا جماعت، یا ان مجسٹریٹوں کے حقوق پر جو اس کو کام میں لاتے ہیں، مبنی نہیں ہوتا بلکہ اس کی بنیاد اُن اصول کی مخصوص نوعیت پر قائم ہوتی ہے، جن کے ساتھ جیسا کہ کہا جاتا ہے، ہر قانون کو مطابق ہونا چاہئے۔ ایسے چند اصول کے وجود کا تصور جو اصل قانون سے زیادہ تر وقیع اور کسی ظاہری جماعت کے حکم یا منظوری کے بغیر کام میں لائے جانے کے قابل سمجھے جاتے ہوں، اس سے بہت زیادہ ترقی یافتہ زمانہ کا خیال ہے جس میں مفروضات قانونی کے رواج کی ابتدا ہوئی۔

وضع قوانین، یعنی قوانین مجریہ واضعان قانون، خواہ انکے واضع خود مختار بادشاہ ہوں یا پارلیمنٹ، تمام قوم کے نمائندہ فرض کرلیئے جاتے ہیں، اور یہی قانونی ترقی کا آخری ذریعہ ہے۔ یہ کل مفروضات قانونی سے ایسا ہی مختلف ہے جیسے نصفت اس سے مختلف ہے۔ نصفت اور موضوعہ قوانین میں یہ فرق ہے کہ قانون کا ماخذ ایک ظاہری جماعت یا شخص ہوتا ہے اور اس کے واجب التعمیل ہونے میں اس کے اصول کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ واضعان قانون، خواہ عام رائے کا اُن پر کتنا ہی اثر کیوں نہ پڑتا ہو، اصولاً اس امر کے

مجاز ہیں کہ وہ جو فرائض چاہیں ارکان قوم پر عائد کردیں ۔ ان کے بیہودہ سے بیہودہ خیالات کو قانونی جامہ پہنانے میں کوئی چیز روکنے والی نہیں ہوسکتی ۔ ممکن ہے کہ یہ قوانین اصول نصفت کے مطابق ہوں، اگر نصفت کے معنی اس صحت یا غیر صحت کے معیار کے لیئے جائیں جس سے واضعان قوانین کے وضع کردہ قوانین اتفاقیہ مطابق ہوجائیں، پھر بھی ان قوانین کی پابندی کا لزوم واضعان قانون کے اختیارات سے ماخوذ ہوتا ہے نہ کہ ان اصول سے جن پر واضعانِ قوانین نے عمل کیا ہے، اور اس طور سے ان میں اور مصطلحہ قواعد نصفت میں فرق پڑجاتا ہے، جو اپنی مفروضہ وقعت اور عظمت کے لحاظ سے بغیر پادشاہ یا پارلیمنٹ کی منظوری کے بھی عدالتوں میں کام میں لائے جانے کے قابل متصور ہوتے ہیں ۔ ان فرقوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا ضرور ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ بنتھم کی تصانیف کا پڑھنے والا مفروضات قانونی، نصفت، اور قوانین کو وضع [قوانین کے ایک عنوان کی تحت میں تصور کرکے سب کو خلط ملط کردے۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ان سب میں قانون سازی کا عمل موجود ہے، ان میں صرف فرق اتنا ہے کہ وہ مختلف ذرایع سے بطور جدید قاعدہ کے وجود میں آئے ہیں یہ بالکل سچ ہے، اور ہم کو یہ کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے، مگر اس بنا پر ہم کو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہم وضع قوانین کی سی کارآمد اصطلاح کو مخصوص معنوں میں استعمال کرنا کیوں ترک کردیں ۔ وضع قوانین، اور نصفت، عوام اور نیز اکثر محققین کے خیال میں دو مختلف چیزیں ہیں ؛ اور ان کے امتیاز کو، خواہ وہ کیسا ہی رسمی کیوں نہ ہو، اٹھا دینا صحیح نہ ہوگا جبکہ اس سے اہم عملی نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔

27

ہر باضابطہ مرتبہ قواعد کے مجموعہ سے مفروضات قانونی کی مثالیں منتخب کرلینا کچھ دشوار نہیں، جن سے زمانہ حال کے ناظرین کو ان کی صحیح نوعیت کا پتہ چل سکتا ہے ۔ البتہ ان دو مفصلۂ ذیل مثالوں میں جن سے میں بحث کرنا چاہتا ہوں، اس مصلحت کی نوعیت کا دریافت کرلینا جن کی بنا پر ان سے کام لیا گیا، کسی قدر دشوار ہے ۔ ان مفروضات کے ابتدائی موجدوں کا غالباً یہ

منشا نہ تھا کہ وہ کوئی جدت پیدا کریں، اور یہ امر یقینی تھا کہ وہ اس سے بچنا چاہتے تھے کہ ان پر جدت کا اشتباہ کیا جائے۔ علاوہ اس کے بہت سے آدمی ایسے ہیں اور تھے، جو اس عمل میں مفروضات کا کوئی وجود نہیں پاتے، اور ان کے رسمی الفاظ ان کے اس انکار کا پتہ دیتے ہیں۔ بہر حال اس امر کے اظہار کے لیئے کہ مفروضات قانونی کس درجہ شایع ہیں، اور کس خوبی سے اپنے دونوں عمل یعنی قانون میں تبدیلی کرتے ہیں اور اس تبدیلی کو ظاہر نہیں ہونے دیتے، ان دو مثالوں سے بہتر کوئی اور مثال نہیں ہوسکتی۔ ہم لوگ انگلستان میں ایسے ذریعہ سے قانون میں توسیع، تبدیل، اور اضافہ کے عادی ہیں، جو اصولاً موجودہ اصول قوانین میں ایک نقطہ یا ذرہ برابر بھی تبدیلی کا مجاز نہیں متصور ہوسکتا۔ یہ کارروائی جس کے ذریعہ سے حقیقی وضع قانون کا عمل ہوتا رہتا ہے ایسی غیر محسوس نہیں ہے کہ اس کے تسلیم کیئے جانے سے انکار کیا جاسکے۔ ہم اپنے قانون کے اس جزاعظم کے متعلق جو نظائر میں پوشیدہ اور قانونی رپورٹوں میں ثبت ہے، دو متضاد قسم کے خیالات رکھتے، اور اسی کے مطابق دو مختلف قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جب کسی انگلستان کی عدالت کے سامنے چند واقعات کا ایک مجموعہ تصفیہ کے لیئے پیش کیا جاتا ہے، تو اس تمام بحث میں جو جج اور وکلا میں ہوتی ہے یہ مسلمہ ہوتا ہے کہ کوئی سوال نہ ایسا ہے، اور نہ ہوسکتا ہے، جس کے حل کرنے کے لیئے بجز قدیم اصول کے کسی اور اصول کی ضرورت ہے، یا کسی ایسے امتیاز اور فرق کی حاجت ہے جو اس سے بہت قبل منظور اور تسلیم نہیں کرلیا گیا ہے۔ یہ کامل طور سے فرض کرلیا جاتا ہے کہ معروف قانون کا کوئی نہ کوئی قاعدہ ایسا ہے جو تصفیہ طلب مقدمہ کے واقعات پر پورے طور سے حاوی ہوگا، اور اگر ایسا کوئی قاعدہ دستیاب نہیں ہوتا تو اس میں ہمارے استحضار علم، اور تبحر کا قصور ہے۔ مگر جوں ہی مقدمہ کا فیصلہ ہوکر درج رپورٹ ہوجاتا ہے تو ہم نادانستہ اور بلا اعتراف کے جدید الفاظ استعمال کرنے اور جدید خیالات کا سلسلہ قائم کرنے لگتے ہیں۔ اب ہم اس کے مقر اور معترف ہوجاتے ہیں کہ جدید فیصلہ نے قانون کو بدل دیا ہے۔ اور قواعد متعلقہ جیسا کہ

غلط طور سے بعض اوقات کہا جاتا ہے، زیادہ تر لچکدار کر دیئے گئے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بدل دیئے جاتے ہیں۔ نظائر میں ایک صریح اضافہ ہوجاتا ہے، اور مختلف نظائر کا باہم مقابلہ کرکے جو قانونی حکم مستنبط ہوتا ہے وہ وہی نہیں ہوتا جو ایک نظیر کے بھی خارج کردئے جانے کے بعد مستنبط ہوتا۔ یہ امر کہ قدیم قاعدہ منسوخ ہوکر جدید قاعدہ اس کی جگہ قائم ہوگیا ہے ہماری نظر میں نہیں آتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس کے عادی نہیں ہیں کہ نظائر سے جو اصول قانون مستنبط ہوتے ہیں ان کو ٹھیک اور صحیح الفاظ میں لاکر بیان کریں، اس طور سے جو تبدیلیاں ان کے فحوا میں ہوتی ہیں وہ ہم کو اسوقت تک نظر نہیں آتیں جب تک کہ وہ بہت صریح اور بالکل علانیہ نہیں ہوتیں۔ میں اس وقت اس امر پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ انگلستان کے مقننین نے اس عجیب عمل کو اس وقت تک کیوں جاری رکھا ہے، اس کی وجہ کا غالباً اس سے پتہ چل جائے کہ ابتدا میں یہ امر تسلیم کرلیا گیا تھا کہ مخفی (In Nubibus) یا ناظم کے ذہن (Ingremio magistratum) میں، ایک ایسا مکمل، مرتب، مسلسل، اور وسیع انگریزی قانون موجود تھا جس سے ایسے اصول مستنبط ہوسکتے ہیں جو تمام قابلِ تصور معاملات کے تصفیہ کے لیئے کافی ہیں، ابتداً اس اصول پر اس سے بہت زیادہ یقین کیا جاتا تھا جتنا کہ اب کیا جاتا ہے، اور اس کے واسطے معقول وجوہ بھی تھے۔ تیرھویں صدی کے ججوں کے پاس فی الحقیقت قانون کا ایک ایسا ذخیرہ ہوگا جس سے وکلاء اور عامہ خلائق محض ناواقف ہوں گے، کیونکہ اس امر کے باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ ججان مذکور اکثر قانون روما اور قانون کلیسا کے خلاصہ جات مروجہ سے پوشیدہ اور بعض اوقات ناوانشمندانہ طور سے، مدد لیا کرتے تھے۔ مگر جب سے ویسٹ منسٹر ہال کے منفصلہ نظائر اس قدر ہوگئے کہ خود ان پر ایک معقول اصول قانون کی بنیاد قائم ہوسکے، ان ذخائر سے مدد لینا موقوف ہوگیا۔ اب صدیوں سے انگلستان کے قانون پیشہ اصحاب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ یہی عجیب بات ہے کہ ان کے قوانین کی بنیاد میں جس وقت سے کہ وہ قائم ہوئی، بجز نصفت

80

یا وضع قوانین کے اور کسی ذریعہ سے کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ ہم اس کا اقرار نہیں کرتے کہ ہماری عدالتیں قانون بناتی ہیں، اور کنایتاً یہ بھی کہتے ہیں کہ انھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا، مگر اس پر بھی اس کے معترف ہیں کہ انگلستان کے غیر موضوعہ قوانین کے قواعد عدالت چانسری اور پارلیمنٹ کی تھوڑی سی مدد سے زمانۂ حال کے تمدن کے پیچیدہ سے پیچیدہ معاملہ کے تصفیہ کے لیئے کافی اور وافی ہیں۔

اہلِ روما میں بھی ایک قانون ایسا موجود تھا جس کو ہمارے قانون نظائر سے ان امور میں جن کو میں اوپر بیان کرچکا ہوں بہت زیادہ مشابہت تھی۔ وہ "جوابات عقلاء قانون داں" (فتاویٰ) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اہلِ روما کے اصول قانون کی تاریخ میں ان جوابات کی صورت مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہے۔ گر بہمہ وجوہ اور ہرحالت میں وہ سرکاری طور سے مدون شدہ تحریرات کے توضیحی حواشی (Glosses) تھے، اور ابتدا میں تو ان کی حیثیت صرف بارہ الواح کی تعبیری رایوں کے مجموعہ کی تھی۔ وہاں بھی ہمارے یہاں کی طرح تمام قانونی زبان اس مفروضہ کی تائید کرتی تھی کہ قدیم مجموعہ قوانین بحالِ خود قائم ہیں۔ صریح قاعدہ تمام حواشی اور تفسیروں پر قابلِ ترجیح متصور ہوتا تھا، اور کوئی شخص صاف طور سے اس کا قائل نہ تھا کہ کوئی تعبیر، خواہ تعبیر کرنے والا کیسا ہی بڑا شخص کیوں نہ ہو، ایسی نہیں ہوسکتی کہ وہ قابلِ تعظیم اصلی قاعدہ کے مقابلہ میں رد و بدل سے محفوظ رہ سکے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جوابات عقلاء کی کتابوں (فتاویٰ) نے، جو مشہور و معروف مقننین کے ناموں سے منسوب تھیں، کم از کم وہی درجہ حاصل کرلیا تھا جو ہمارے رپورٹ شدہ مقدمات کو حاصل ہے، اور وہ عدالت ارکان عشرہ کے قانون میں متواتر تبدیل، توسیع، تضئیق، اور عملی طور سے تنسیخ کرتی رہتی تھیں۔ اس جدید اصول قانون کے مولف ہمیشہ اصل مجموعہ کے الفاظ کی وقعت اور تعظیم کا اقرار کرتے رہے۔ ان کا دعوے تو یہی تھا کہ وہ صرف توضیح اور تشریح کرکے ان کے اصلی معنی بتاتے ہیں، لیکن اصل عبارتوں کو توڑنے جوڑنے، اور مقدمات کے حقیقی واقعات

کے ساتھ قانون کو مطابق کرنے، اور آیندہ پیش آنے والی صورتوں میں ان کے استعمال کے طریقوں پر غور کرنے، اور دوسرے تحریرات کو دیکھکر تعبیر کے اصول اخذ کرنے میں، انھوں نے بہت سے ایسے قواعد بنالیئے تھے جو بارہ الواح کے مؤلفوں کے خواب وخیال میں بھی نہ آئے ہوں گے، اور جن کا وجود بہ مشکل، یا یوں کہو، کہ مطلق ان میں نہیں پایا جاتا تھا۔ مقننین کی اس قسم کی تصنیفات کی وقعت اس بنا پر کی جاتی تھی کہ اِن کی نسبت یہ فرض کرلیا گیا تھا کہ وہ مجموعہ قوانین کے مطابق ہیں۔ ان کی باہمی وقعت کا اندازہ ہر مصنف کی ذاتی وقعت سے کیا جاتا تھا۔ اگر مصنف ایسا شخص ہوتا تھا جس کی عظمت ایک عالم کرتا تھا تو اس کے فتووں کی ایسی ہی وقعت کی جاتی تھی جس طرح قانون موضوعہ کی کی جاتی تھی، اور اسکی کتاب بجائے خود ایک جدید بنیاد بن جاتی تھی، جس سے مزید اصول قانون اخذ ہوسکتے تھے۔ ابتدائی مقننین اپنے فتووں کو، زمانہ حال کے معنوں میں، طبع نہیں کراتے تھے۔ ان کے شاگرد ان کو لکھتے اور جمع کرتے تھے، اور بقیاس غالب ان کی ترتیب میں کسی خاص اصول کی پابندی نہیں ہوتی تھی۔ ان تالیفات میں شاگردوں کا جو حصہ ہے اس کو اچھی طرح پیش نظر رکھنا چاہیئے، جو خدمت وہ لوگ اپنے استادوں کی کرتے تھے اس کا معاوضہ عام طور سے یہی تھا کہ استاد ان کی تعلیم و تربیت میں بیحد جد و جہد کرتے تھے۔ تعلیمی رسالہ جات جو "انسٹیٹوٹ" یا "شرح" کے نام سے موسوم ہیں اور جو اسوقت کے مسلمہ فرائض کے نتائج مابعد ہیں، وہ روما کے نظام قانونی کی مخصوص خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں تعلیمی رسائل میں، نہ کہ اُن کتابوں میں جو ماہرین فن کے لیئے لکھی گئی تھیں، مقننین نے عوام کے سامنے اپنے اصول ترتیب اور اصطلاحی الفاظ کی تبدیل اور تہذیب کی تجویزیں پیش کی تھیں۔

روما کے فتووں کو انگلستان کے اس طریقہ سے جو ان کا مشابہ ہے مقابلہ کرتے وقت، یہ امر بخوبی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ روما کے اصول قانون کے اس جزو کی توضیح کرنے والے نظمائے عدالت نہیں، بلکہ وکلا تھے۔ روما کی عدالتوں کے

32

فیصلے اگرچہ معاملہ زیر بحث میں قطعی ہوتے تھے، مگر اس کے بعد ان کی کوئی خاص قوت نہ رہتی تھی بجز اس وقعت کے جو صادر کنندہ فیصلہ کی قانون دانی کی شہرت پر مبنی ہوتی تھی ۔ اہلِ روما میں اگر صحیح طور سے دیکھا جائے تو جمہوری سلطنت کے زمانہ میں کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو انگلستان کی عدالتوں، یا شاہی جرمنی کے "چیمبرس" یا شاہی فرانس کی پارلیمنٹ کے مشابہ قرار دی جاسکے ۔ اس میں شک نہیں کہ ہر سررشتہ میں مجسٹریٹ وسیع قانونی اختیارات کے ساتھ متعین تھے، مگر وہ صرف ایک سال کے لیئے مقرر کیئے جاتے تھے جن پر مستقل نظام عدالت کا اطلاق کرنا بھی مشکل تھا، گویا عہدہ داری ایک مختصر دور تھا جو نہایت تیزی کے ساتھ سربرآوردہ وکلاء میں گردش کرتا رہتا تھا ۔ اس حالت کے پیدا ہوجانے کے متعلق جو ہم کو بالکل عجیب معلوم ہوتی ہے بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے ۔ مگر فی الحقیقت یہ حالت قدیم سوسائٹوں کے واسطے ہمارے موجودہ طریقہ سے زیادہ تر موزوں تھی ۔ وہ لوگ باوجود مختلف جماعتوں میں منقسم ہوجانے کے اس امر کو روا نہ رکھتے تھے کہ ان پر اہلِ فن کی کوئی جماعت فرمانروائی کرے ۔

33

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ یہ نظام ان بعض نتائج کے پیدا کرنے میں ناکام رہا جن کے پیدا ہونے کی بہمہ وجوہ اس سے امید کی جاسکتی تھی ۔ مثلاً یہ کہ اس نے قانون روما کو عام نہیں کیا، یعنی اس دماغی محنت کو ہلکا نہ کرسکا جو اس فن پر حاوی ہونے کے لیئے درکار ہوتی تھی، جیسا کہ بعض دوسری یونانی جمہوری حکومتوں میں ہوا، اگرچہ قانون مذکور کی اشاعت اور اس کی قطعی توضیح و تشریح میں کسی قسم کے مصنوعی موانع موجود نہ تھے ۔ برخلاف اس کے، اگر دوسرا سلسلہ اسباب اپنا عمل نہ کرتا ہوتا، تو قیاس غالب یہ ہے کہ روما کا اصول قانون بھی ایسا ہی باریک، اصطلاحی اور دشوار ہوجاتا جیسے دوسرے نظام قانون ہوگئے، جو اس کے بعد رائج ہوئے ۔ جس نتیجہ کے پیدا ہونے کی فطری طور سے اس سے زیادہ امید ہوسکتی تھی وہ بھی کسی زمانہ میں پیدا نہ ہونے پایا ۔ جب تک کہ روما کی آزادی نہیں چھن گئی روما کے مقننین ایک ایسی جماعت کے ارکان تھے جو غیر متعین تھی اور جس کی تعداد بہ قیاس غالب گھٹتی بڑھتی رہتی ہوگی؛ مگر باوجود اس کے ایسے لوگوں کے

وجود کی نسبت کبھی شبہ نہیں کیا گیا ہے جن کی رائیں، ان مقدمات میں جو ان کے سامنے پیش کئے جاتے تھے ان کے زمانہ میں قطعی متصور ہوتی تھیں۔ سربرآوردہ مقننین کی روزانہ زندگی کی جو نمایاں تصویر لاطینی علم ادب میں جابجا نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ قصبات کے موکل صبح سویرے ان کے مکانوں کے صحن میں جمع ہیں، شاگرد نوٹ بک لیے ہوے اپنے استاد کے گرد کھڑے ہیں تاکہ اس سربرآوردہ مقنن کے جوابات لکھے جائیں، اس تصویر کے ساتھ کسی زمانہ میں بھی بجز ایک یا دو سربرآوردہ اشخاص کے کسی کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ وکلا اور موکلین کے براہِ راست تعلقات کی وجہ سے اہلِ روما وکلا کی شہرت اور نیک نامی کی ترقی اور تنزل سے پوری طرح واقف رہتے تھے، اور اس امر کا کافی ثبوت خصوصاً سسرو کے خطبات "پرو مورینا" میں موجود ہے کہ عوام جو وقعت قانونی کامیابی کی کرتے تھے اس کا رجحان بجائے تفریط کے افراط کی جانب تھا۔

84

ہمیں اس امر کے باور کرنے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں نظر آتی کہ جو امور قانون روما کے ابتدائی نشوونما کے باعث ہوے وہی اس کی مخصوص برتری کے بھی سبب ہوئے۔ اور انھیں نے اس کو بہت جلد اصول سے مالامال کر دیا۔ اصول کی اس فراوانی کا ایک سبب وہ مقابلہ اور معارضہ بھی تھا جو شارحان قوانین میں مسلسل جاری تھا۔ یہ منظر ایسے مقامات میں جہاں نظماءِ عدالت کا وجود ہوتا ہے، اور جن کے ہاتھ میں بادشاہ یا سلطنت جمہوری کی طرف سے تمام عدالتی اختیارات دیدئیے جاتے ہیں بالکل نظر نہیں آتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا خاص سبب مقدمات کی بے روک ٹوک کثرت تھی جو قانونی فیصلہ جات کے لیئے پیش ہوتے رہتے تھے۔ جن حقیقی واقعات کی بنا پر قصبات کے موکلوں کو پریشانی لاحق ہوتی تھی انھیں تک یہ فتوے منحصر نہ رہتے تھے، بلکہ ان خیالی اور فرضی مقدمات پر بھی اسی طرح توجہ کی جاتی تھی جو کوئی ذکی الطبع شاگرد بنا کر پیش کرتا تھا۔ تمام واقعات کا امتزاج ایک ہی نوع پر ہوتا تھا خواہ وہ حقیقی ہوں یا فرضی۔ اگر اس مشیر قانونی کی رائے کو کوئی ایسا مجسٹریٹ مقدمہ زیر بحث میں ناقابلِ قبول قرار دیتا تھا جو علم قانون یا اہلِ فن کی نظروں میں بلحاظ وقعت کے اس سے

بڑھا ہوا ہوتا تھا، تو اس کی کوئی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ اس سے یہ میرا مقصد نہیں ہے کہ وکیل کو اپنے موکل کے فائدہ کی کوئی پروا نہ ہوتی تھی، کیونکہ ابتدائی زمانہ میں یہی موکل بڑے بڑے وکلا کے معین اور مددگار اور بعد کے زمانہ میں ان کے آقا تھے۔ لیکن سب سے بڑی کامیابی جو وہ لوگ پیش نظر رکھتے تھے وہ اہل فن میں امتیاز اور وقعت تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو حالات میں بیان کر رہا ہوں ان میں یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ ہر مقدمہ پر ایک عام اصول کے تحت میں لاکر نظر ڈالی جائے، اور وہ ایک وسیع قاعدہ کی تمثیل قرار پائے، نہ یہ کہ وہ محض ایک منفردہ شکل میں لاکر قانونی کامیابی حاصل کرنے کے لیئے پیش کردیا جائے۔ ایسی حالت میں کہ امکانی سوالات کے اختراع اور پیش کرنے میں کوئی مخصوص روک ٹوک نہ تھی، یہ ظاہر ہے کہ بیحد ذاتی اثر سے کام لینا پڑتا ہوگا۔ جن صورتوں میں واقعات میں حسب خواہش اضافہ ہو سکتا ہے، وہاں عام اصول کے استخراج میں زیادہ تر آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہمارے یہاں جس طرح انصاف ہوتا ہے، اس میں اسکی گنجائش مطلق نہیں ہے کہ جج ان واقعات سے جو اس کے یا اس کے جانشین سابق کے سامنے پیش تھے باہر جاسکے۔ اس لیئے واقعات کا وہی مجموعہ جو زیر تصفیہ ہوتا ہے، یہ محاورہ گال ایک قسم کی بزرگی اور تقدیس کا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس میں وہ خاص اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کو دوسرے مقدمات سے خواہ وہ حقیقی ہوں یا فرضی ممیز اور ممتاز کر دیتے ہیں۔ لیکن روما میں، جیسا کہ میں نے سمجھانے کی کوشش کی ہے، علماء عدالت کا کوئی فرقہ نہ تھا، اور اس لیئے ایک مجموعۂ واقعات کو دوسرے مجموعہ واقعات کے مقابلہ میں کوئی خاص وقعت حاصل نہ تھی۔ جب مقنن کے سامنے کوئی شکل بغرض اظہار رائے پیش کی جاتی تھی، تو کسی ایسے شخص کے لیئے جس میں باریک تطابق دریافت کر لینے کا مادہ موجود ہوتا تھا کوئی امر مانع نہ ہوتا تھا کہ وہ فوراً ایسے مسلسل فرضی سوالات پیش اور اُن پر غور کرے جو ایک مخصوص صفت کی بنا پر اس سے ملتے جلتے ہوں۔ موکل کو خواہ عملی صلاح کچھ دی جاتی ہو، مگر جو جوابات سامنے

شاگردوں کی بیاضوں میں محفوظ رہتے تھے ان میں یقیناً واقعات کا کسی بڑے اصول یا ایک عام قاعدہ کی تحت میں داخل ہونا خیال کیا گیا ہوگا۔ ہمارے 36 نظام قانونی میں کبھی کوئی ایسا عمل ممکن نہ ہو سکا، اور ہم کو اس کا اقرار کرنا چاہئے کہ انگریزی قانون کے متعلق جو مباحث ہوئے ان میں اس کے طریقہ اشاعت کی تاریخ بالکل نظرانداز کردی گئی ہے۔ ہماری عدالتیں عام اصول کے قائم کرنے میں جو پس وپیش کرتی ہیں اس کو ججوں کے امزجہ سے زیادہ نظائر کی تناسبی کمی پر محول کرنا مناسب ہوگا۔ ہمارے یہاں کے نظائر انھیں لوگوں کی نظر میں کثیر معلوم ہوتے ہیں جو دوسرے نظام ہائے قانونی سے واقف نہیں ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کیا جاسکتا کہ اکثر زمانۂ حال کی یورپین اقوام کے مقابلہ میں ہماری قانونی اصول کی بضاعت بہت تھوڑی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری اقوام نے اپنے ملکی قوانین کی بنیاد قانون روما پر رکھی ہے، اور قانون روما کا ملبہ اپنے نظام قانونی کی دیواروں کی تعمیر میں صرف کردیا ہے، گر باقی عمارت کے مصالحہ اور کاری گری میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس کو انگریزی قانونی عمارت سے ممیز اور ممتاز کرتی ہو۔

اہل روما کی آزادی کا زمانہ وہ زمانہ تھا جس میں قانون روما پر ایک امتیاز کی مہر لگی ہوئی تھی؛ اور اس کے ابتدائی زمانہ میں جو کچھ قانونی ترقی ہوئی وہ مقننین کے فتوؤں کی وجہ سے تھی۔ لیکن جوں جوں سلطنت جمہوری کے زوال کا وقت قریب آتا گیا ان کے فتوے ایسی شکل اختیار کرنے لگے جو ان کی مزید ترقی کے حق میں سم قاتل تھی۔ ان میں ترتیب ملحوظ رکھنے اور اختصار کا خیال پیدا ہوتا گیا۔ کہا جاتا ہے کیو میوکیس اسکولا پادری (Pontifen) نے تمام ملکی قوانین کا ایک مختصر مجموعہ تالیف کیا تھا۔ اور سسرو کی تحریرات میں قانونی ترقی کے جدید اور زیادہ تر موثر ذریعہ کے مقابلہ میں قدیم ذریعہ کی نسبت روزافزوں بدعقیدگی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ قانون پر دوسرے امور کا بھی اثر ہونے لگا تھا، اور فرامین یا رومی سول عہدہ داروں کے سالانہ اعلان اصلاح قانون کے بہترین ذرایع سمجھے جاتے تھے۔ ایل کارنیلیس سیلا نے

بہت سے قوانین جاری کرکے جو مجموعاً "قوانین کارنیلیس" کے نام سے موسوم کیئے جاتے تھے، یہ ثابت کردیا تھا کہ براہ راست وضع قوانین سے قانونی ترقی کس قدر آسانی اور عجلت کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ فتوؤں کو آخری ضرب آگسٹس کے ہاتھ سے پہنچی، جس نے مقدمات پیش شدہ میں قابل پابندی رائے دینے کا حق صرف چند سربرآوردہ مقننین کے لیئے مخصوص کردیا تھا۔ یہ عمل اگرچہ ہم کو زمانۂ حال کے خیالات کے قریب قریب لے آتا ہے مگر اس سے روما کے قانونی پیشے کی خصوصیات اور اس اثر میں جو روما کے قانون پر پڑتا تھا ایک عظیم تغیر پیدا ہوگیا۔ اس کے بعد مقننین کا دوسرا گروہ پیدا ہوا، جو اس فن کے ہمیشہ امام سمجھے جاتے رہیں گے الپین، پالس، گیئس، اور پاپینین، فتوے دینے والے مقننین نہ تھے؛ بلکہ ان کی تصنیفات میں قانون کے خاص خاص شعبوں، اور خصوصاً سول عہدہ داروں کے اعلانوں پر باضابطہ رسالے تھے۔

رومیوں اور سول عہدہ داروں کے احکام کی نصفت سے، جو اسی ذریعہ سے ان کے نظام قانونی میں داخل ہوگئی، آیندہ فصل میں بحث کی جائیگی قوانین موضوعہ کی نسبت صرف اتنا بیان کرنا ضرور ہے کہ حکومت جمہوری کے زمانہ میں ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی، مگر حکومت شاہی کے زمانہ میں انکی بڑی کثرت ہوگئی۔ قوم کے بچپن اور عنفوان شباب کے زمانہ میں واضعان قانون سے خانگی قانون کی اصلاح کا بہت کم کام لیا جاتا ہے۔ رعایا عموماً قانون کی ایسی وقعت کرتی ہے جس کا فی الحقیقت وہ مستحق نہیں ہوتا، اور اس کی اصلاح کے لیئے مطلق شور نہیں مچاتی وہ صرف پاک و صاف، مکمل، اور آسان انتظام چاہتی ہے واضعان قانون کی طرف صرف اسی وقت رجوع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ کسی بڑی خرابی کے رفع کرنے، یا دو جماعتوں یا خاندانوں میں ایسی نزاع کے تصفیہ کی ضرورت داعی ہوتی ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے فیصل نہیں ہوسکتی۔ اہل روما کے دماغ میں کثرت سے قوانین کے اجراء، اور قوم میں کسی بڑے ملکی ہنگامہ کے بعد امن قائم ہوجانے کے دو تصورات میں ایک قسم کا باہمی تعلق اور ربط پایا جاتا تھا۔ سیلا نے حکومت جمہوری کے دوبارہ قیام کو "قوانین کارنیلیا" سے

B8

ممیز کیا؛ جولیس سیزر نے قوانین موضوعہ میں وسیع اضافہ کرنے کا خیال قائم کیا تھا؛ آگسٹس نے ایک اہم ترین مجموعہ "قوانین جولیائی" کے نام سے جاری کیا؛ اور اس کے بعد کے شاہنشہوں میں جنھیں قسطنطین کی طرح ایک عالم کا انتظام کرنا پڑا وہ بڑے واضعان قانون ثابت ہوئے۔ روما میں صحیح طور سے وضع آئین و قوانین کا زمانہ قیام بادشاہی سے شروع ہوتا ہے۔ شاہنشاہوں کے موضوعہ قوانین ابتداً عوام کی اجازت کے پردہ میں، مگر بعدہ علانیہ شاہی حقوق کی بناء پر شایع ہونے لگے، آگسٹس کے پورے تسلط سے لے کر جسٹینین کے مجموعہ قوانین کے شیوع تک متواتر اضافہ ہوتا رہا۔ دوسرے ہی شاہنشاہ کے زمانہ میں قانون اور دادگستری کی تقریباً وہی صورت ہوگئی تھی جس سے ہم سب واقف ہیں۔ یعنی موضوعہ قوانین اور اس کے شارحین کی ایک محدود جماعت پیدا ہوگئی ہے، مرافعہ کی مستقل عدالتیں، اور مقبولہ شروح کا ایک مجموعہ عنقریب معرض وجود میں آنے والا ہے اور اس طور سے ہم ان خیالات کے بالکل قریب ہوئے جاتے ہیں جو خاص ہمارے زمانہ کے ہیں۔

فصلِ سوم

قانون فطرت و نصفت

چند قانونی اصول جو اپنی ذاتی برتری کے لحاظ سے اس کے مستحق تھے کہ قدیم قوانین کو منسوخ کر دیں، بہت جلد سلطنت روما اور نیز انگلستان میں رائج ہوگئے تھے۔ یہی چند اصول خواہ وہ کسی نظام قانونی میں پائے جائیں، فصل ہائے گذشتہ میں نصفت کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں۔ قوانین کی تبدیل کا یہ ذریعہ، جیسا کہ ہم کو آگے چل کر معلوم ہوگا، منجملہ اور ناموں کے روما کے مصنفین قانون میں اسی نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ عدالت چانسری کے اصول قانون پر، جو انگلستان میں "نصفت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، کافی بحث کے لئے ایک علٰحدہ رسالہ درکار ہے۔ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بیحد پیچیدہ ہے، اور اس کا مواد متعدد اور مختلف ذرائع سے حاصل ہوا ہے۔ قدیم مذہبی چانسروں نے اس کے اکثر بنیادی اصول مذہبی قوانین سے اخذ کئے ہیں۔ بعد کے چانسری ججوں نے اکثر قانون روما سے کام لیا، جس کے قواعد بہ نسبت مذہبی قوانین کے دنیوی تنازعات کے تصفیہ میں زیادہ تر کارآمد تھے۔ ان ججوں کی تجویزوں میں ہمیں اکثر روما کے "مجموعہ سول قوانین" کے فقرات

بجنسہ بغیر تبدیل اصطلاحات کے ملتے ہیں، اگرچہ ان کی نسبت کہیں اس کا اقرار نہیں کیا گیا ہے کہ وہ قانون روما سے اخذ کیئے گئے ہیں۔

اُس زمانہ کے بعد، اور خصوصاً قرون وسطی اور اٹھارھویں صدی کے اول نصف حصہ میں، انگلستان کے مقننین کی توجہ زیادہ تر اس مرکب نظام قانونی کی طرف مبذول رہی، جس میں اصول قانون اور اصول اخلاق کو ہولینڈ کے مقننین نے امتزاج دیا تھا۔ لارڈ ٹالبوٹ کی چانسری کے آغاز سے لارڈ ایلڈن کی چانسری تک عدالت چانسری کی تجویزوں پر انھیں مصنفین کی تصنیفات کا رنگ پڑھا ہوا ہے۔ اس نظام قانونی کو، جو اس طرح مختلف ذرایع سے پیدا ہوا تھا، اپنے نشو و نما میں بہت کچھ اس وجہ سے رکنا پڑا کہ اس کے لیئے یہ امر ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ ملک کے غیر موضوعہ قوانین کے تشابہ اور تطابق کو ہاتھ سے نہ جانے دے، مگر باوجود اس کے اس سے ہمیشہ نسبتاً ایسے جدید اصول ماخوذ ہوتے رہے جنھوں نے اپنے ذاتی اخلاقی تفوق کی بنا پر ملک کے قدیم اصول قانون کو مغلوب کر دیا۔

روما کی نصفت اس کے مقابلہ میں بہت سیدھی سادی تھی، اور اس کے نشو و نما کا پتہ اس کی پیدائش کے وقت سے بہ آسانی چل سکتا ہے۔ اس کی نوعیت اور اس کی تاریخ خاص طور سے غور کے قابل ہے؛ کیونکہ وہ بعض ایسے تصورات کی بنیاد ہے جنھوں نے انسان کے خیالات پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے، اور انھیں انسانی خیالات کے ذریعہ سے نوع انسان کی قسمتوں کو بدل دیا ہے۔

اہل روما اپنے نظام قانونی کو دو اجزا سے مرکب بتاتے ہیں۔ اُس رسالے میں جو شاہنشاہ جسٹنین کے حکم سے آئین کے متعلق شایع ہوا یہ لکھا گیا ہے کہ تمام قومیں جن میں قوانین اور مراسم کا رواج ہے، جزاً اپنے مخصوص قوانین کی، اور جزاً ان قوانین کی جو تمام نوع انسانی میں مشترک ہیں، تابع ہوتی ہیں۔ جو قانون ایک قوم اپنے لیئے بنا لیتی ہے وہ اس قوم کا ملکی قانون کہلاتا ہے، لیکن جو فطری عقل تمام نوع انسانی کے لیئے مقرر کرتی ہے وہ "قانون اقوام" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کو تمام قومیں یکساں طور سے کام میں

40

41

لاتی ہیں"۔ قانون کے اس جز کی نسبت" جسے فطری عقل تمام نوع انسانی کے لیئے مقرر کرتی ہے" یہ فرض کرلیا گیا تھا کہ اسے روما کے عہدہ داروں کے اعلانوں نے روما کے اصول قوانین میں شریک کرلیا ہے۔ قانون کا یہی جز دوسرے مقامات میں صرف" قانون فطرت" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے؛ اور اس کے احکام کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی بنیاد فطری نصفت اور فطری عقل پر قائم ہے۔ میں ان مشہور و معروف اصطلاحات، 'قانون اقوام' 'قانون فطرت' اور نصفت کی ابتدا دریافت کرنے اور یہ متعین کرنے کی کوشش کروں گا کہ جو تصورات ان سے پیدا ہوتے ہیں ان کا باہم تعلق کس طرح ہے۔

تاریخ روما کے سرسری طور سے پڑھنے والوں کو بھی صاف طور سے نظر آتا ہے کہ روما کی سرزمین پر پردیسیوں کے قیام سے، جو مختلف ناموں سے موسوم کئے جاتے تھے، وہاں کی حکومت ہائے جمہوری پر کیا کیا غیرمعمولی اثرات پڑے ہیں۔ بعد کے زمانہ میں تو اس نقل مکان کے وجوہ صاف طور سے نمایاں ہیں، کیونکہ ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ہر قوم کے لوگ کیوں عروس البلاد (روما) کی طرف کھنچے ہوئے چلے آئے؛ مگر سلطنت روما میں پردیسیوں کی ایک کثیر جماعت کی موجودگی کا پتہ اس ملک کی بہت ابتدائی تاریخوں سے بھی چلتا ہے۔ قدیم اطالیہ میں زیادہ تر لیٹری قومیں آباد تھیں، جن کی وجہ سے تمدن کی بنیاد متزلزل تھی، لوگوں کا رجحان اس طرف تھا کہ وہ کسی ایسی قوم کے ممالک میں جاکر آباد ہوں جو ان کو اور نیز اپنے آپ کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھ سکے؛ اگرچہ اُس کے معاوضہ میں انھیں بھاری محصولات ادا کرنا، ملکی حقوق سے دست بردار ہونا، اور بہت سی تمدنی ذلتیں اُٹھانا پڑیں۔ ممکن ہے کہ یہ توضیح کامل نہ متصور ہو، مگر اس کی تکمیل کا صرف یہی ایک طریقہ ہوسکتا ہے کہ ان تجارتی تعلقات پر بھی لحاظ کیا جائے جو تاریخی زمانہ سے قبل روما اور کارتھیج اور اندرونی اطالیہ میں نہایت شدومد کے ساتھ جاری تھے؛ اگرچہ ریاست جمہوری کی فوجی روایات میں ان کا ذکر بہت کم کیا گیا ہے۔ غرض کہ اسباب خواہ کچھ ہوں؛ یہ امر مسلم ہے کہ پردیسیوں کی جماعت نے ریاست جمہوری کی تاریخ پر بہت بڑا

42

اثر ڈالا، اس کے جس حصہ پر نظر ڈالی جائے اس میں بجز اس کشمکش کے کچھ اور نظر نہیں آتا جو ایک متعصب قومیت اور پردیسیوں کی جماعت میں جاری تھی۔ اول تو زمانہ حال میں کبھی ایسا نہیں ہوا؛ کیونکہ زمانۂ حال کی یورپین قوموں میں کبھی پردیسیوں کی اتنی آمد نہیں ہوئی کہ اس کا کوئی اثر دیسی رعایا پہ محسوس طریقے سے پڑ سکے؛ دوسرے یہ کہ موجودہ زمانہ کی حکومتیں جو بادشاہوں یا سیاسی حاکموں کے تحت میں ہوتی ہیں ان پردیسیوں کی بڑی جماعتوں کو جو ان کے ممالک میں آکر آباد ہوجاتی ہیں بہت جلد اپنے آپ میں جذب کرلیتی ہیں، جس کا امکان قدیم زمانہ میں نہ تھا؛ کیونکہ اس زمانہ میں ایک جمہوری حکومت کے اصلی باشندے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے عصبات اور قریبی رشتہ دار تصور کرتے تھے، اور دوسرے غیرلوگوں کو ان کے مساوی حقوق دئیے جانے کو اپنے پیدائشی حقوق کا غصب خیال کرتے تھے۔ روما کی قدیم جمہوری حکومت کے زمانہ میں پردیسیوں کو بالکل علٰحدہ رکھنے کا اصول نہ صرف ملکی قوانین بلکہ دستور ملک میں بھی جاری تھا۔ کسی پردیسی کو کسی ایسے آئین میں دخل نہ تھا جس کا ریاست کے ساتھ پیدا ہونا فرض کرلیا گیا تھا۔ اس کو "قانون کیوریٹرین" (Quiritarian Law) سے استفادہ کا حق نہ تھا اور نہ وہ نکسم (Nexum) میں کوئی فریق ہوسکتا تھا جو قدیم روما کے باشندوں میں انتقال اور معاہدہ کا مجموعہ متصور ہوتا تھا، اور نہ وہ مذہبی مقدمات کے ضمن میں چارہ جوئی کرسکتا تھا، یہ ایک خاص قسم کے مقدمات ہوتے تھے، جن کی بنیاد بہت ابتدائی تہذیب کے زمانہ میں پڑی تھی۔ باوجود ان تمام ناقابلیتوں کے روما کے مقاصد اور وہاں کا امن اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ایک پردیسی شخص بالکل قانون کی حفاظت سے محروم کردیا جائے قدیم زمانہ کی تمام قوموں کی یہ حالت تھی کہ ان میں چھوٹے سے چھوٹا ہنگامہ بھی اس قوم کے مرکز ثقل کو بدل کر درہم برہم کردینے کے لیئے کافی ہوجاتا تھا، اور اس کا انھیں ہمیشہ اندیشہ لگا رہتا تھا۔ یہی حفاظت خود اختیاری اہل روما کو اس امر پہ مجبور کرنے کے لیئے کافی تھی کہ وہ پردیسیوں کے حقوق اور فرائض کی حفاظت کے لیئے کوئی انتظام کریں، ورنہ اس کا اندیشہ تھا، اور قدیم زمانہ میں یہ اندیشہ

43

محض خیالی نہیں ہوتا تھا، کہ پردیسی اس نزاع کو جنگ کے ذریعہ سے تصفیہ کرنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔ علاوہ اس کے تاریخ روما میں کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس میں انھوں نے ممالک غیر سے تجارت کا سلسلہ بالکل چھوڑ رکھا ہو۔ اس لیئے جزاً قیام امن اور جزاً ترقی تجارت کے خیال سے انھوں نے ابتدا میں ایسے مقدمات کی سماعت کا اختیار جن میں فریقین پردیسی یا جن میں ایک فریق ملکی اور دوسرا پردیسی ہو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس اختیار کو ہاتھ میں لیتے ہی اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ چند ایسے اصول قائم کیئے جائیں جن کے مطابق اس قسم کے تنازعات کا فیصلہ ہوسکے، اور اس مقصد کے لیئے روما کے مقننین نے جو اصول قرار دیئے وہ خاص طور سے اُس زمانہ کے مطابق تھے۔ انھوں نے جیسا کہ میں قبل ازیں لکھ چکا ہوں، ان جدید مقدمات کو خالص روما کے ملکی قانون سے فیصل کرنے سے انکار کردیا، اور اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ وہ کسی دوسری سلطنت یعنی پردیسی کے وطن کے قانون پر عمل پیرا ہونا اپنی ایک قسم کی سبکی اور توہین سمجھتے تھے۔ اس مشکل کو رفع کرنے کے لیئے انھوں نے جو تجویز نکالی وہ یہ تھی کہ اس کام کے لیئے صرف وہ قواعد منتخب کرلیئے جائیں جو قانون روما اور اطالیہ کی ان مختلف ریاستوں کے قوانین میں جہاں یہ پردیسی پیدا ہوئے، یکساں اور متحد ہوں۔ دوسرے الفاظ میں انھوں نے ایسے نظام قانونی کی بنیاد ڈال دی جو کیا بلحاظ الفاظ اور کیا بلحاظ ابتدائی مفہوم کے "جس جنٹیم" **(Jus gentium)** یعنی "قانون مشترکہ اقوام" یا قانون بین الاقوامی کے مترادف تھا۔ "قانون مشترکہ اقوام" فی الحقیقت قدیم اطالیہ کی قوموں کے رسم و رواج کے مشترکہ اجزا کا مجموعہ تھا۔ یہ سب وہ قومیں تھیں جن کے دیکھنے کا اہل روما کو موقعہ ملا تھا، جنھوں نے کثیر جماعتیں، یکے بعد دیگرے، ممالک روما میں جاکر آباد ہونے کے لیئے بھیجی تھیں۔ جب کوئی خاص رسم ایسی نظر آتی تھی جو مختلف اقوام میں مشترک ہوتی تھی وہ قانون اقوام کا ایک جز قرار دے لی جاتی تھی۔ جو ریاستیں روما کے گردو پیش واقع تھیں، ان میں اگرچہ انتقال جائداد کی مختلف صورتیں رائج تھیں، مگر حقیقی انتقال، یا تحویل شے منتقلہ کی رسم سب میں

44

مشترک تھی اسی طرح اہل روما کے "مینسی پیشن" (Mancipation) (انتقال ذریعۂ رسم) میں جو ایک مخصوص قسم کا انتقال تھا، تحویل ایک جز تھا، اگرچہ وہ لازمی جز نہ تھا۔ اس لیئے تحویل جو کہ غالباً تمام انتقالات میں صرف ایک مشترکہ جز تھا، اور جس کے معائنہ کا مصنفین قوانین کو موقعہ ملا تھا، قانون مشترکہ اقوام کا ایک قاعدہ قرار دے لیا گیا۔ اسی طرح کثیر امور پر غور کیا گیا اور ان کا یہی نتیجہ ہوا۔ یعنی ان سب کی کوئی مشترکہ خصوصیت، جس کا ایک ہی مقصد تھا، دریافت کرکے قانون اقوام میں درج کرلی گئی۔ اس لحاظ سے قانون اقوام کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ ان قواعد اور اصول کا ایک مجموعہ ہے، جو بعد غور کے ان تمام آئین میں مشترک اور یکساں پائے گئے جو اطالیہ کی مختلف اقوام میں رائج تھے۔

اس قانون کی ابتدائی نشو و نما پر غور کرنے کے بعد غالباً بطور غلط بھی یہ فرض کرلینے کا امکان باقی نہیں رہتا کہ روما کے مقننین اس قانون کو کبھی خاص وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے؛ بلکہ یہ قانون جزاً ممالک غیر کے قوانین کو بنظر حقارت دیکھنے، اور جزاً اپنے ملکی قوانین کے فوائد سے پردیسیوں کو محروم رکھنے کا نتیجہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر ہم آج وہ کام کریں جو روما کے مصنفین نے کیا ہے تو ہماری رائے قانون اقوام کے متعلق ان کی رائے سے بالکل مختلف ہوگی۔ ہم ان اجزا کو جو اس قدر مختلف آئین میں دائر و سائر ہوں ضرور ایک قسم کی ترجیح دیں گے، اور ایسے عالم گیر قواعد اور اصول کی عظمت کریں گے۔ اور اگر یہ مشترکہ اجزا کسی معاملہ میں داخل ہوتے ہیں تو انھیں کو معاملہ کی جان قرار دیں گے اور بقیہ مراسم کو جو مختلف ممالک میں مختلف شکلیں اختیار کرلیتے ہیں عارضی اور فضول سمجھیں گے؛ یا اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ جن اقوام کا ہم مقابلہ کررہے ہیں وہ سب ایک زمانہ میں ایک عظیم الشان نظام قانونی کی متبع تھیں جس کی یادگار "قانون اقوام" ہے۔ اور مختلف حکومتوں کے پیچیدہ اور جدا جدا عملدرآمد ان بیدھے سادے احکام کی جو قدیم اور ابتدائی زمانہ میں ان میں رائج تھے بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔

45

جن نتائج پر زمانۂ حال کا ایک غور کرنے والا پہنچتا ہے وہ تقریباً بالکل ان کے متضاد ہیں جو فطری طور سے قدیم اہل روما کے دماغوں میں آئے تھے۔ جن امور کی ہم توقیر اور توصیف کرتے ہیں وہ ان کو ناپسند کرتے یا بربنائے حسد ان سے اندیشہ مند رہتے تھے۔ اصول قانون کے جن اجزا کی طرف وہ لوگ اپنی تمام توجہ اور شوق کو مبذول رکھتے تھے، اُنھیں زمانۂ حال کے مقنن عارضی اور فضول سمجھ کر ناقابل لحاظ قرار دیتے ہیں۔ مثلاً انتقال جائداد کے وقت خاص اشارے؛ زبانی معاہدات میں ایجاب و قبول کے نپے تلے الفاظ؛ اور غیر ضروری اور ضابطہ کے مقررہ آداب۔ ان کے نزدیک "قانون اقوام" ایک ایسا نظام تھا جس کی طرف متوجہ ہونے پر صرف سیاسی ضرورتیں مجبور کرتی تھیں۔ وہ اس کے ساتھ اتنی ہی کم التفاتی کرتے تھے جتنی پردیسیوں کے ساتھ، جن کے فائدے کے لیئے، اور جن کے آئین سے وہ اخذ کیا گیا تھا۔ اس کو وقعت کی نگاہ سے دیکھے جانے کے لیئے اہل روما کے خیالات میں عظیم تغیر کی ضرورت تھی، اور جب یہ تغیر واقع ہوا اس وقت اُن کی رائے ایسی بدلی کہ ان کے بعد کے مصنفان قانون کے پختہ خیالات کا اثر موجودہ اصول قانون اور موجودہ فلسفہ پر اس وقت تک باقی ہے، اور اسی سے "قانون اقوام" کے متعلق ہمارے اور ان کے متذکرۂ بالا خیالات میں فرق کی حقیقی وجہ ظاہر ہوتی ہے۔ غرضکہ ایک ایسا زمانہ آیا جبکہ "قانون اقوام" بجائے "ملکی قانون" کے ایک ناگوار ضمیمہ کے، ایک ایسا عظیم الشان، اگرچہ ہنوز غیر مکمل نمونہ سمجھا جانے لگا کہ اس کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو تمام قوانین کو مطابق ہونا چاہیئے۔ یہ تبدیلی اسوقت ظہور میں آئی جبکہ اہلِ روما کے "قانون مشترکہ اقوام" کے عملی نفاذ میں یونانیوں کا "قانون فطرت" کام میں لایا جانے لگا۔

اگر ایک خاص اصول کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو "قانون فطرت" "قانون اقوام" کے سوائے اور کچھ نہیں ہے۔

اپلپین نے مقننین کے اس رجحان کے مطابق جو ان کو اشیا کے باہمی فرقوں کے دریافت کرنے کی طرف ہوتا ہے، ان دونوں میں تمیز اور فرق

کرنے کی ایک فضول کوشش کی ہے؛ مگر گیس کے الفاظ، اور اس فقرہ سے جو آئین سے ماخوذ کر کے قبل ازیں نقل کیا جا چکا ہے، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں اصطلاحیں عملی طور سے مترادف تھیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ گیس الپین سے بہتر متقن تھا۔ اگر ان دونوں اصطلاحوں میں کوئی فرق تھا تو وہ محض تاریخی فرق تھا، ورنہ درحقیقت ان میں کوئی اصلی فرق نہیں ثابت کیا جا سکا ہے۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ "قانون اقوام" یا قانون مشترکہ تمام اقوام اور "قانون بین الاقوام" میں جو خلط مبحث کیا جاتا ہے وہ زمانۂ حال کا ہے۔ "قانون بین الاقوام" کے لیئے قدیم زمانہ کی اصطلاح "جس فیشیل" (Jus Feciale) یا "قانون عہد و پیمان و سیاست" تھی۔ اس میں غالباً کسی شخص کو بھی کوئی شبہ نہ ہوگا کہ "قانون اقوام" کے مفہوم میں جو ابہام تھا اسے زمانۂ حال کی اس رائے کے قائم کرانے میں بڑا دخل ہے کہ خود مختار حکومتوں کے باہمی تعلقات میں قانون فطرت سے کام لیا جاتا ہے۔

47

اب ہم کو یہ دیکھنا ضرور ہوا کہ فطرت اور اس کے قوانین کے متعلق یونانیوں کا کیا خیال تھا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ لفظ نیچر یا فطرت سے ابتدآً مادی دنیا مراد تھی، مگر یہ مادی دنیا جس نظر سے دیکھی جاتی تھی اسے بُعدِ خیالات کی وجہ سے، ہمارے لیئے زمانۂ حال کے الفاظ میں بیان کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ فطرت سے مراد وہ مادی دنیا تھی جو ایک ابدی عنصر یا ابدی قانون کا نتیجہ تھی۔ یونان کے قدیم فلسفی تخلیق عالم کو ایک مخصوص واحد اصول کے عمل پر محمول کرتے تھے، جو کبھی حرکت، کبھی آگ، کبھی نمی یا پیدائش سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ سب سے قدیم اور سب سے سادے تصور کے لحاظ سے فطرت ہی مادی دنیا ہے جو اس صورت میں ایک اصول کا ظہور متصور ہوتی ہے۔ اس کے بعد کے یونانیوں کے دوسرے فرقوں نے دوبارہ اس راستہ پر آکر، جس سے یونان کے بڑے بڑے عقلا بھٹک گئے تھے، فطرت کے تصور میں مادی دنیا کے ساتھ اخلاقی دنیا کو بھی شامل کر لیا۔ انھوں نے اس اصطلاح کو اتنی وسعت دی کہ اس میں نہ صرف ظاہری مخلوق، بلکہ خیالات، مشاہدات، اور انسانی آرزوئیں بھی آگئیں۔ مگر اس پر بھی پہلے کی طرح

48

وہ فطرت کو محض انسانی تمدن کا اخلاقی منظر نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تمام مناظر ایسے ہیں کہ ایک عام اور سادہ قاعدہ کے تحت میں داخل ہوجاتے ہیں۔

جس طرح یونان کے قدیم اصولی لوگوں نے یہ خیال قائم کرلیا تھا کہ ہار جیت کے کھیلوں نے مادی دنیا کو اس کی قدیم سادہ روش سے بدل کر موجودہ مخلوط حالت میں کردیا ہے، اسی طرح اس کے جانشین حکماء نے یہ خیال قائم کیا کہ اگر بعض ناگوار حالات پیش نہ آئے ہوتے تو نوع انسان بجائے موجودہ زمانہ کی پرشور زندگی کے زیادہ تر سادہ اور آسان طریقہ پر زندگی بسر کرتی۔ تخلیق انسان کا اصل مقصد یہ سمجھا جانے لگا کہ وہ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرے، اور اس کا پابند ہونا اعلیٰ ترین لوگوں کا فرض ہونا چاہیئے۔ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنا مذموم عادات اور عوام الناس کی ادنیٰ خواہشات کو ترک کرکے اعلیٰ طریق عمل کو اختیار کرنا تھا، اور یہ کوئی شخص بغیر نفس کشی اور اس پر غالب ہوجانے کے حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ یہ مقولہ کہ "فطرت کے مطابق زندگی بسر کرو" جیسا کہ سب کو معلوم ہے "رواقئین" (Stoics) کے مشہور فلسفہ کا اصل اصول تھا۔ یونان کے مغلوب ہوجانے کے بعد یہ فلسفہ بہت جلد اہل روما کی سوسائٹی میں شایع ہوگیا۔ یہ فلسفہ اہلِ روما کی اس قوی جماعت کے طبائع سے، جو کم از کم اصولاً، قدیم اطالی قوم کی سادہ زندگی کو اختیار کئے ہوئے تھی، اور ممالک غیر کے طریقوں سے مغلوب ہونا ناپسند کرتی تھی، بہت زیادہ مناسبت رکھتا تھا۔ اس جماعت نے فوراً رواقئین کے فلسفۂ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنی شروع کردی۔ اس کا یہ عمل اس وجہ سے اور زیادہ قابل تعریف اور توصیف ہوجاتا ہے کہ اس زمانہ میں دنیا بھر کی غنیمتوں اور عیش پسند اقوام کے دیکھا دیکھی دارالسلطنت (روما) میں بے حد

49

عیاشیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہم کو اس امر کا کامل یقین ہے، اگرچہ تاریخی طور سے اس کا کامل ثبوت نہ ملتا ہو کہ اس جدید یونانی فلسفہ کے ابتدائی متبعین میں رومی مقننین ہی تھے۔ اس کا تو کافی ثبوت موجود ہے کہ روما کی

جمہوری حکومت کے زمانہ میں درحقیقت صرف دو ہی پیشے قابلِ لحاظ تھے، فوجی لوگ عام طور سے آگے بڑھنے والی جماعت کے ساتھ تھے، اور مقننین ہمیشہ اس جماعت کے سرگروہ رہے جو اس کی روک تھام کرتی رہتی تھی۔ مقننین صدیوں تک فلسفۂ رواقیت کے ساتھ رہے، اور اکثر قدیم مشہور قانونی مصنف اسی فلسفہ کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں۔ قیاصرہ انتونی کا عہد متفقہ طریقہ سے اہل روما کے اصول قانون کی انتہائی ترقی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے، اور یہ سب قیاصرہ اسی فلسفہ کے مشہور متبعین تھے۔ ایک عرصہ تک ان اصول کا ایک خاص پیشے کی جماعت میں دائر و سائر رہنا اس کا مستلزم تھا کہ ان کا اثر اس فن پر بھی پڑے جو جماعت مذکور اختیار کیئے ہوئی تھی۔ روما کے قانونی مصنفین کی تصنیفات میں جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس میں اکثر ایسے امور پائے جاتے ہیں جن کا سمجھنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ رواقیین کے فلسفہ کے اصول سے مدد لی جائے، مگر اس کے ساتھ ہی رواقیین کے فلسفہ کے اثر کا اندازہ قانون روما پر اس طرح کرنا کہ قانون روما کے کتنے قواعد ایسے ہیں جن کی نسبت یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہو کہ وہ رواقیین کے فلسفہ کے اصول پر مبنی ہیں، بالکل غلط ہوگا، اگرچہ یہ ایسی غلطی ہے جو عام طور سے رائج ہوگئی ہے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ رواقیین کے فلسفہ کی قوت اس کے طرق عمل پر مبنی نہ تھی جو اکثر ناخوشگوار اور مضحکہ آمیز ہوتے تھے، بلکہ اس عظیم الشان، اگرچہ غیر متعین، اصول پر قائم تھی، جو انسانی جذبات پر قادر ہوجانے کی تعلیم دیتا تھا۔ اسی طرح اصول قانون پر ان یونانی اصول کے اثرات کا جن کو رواقیین نے بہت صاف کرکے پیش کیا، اس طور سے اندازہ کرنا کہ قانون روما میں ان کی کتنی مخصوص شکلیں اختیار کی گئیں ہیں، غلط ہوگا؛ کیونکہ ان کا اثر ایک اصولِ مفروضہ کی تعلیم تک محدود تھا۔ جب اہل روما میں لفظ فطرت گھر گھر میں ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا، اس وقت روما کے مقننین میں یہ خیال رفتہ رفتہ قائم ہونے لگا کہ قدیم "قانون اقوام" بھی گم گشتہ قوانین فطرت کا مجموعہ تھا، اور ملکی عہدہ دار جو قوانین قدیم "قانون اقوام" کے اصول کے مطابق تابع کرتے

50

ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ قانون کو پھر اسی مرکز پر لے آئیں جس سے ہٹ کر اس میں اس قدر خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ۔ اس یقین کا فوری نتیجہ یہ تھا کہ یہ خیال کیا جانے لگا کہ ملکی عہدہ داروں کا یہ فرض ہے کہ وہ موجودہ ملکی قوانین کو اعلانوں کے ذریعہ سے منسوخ کر کے جہاں تک ممکن ہو اس آئین کو جاری کریں جس کے مطابق فطرت ابتدائی تمدن میں انسانوں پر حکمراں تھی ۔ یہ ظاہر ہے کہ اس ذریعہ سے قانون کی ترقی میں بہت سی مزاحمتیں اور موانع پیش آسکتے تھے ۔ خود مقننین کی جماعت میں بعض تعصبات ایسے ہوں گے جن کو رفع کرنا پڑتا ہوگا ۔ علاوہ اس کے اہل روما جس عادت کو اختیار کرتے تھے اس کو اس مضبوطی سے پکڑتے تھے کہ اس کا محض فلسفی اصول کی بنا پر چھوٹ جانا کچھ آسان کام نہ تھا ۔ بعض اصطلاحی بے ترتیبیوں اور بے ضابطگیوں کو دُور کرنے کے لیئے جن ترکیبوں اور تجویزوں کے ساتھ اعلانوں سے کام لیا گیا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اعلانوں کے جاری کرنے والوں کو کس قدر احتیاط برتنی پڑتی تھی ۔ شہنشاہ جسٹنین کے زمانہ تک قدیم قانون کے بعض ایسے حصے موجود تھے جن میں باوجود کوشش کے اعلان کوئی تغیر نہ کر سکے تھے ۔ گر بہمہ وجوہ یہ کہنا درست ہوگا کہ قانون فطرت کی تحریک کے پیدا ہوتے ہی اہل روما کی قانونی ترقی کی رفتار حیرت انگیز ہو گئی ۔ سادگی اور عمومیت کا تصور ہمیشہ سے فطرت کے ساتھ ملحق چلا آتا ہے ؛ اس لیئے سادگی ' ترتیب ' عام فہمی ایک عمدہ نظام قانونی کے خصوصیات قرار پائے ' اور جو رجحان مبہم اور پیچیدہ الفاظ کے استعمال ' اور بے شمار مراسم قائم کرنے ' اور بیکار دقتوں کے پیدا کرنے کا تھا وہ رفع ہو گیا ۔ اہل روما کے قانون کو موجودہ حیثیت تک پہنچا دینے کے لیئے اب صرف شہنشاہ جسٹنین کے مضبوط ارادوں ' اور غیر معمولی مواقع کی ضرورت تھی ' لیکن اس کی داغ بیل اس شاہی اصلاح کے بہت پہلے سے پڑ چکی تھی ۔

اب سوال یہ ہے کہ قدیم " قانون اقوام " اور " قانون فطرت " میں ٹھیک محل التیام کیا تھا ؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان دونوں کو ملانے اور التیام دینے والی چیز نصفت تھی ' اگر وہ اپنے اصلی معنوں میں لی جائے ' اور

یہی وہ مقام ہے جہاں ہم اصول قانون میں اس مشہور اصطلاح سے پہلی مرتبہ دوچار ہوتے ہیں۔ ایک ایسی اصطلاح کی توضیح اور تشریح کے لئے جس کی ابتدا اس قدر قدیم اور جس کی تاریخ اس قدر طویل ہو، محفوظ تر طریقہ یہ ہے، کہ، اگر ممکن ہو، تو اس سادہ استعارہ کا تجزیہ کیا جائے جس کے ذریعہ سے ابتداً اس تصور کا اظہار ہوا۔ عام طور سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ رومی لفظ "ایکیوٹس" (Aequitas) یونانی لفظ (ἰσότης) کا مرادف ہے جس کے معنی اصول مساوات یا تقسیم بالتناسب کے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اعداد یا اشیا کی مساوی تقسیم کا تصور ہمارے انصاف کے تصور کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے۔ یہ اقتران اور تسلسل اس قدر مضبوطی سے ہمارے دماغوں میں بیٹھا ہوا ہے کہ اس کا دماغ سے نکال دینا بڑے سے بڑے سوچنے والے کے لئے بھی دشواری سے خالی نہیں۔ جب اس تسلسل کی تاریخ پر غور کیا جاتا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قدما کے دماغ میں موجود نہ تھا بلکہ اس کے بعد کے فلسفہ کا نتیجہ ہے۔ یہ امر بھی خیال میں رکھنے کے قابل ہے کہ اس قانونی "مساوات" کو جس پر یونانی جمہوری حکومتیں نازاں تھیں، اور جو کالسٹرس کے خوش آیند ترانۂ می نوشی کے بیان کے مطابق ہارموڈیس اور ارسطاجیٹین کی طرف سے اہل اثینیہ کو عطا ہوئی تھی، اہل روما کی نصفت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مقدم الذکر ملکی قوانین کا نفاذ تمام اہلِ شہر پر بطریق مساوات کے تھا، خواہ وہ جماعت کیسی ہی محدود کیوں نہ ہو، موخر الذکر اس قانون کا نفاذ جو ملکی نہ ہو، ایسی جماعت پر تھا جس کا اہلِ شہر سے ہونا لازم نہ تھا۔ ایک سے خودسری کا اخراج اور امتناع، اور دوسرے سے پردیسی، اور بعض مقاصد کے لئے غلاموں کا ادخال مقصود تھا۔ گرباایں ہمہ میرا خیال اہل روما کی نصفت کا ماخذ دریافت کرنے کے لئے ایک دوسری طرف جاتا ہے۔ لاطینی زبان کا لفظ "ایکیوس" یونانی لفظ (ἴσοτς) سے زیادہ تر اظہار مساوات کرتا ہے اور یہی مساوات قانون اقوام کی وہ خصوصیت تھی جس کا احساس ابتدائی زمانہ کے اہل روما کو بطور خاص ہوا ہوگا۔ خالص "کیوریٹرین" قانون میں انسانوں اور جائدادوں میں بہت سی بے اصول تفریقیں قائم تھیں؛ "قانون اقوام" نے

52

جو مختلف مراسم کو مقابلہ کرکے ایک عام پیرایہ اور صورت میں آگیا تھا ٹیوریٹرین" قانون کی تمام تفریقوں کو مٹا دیا۔ مثلاً قدیم قانون روما میں پدری اور مادری رشتہ داروں میں بڑا فرق کیا جاتا تھا یعنی اس خاندان میں جو مشترکہ طور سے ایک ہی بزرگ خاندان کی حکومت میں رہتا تھا اور اس خاندان میں جو (زمانہ حال کے خیال کے مطابق) صرف یک جدی ہونے کی وجہ سے قرابتدار سمجھا جاتا تھا۔ یہ فرق اس قانون میں جو تمام اقوام کے لئے تھا باقی نہ رہا۔ اسی طرح جو فرق جائداد اعلیٰ و ادنیٰ "مین سپی" (Mancipi) اور "نک مین سپی" (Nec Mancipi) میں کیا جاتا تھا وہ بھی اُٹھ گیا۔ اس طور سے قانون اقوام نے یہ تمام حدود اور نشانات مٹا دئے جس کی جھلک میں لفظ "ایکیوٹس" میں پاتا ہوں۔ میرے نزدیک ابتداً اس لفظ سے اس عمل مساوات یا ان بےقاعدگیوں کے دور کرنے کے خیال کا اظہار مقصود تھا جو متواتر ان صورتوں میں پیش نظر رہتا تھا جن میں ملکی عہدہ داروں کا نافذ کردہ نظامِ قانون پردیسیوں کے مقدمات میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بقیاس غالب، اس لفظ میں ابتداً اخلاقی رنگ کا کوئی شائبہ نہ تھا، اور نہ اس امر کے یقین کرنے کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ یہ عمل قدیم رومیوں کی نظر میں بجز ناگواری کے کوئی اور خیال پیدا کرسکتا ہوگا۔

برخلاف اس کے "قانون اقوام" کی جو شکل ایک رومی کے ذہن میں لفظ نصفت سے آتی ہوگی، وہ فطرت کی فرضی حالت کی پہلی اور بہ آسانی سمجھ میں آجانے والی خصوصیت ہوگی۔ فطرت کے مفہوم میں باقاعدہ ترتیب شامل ہے، اول مادی دنیا، اور پھر عالم اخلاق میں، اور یہ ظاہر ہے کہ ترتیب کے ابتدائی تصور میں خطوط مستقیم، ہموار سطوح، اور نپے تلے فاصلے شریک ہیں۔ اور جب دماغ ایک خیالی فطری حالت، یا "قانون مشترکہ اقوام" کے حقیقی نفاذ کو پیش نظر لانے کی کوشش کرے گا تو نادانستہ طور سے اس کے سامنے ایک ہی سی تصویر آئے گی۔ اور جو کچھ ہم کو قدما کے خیال کا اندازہ ہے

اُس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ خیالی مشابہت ان دونوں تصورات کو ایک باور کرانے میں مؤید ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ "قانون مشترکہ اقوام" کو روما میں پہلے سے کوئی وقعت حاصل نہ تھی، برخلاف اس کے "قانون فطرت" فلسفی اصول کے جلو اور سایہ میں آیا اور قوم کی قدیم اور زیادہ تر پر عظمت زمانہ کی دلکش یاد اپنے ساتھ لایا۔ اس تفاوت خیال کا اثر ایسی اصطلاح کی وقعت پر پڑنا لازم تھا جس سے قدیم اصول کے عمل اور جدید اصول کے نتائج کا اظہار ہوتا ہو۔ موجودہ زمانہ میں بھی اگر کسی عمل کی نسبت کہا جائے کہ وہ مساوات پیدا کرتا ہے تو اس سے یہ مفہوم نہیں پیدا ہوتا کہ وہ بے ترتیبیوں کا دور کرنے والا ہے، اگرچہ استعارہ وہی ہے۔ مجھے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ جب ایک مرتبہ لفظ "ایکیوٹس" (Aequitas) یونانی اصول کا خیال پیدا کرنے لگا، تو جو خیالات یونانی لفظ (ἰσότης) سے پیدا ہوتے تھے وہ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ جو الفاظ اس بارے میں سیسرو نے استعمال کیے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیاس غالب ایسا ہی ہوا، اور نصفت کے تصور میں یہ پہلی تبدیلی تھی اور اس کے بعد سے دنیا میں جتنے اخلاقی نظام پیدا ہوئے وہ کم و بیش اس کی تائید کرتے رہے ہیں۔

54

اس موقع پر ان باضابطہ ذرائع کا ذکر کرنا لازم ہے جن کی مدد سے وہ اصول اور تصورات جو پہلے "قانون مشترکہ اقوام" اور بعدہٗ "قانون فطرت" کے متعلق تھے رفتہ رفتہ روما کے قانون میں داخل ہوتے گئے۔ روما کی قدیم تاریخ کے ایک نازک وقت میں جو "ٹارکونس" کے اخراج سے ممیز ہے، ایک تبدیلی واقع ہوئی جس کی مثال بہت سی قدیم حکومتوں کی تاریخ میں پائی جاتی ہے، گو اس کو ان سیاسی واقعات اور حالات سے بہت کم مشابہت ہے جن کو ہم اس زمانہ میں انقلاب سلطنت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کے اظہار کا بہترین طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ شاہی اختیارات سلب کر لیے گئے، اور جو اختیارات اب تک ایک شخص کے ہاتھ میں تھے وہ چند ایسے عہدہ داروں کے سپرد کر دئے گئے، جو بذریعہ انتخاب کے مقرر ہوتے تھے۔

55

بادشاہی برائے نام قائم رکھی گئی اور اس کے لیئے ایسے اشخاص منتخب ہوئے جو بعد میں "آئینی بادشاہوں" کے نام سے پکارے جانے لگے۔ اس تبدیلی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اعلیٰ عدالت کے مقررہ اور معینہ اختیارات "پریٹر" (Praetor) کی عہدہ داری کے ہاتھ میں آگئے، جو اس وقت کی جمہوری حکومت میں اعلیٰ ترین عہدہ دار تھا، اور جس کے ہاتھ میں ان فرائض کے علاوہ قانون اور وضع قانون کی کامل اور غیر معین نگرانی بھی دی گئی تھی جس کو اب تک صرف بادشاہ ہی استعمال کرتے رہے تھے، اور جس کا تعلق صاف طور سے پدرسری (Patriarchal) اور فاتحانہ حکومت سے تھا۔ روما کی اُس زمانہ کی حالت کے لحاظ سے جو غیر معین اختیارات منتقل کیئے گئے وہ بیحد اہم ثابت ہوئے؛ کیونکہ حکومت کے جمہوری ہوجانے کے ساتھ ہی ان متواتر مشکلات کا سلسلہ شروع ہوگیا، جو حکومت کو ایسے کثیر التعداد لوگوں کے متعلق پیش آنے لگیں جو باشندگان روما کی اصطلاحی تعریف میں نہ آنیکے باوجود بھی مستقل طور سے روما کے حدود ارضی میں رہتے تھے۔ ایسے اشخاص کے باہمی تنازعات یا ایسے اشخاص اور ملک کی پیدا شدہ رعایا کے تنازعات کے تصفیہ کا انتظام قانون روما کے دائرہ سے خارج رہتا، اگر "پریٹر" نے انکے تصفیہ کو اپنے فرائض میں نہ داخل کرلیا ہوتا؛ اور فوراً اس سے اہم تر ان تنازعات کے فیصلوں کی طرف توجہ نہ مبذول کی ہوتی جو ترقی تجارت کے ساتھ روما کی رعایا اور مسلمہ طور سے پردیسی اشخاص میں پیش آنے لگے تھے۔ روما کی عدالتوں میں اس قسم کے مقدمات کی اس قدر کثرت ہوگئی تھی کہ پہلی جنگ پیونک کے موقع پر ایک مخصوص عہدہ دار کو، جو بعد میں "پریٹر پرگرینس" (خارجہ) کے نام سے موسوم ہوا، ان کے تصفیہ کے لیئے مقرر کرنا پڑا۔ اور اس کے متعلق کوئی دوسرا کام نہیں رکھا گیا۔ اہل روما نے اس خوف سے کہ پھر مظالم کا دور نہ شروع ہوجائے، منجملہ اور تدبیروں کے ایک تدبیر یہ بھی کی تھی کہ ہر مجسٹریٹ کو، جس کے اختیارات کے وسیع ہوجانے کا خیال ہوتا تھا، یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے عہدہ کا سال شروع کرنے کے قبل، ایک اعلان شائع کرے اور اس میں بتائے کہ وہ اپنے سررشتہ کا انتظام کس طرح کرے گا۔ دوسرے مجسٹریٹوں کی طرح "پریٹر" بھی

اس قاعدہ کے تحت میں آتا تھا، چونکہ یہ امر محال تھا کہ ہر سال جدید اصول کا مجموعہ تیار کرکے شائع کیا جائے، اس لیئے وہ عام طور سے اپنے جانشین سابق کے احکام کو ان اضافوں اور تبدیلیوں کے ساتھ جو فی الوقت ضروری ہوتی تھیں، یا جن کو وہ اپنی رائے میں مناسب سمجھتا تھا، شائع کرتا تھا۔ اس طور سے "پریٹر" کا اعلان جو ہر سال کچھ نہ کچھ اضافہ کے ساتھ شائع ہوتا رہتا تھا دوامی یا ناقابل انفساخ اعلان کے نام سے موسوم ہوگیا۔ اس کی غیر محدود طوالت، اور اس کی بے ترتیبی کی ناگواری کی بنا پر آخرکار سالویس جولینیس کے زمانہ میں، جو شہنشاہ ہیڈرین کے عہد میں مجسٹریٹ مقرر ہوا، یہ دستور مجبوراً موقوف کردینا پڑا۔ خود اس "پریٹر" کا اعلان تمام اصول نصفت پر حاوی تھا جس کو اس نے غالباً جدید ترتیب اور باقاعدہ طور سے مرتب کیا تھا اس لیئے قانون روما میں، جہاں دوامی اعلان کا حوالہ دیا جاتا ہے وہاں اس سے مراد اسی جولینیس کا اعلان ہوتا ہے۔

انگلستان کے ایک باشندے کے دل میں جو اعلانوں کی مخصوص وضع پر غور کرتا ہے غالباً یہ سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ "پریٹر" کے ان وسیع اختیارات کی روک تھام کے کیا ذرائع تھے، اور ایسے اختیارات جن پر اس قدر کم روک ٹوک ہو سوسائٹی اور قانون کی مطمئن حالت کے ساتھ کس طرح مطابقت رکھ سکتے تھے۔ اس کا جواب صرف اسی طرح مل سکتا ہے کہ وہ اس طریقہ پر پوری طرح غور کرے جو خود ہمارے انگریزی قانون کے نفاذ کا ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ "پریٹر" خود ماہر قانون ہوتا تھا، یا ایسے مشیروں کے ہاتھ میں رہتا تھا جو اس فن کے ماہر ہوتے تھے، اور ہر رومی مقنن اس وقت کا شوق کے ساتھ منتظر رہتا تھا جب وہ "پریٹر" کے عہدہ پر مامور ہو یا اس کو اس عظیم الشان نظام قانونی پر دسترس کا موقعہ ملے۔ اس عرصہ میں اس کے شوق، احساسات، اور معلومات وہی رہتے تھے جو اس طبقہ کے اہل فن کے ہوتے ہیں؛ اور جب وہ اس عہدہ پر مقرر ہوتا تھا تو اپنے ساتھ وہ سب اوصاف اور تجربے لے کر آتا تھا جو اسے اپنے پیشہ کی کتابیں پڑھنے اور عمل کرنے سے حاصل ہوئے تھے۔ انگلستان کے چانسلر کی تعلیم و تربیت بھی تقریباً اسی طرح ہوتی ہے اور وہ بھی

57

انھیں اوصاف کے ساتھ عدالت کی کرسی پر بیٹھتا ہے؛ اور اس کے تقرر کیساتھ بھی یہ امر یقینی ہوتا ہے کہ وہ قبل اپنی جگہ سے ہٹنے کے قانون میں ایک حد تک تغیر و تبدل کردے گا۔ لیکن جب تک وہ اپنی جگہ خالی نہیں کرتا، اور اس کے فیصلہ جات کا سلسلہ لا رپورٹ میں مکمل نہیں ہوجاتا، یہ دریافت نہیں ہوسکتا کہ جو اصول اس کے جانشینان سابق چھوڑ گئے تھے اُن کی توضیح اس نے کس طرح کی ہے اور ان میں کیا اضافہ کیا ہے۔ روما کے "پریٹر" کا جو اثر روما کے اصول قانون پر پڑتا تھا اس کے احساس کا وقت البتہ اس سے مختلف تھا۔ ہم قبل ازیں لکھ آئے ہیں کہ "پریٹر" کا تقرر صرف ایک سال کے لیئے ہوا کرتا تھا، اس کے اس زمانے کے فیصلے اگرچہ فریقین کے حق میں قطعی ہوتے تھے مگر اس کے بعد ان کی کوئی وقعت باقی نہ رہتی تھی۔ جو تبدیلیاں وہ قانون میں کرنا چاہتا تھا اس کے اعلان کا لازمی موقعہ وہی ہوتا تھا جب کہ وہ اس خدمت کا جائزہ لیتا تھا، اور اس طرح وہ اپنے فرائض منصبی کے آغاز ہی میں وہ عمل علانیہ اور بالجہر کرتا تھا جو انگلستان کا چانسلر آخر میں خفیہ اور بعض اوقات نادانستہ طور سے کرتا ہے۔ "پریٹر" کی ظاہری آزادی کی روک تمام کا وہی انتظام تھا جو انگلستان کے ایک جج کے لیئے ہے۔ اصولی طور سے دونوں کی آزادی کی کوئی حد مقرر نہ تھی، لیکن عملی طور سے دونوں کو وہ خیالات حد سے باہر قدم نہیں رکھنے دیتے تھے جو ابتدائی تربیت سے دل نشین ہوگئے تھے، اور اس سے زیادہ مانع اہلِ فن کی رائے تھی، جس کی قوت کا اندازہ صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کو ذاتی طور سے اس کا تجربہ ہوچکا ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ دائرہ جس کے اندر حرکت ممکن تھی اور جس کے باہر قدم نہیں نکالا جاسکتا تھا، صاف اور نمایاں طور سے قائم تھا۔ انگلستان میں جج مقدمہ کے مخصوص واقعات کو مطبوعہ نظائر سے مطابق کرکے فیصلہ کرتے ہیں۔ روما میں "پریٹر" کی مداخلت کی ضرورت محض حکومت کی حفاظت کی غرض سے تھی، اور قیاس یہی ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانہ میں وہ مداخلت اس ضرورت کے مطابق ہوتی ہوگی جسکا رفع کرنا پیش نظر ہوتا ہوگا۔ بعدہٗ جب فتووں کے ذریعہ سے اصول کا مذاق

58

پیدا ہوگیا، تو وہ لوگ اعلان کی مدد سے ان اصول کو وسعت کے ساتھ کام میں لانے لگے جن کو وہ اور اُن کے معاصر قانون پیشہ اصحاب اپنی رائے میں قانون کے بنیادی اصول سمجھتے تھے۔ اس کے بعد ان کی کارروائی یونانی فلسفہ کے اصول کے اثر میں آگئی، جس نے ان کو ترقی کے ایک مخصوص راستہ پر ڈال دیا۔

جو انتظامات سلویس جولی نیس نے کیئے ان کی نوعیت کے متعلق بڑی بحث ہے۔ خواہ ان کی نوعیت کچھ ہو، مگر ان کا جو کچھ اثر اعلانوں پر تھا وہ صاف طور سے نمایاں ہے۔ ان میں جو سالانہ اضافہ ہوتا رہتا تھا وہ موقوف ہوگیا، اور اس کے بعد سے روما کے اصول نصفت کی ترقی ان مشہور مقننین کی تالیفات اور تصنیفات سے ہونے لگی، جن کی تحریروں سے وہ زمانہ جو عہد ہیڈرین سے شروع ہوکر الکزنڈر سیویریس کے عہد پر ختم ہوتا ہے، مملو ہے۔ اس تعجب انگیز نظام کا جو انھوں نے قائم کردیا ایک جز اس خلاصۂ قوانین میں موجود ہے جو جسٹنین کے حکم سے مرتب ہوا تھا، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ کام ان رسالوں کے ذریعہ سے انجام دیا تھا جو قانون روما کے تمام شعبوں پر، اور خصوصاً اعلانوں کی تشریح اور توضیح میں لکھے گئے تھے۔ بہرحال اس زمانہ کے مقننین کا مضمون خواہ کچھ ہو وہ فن نصفت کے شارح کے نام سے موسوم کیئے جاسکتے ہیں۔ اس قسم کے اعلانوں کے اصول، قبل اس کے کہ ان کا اجرا مسدود ہو، روما کے قانون کے دوسرے شعبوں میں پھیل گئے تھے۔ یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ روما کی نصفت، ملکی قانون سے بالکل مختلف ہونے کی صورت میں بھی ہمیشہ ایک ہی عدالت کے ذریعہ سے نفاذ پاتی تھی۔ "پریٹر" ہی تعیمی قانون کے مجسٹریٹ کی طرح نصفت کا بھی اعلیٰ جج ہوتا تھا، اور جب احکام کے ذریعہ سے کوئی نصفت کا قاعدہ جاری یا پیدا ہوتا تھا تو "پریٹر" کی عدالت اس کو ملکی قانون کے قدیم قاعدہ کے بجائے یا اس کے پہلو بہ پہلو نافذ کرنے لگتی تھی؛ اور اس طور سے قاعدہ مذکور بغیر واضعان قانون کے کسی جاری کردہ حکم کے قدیم قواعد کا بواسطہ یا بلاواسطہ

59

ناسخ ہوجاتا تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نہ ہوا کہ قانون اور نصفت دونوں مل ملا کر ایک ہوجائیں۔ یہ عمل اسی وقت ہوا جبکہ جسٹینین نے قانون کی اصلاح کی۔ اصول قانون کے ان دو اجزا کی یا ضابطہ علیٰحدگی سے بہت سی پیچیدگیاں اور دقتیں پیش آئیں، اور ملکی قانون کے بہت سے ایسے مضبوط اور قوی مسائل باقی رہ گئے جن میں نہ واضعان قانون اور نہ شارحین اعلان دست اندازی کی جرأت کرسکے۔ مگر ساتھ ہی اس کے اصول قانون کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہ رہا جس پر نصفت کا اثر نہ پڑا ہو۔ اس کے ذریعہ سے مقننین کو عام اصول پیدا کرنے کا مواد، تغیر کے طریقے، اور ابتدائی اصول کی تشریح کے راستے مل گئے۔ اور اس کے ساتھ ان کے ہاتھ میں وہ بہت سے محدود کرنے والے قواعد آگئے، جن میں واضعانِ قانون بہت کم دخل دیتے ہیں، مگر جن کو ہر وضع شدہ قانون کے استعمال میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

الکزنڈر سویرس کے عہد کے ساتھ مقننین کا دور ختم ہوجاتا ہے۔ ہارڈین کے زمانہ سے لے کر الکزنڈر سویرس کے زمانہ تک قانون میں جزءاً عمدہ اور مسلمہ شرحوں، اور جزءاً راست وضع قوانین سے، ترقی ہوتی رہی جیسا کہ اس وقت یورپ کے بیشتر ممالک میں ہو رہا ہے۔ لیکن الکزنڈر سویرس کے عہد میں روما کی نصفت کا نشوونما، اور قانون کے مصنفوں کا سلسلہ ختم ہوگیا قانون روما کی بقیہ تاریخ، شاہی آئین اور انتظامات، اور اس اصول قانون کو جو بوجہ ضخامت کے بے ڈھنگا ہوگیا تھا، ترتیب دینے اور یکجا جمع کرنے کی تاریخ ہے اس قسم کی سب سے آخری اور سب سے زیادہ مشہور و معروف کوشش کا نتیجہ جسٹینین کا مجموعہ قوانین (Carpas Juris) کہا جاسکتا ہے۔

انگریزی اور رومی نصفت کا تفصیل کے ساتھ مقابلہ یا معارضہ کرنا موجب طوالت ہوگا، مگر ان دو خصوصیات کی طرف توجہ دلانا جو ان دونوں میں مشترک پائے جاتے ہیں غالباً بیجا نہ متصور ہو۔ پہلی خصوصیت ان الفاظ میں بیان کی جاسکتی ہے کہ ان دونوں خصوصیات میں سے ہر خصوصیت نے قدیمی قانون کی اس وقت تک حمایت کی جب تک کہ اس میں نصفت کی مداخلت نہ ہوئی تھی،

جیسا کہ اس قسم کے تمام نظاموں کا خاصہ ہے۔ مگر بعدہٗ ایک وقت ایسا آتا ہے
جس میں وہ اخلاقی اصول جو ابتداً اختیار کیئے گئے تھے اپنی انتہائی حد تک پہنچ
جاتے ہیں، اور اس وقت وہ نظام جو ان پر قائم ہوا تھا مضبوط سے مضبوط قانونی 61
قواعد کی طرح سخت، جامد، اور اخلاقی ترقی سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ یہ وقت روما
میں الکزنڈر سیورس کے عہد میں آیا؛ جس کے بعد سے، اگرچہ تمام رومی دنیا
میں ایک اخلاقی تبدیلی ہوتی رہی، مگر رومی نصفت کی ترقی کا دروازہ بند ہوگیا۔
انگلستان کے قانون کی تاریخ میں یہ حالت لارڈ ایلڈن کی چانسری کے زمانہ
میں پیدا ہوئی لارڈ ایلڈن ہماری نصفت کے پہلے جج تھے، جنھوں نے بجائے
اس کے کہ اپنی عدالت کے "اصول قانون" میں بالواسطہ وضع قانون کے ذریعہ سے
اضافہ کریں، اپنی تمام عمر اصول قانون کی توضیح اور تطبیق میں صرف کردی۔ اہالی
انگلستان میں اگر قانونی تاریخ کے فلسفہ کو سمجھنے کا زیادہ تر مادہ ہوتا تو جو کچھ لارڈ ایلڈن
نے کیا اس میں اس قدر مبالغہ نہ کیا جاتا بلکہ معاصر مقننین ان کے کام کی اس سے
زیادہ قدر کرتے جتنی اس وقت کی جاتی ہے؛ اور دوسری غلط فہمیاں بھی جن کا ظہور عملی
کارروائیوں میں ہوتا رہتا ہے شائد دُور ہوجاتیں۔ انگلستان کے مقننین کو یہ سمجھنے
میں تو کوئی دقت نہیں پیش آتی کہ انگلستان کے نظام نصفت کی بنیاد اخلاقی قواعد
پر رکھی گئی ہے؛ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ اخلاقی اصول گزشتہ صدیوں کے
ہیں، نہ کہ اس زمانہ کے، اور یہ اصول اپنے استعمال کی انتہا تک پہنچ چکے ہیں،
اور اگرچہ وہ ہمارے زمانہ کے اخلاقی اصول سے زیادہ مختلف نہیں ہیں، تاہم یہ
نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لازمی طور سے اس زمانہ کے اخلاقی اصول کے مساوی اور
ہم پلہ ہیں۔ اس مضمون کے غیر مکمل اصول سے، جو عام طور سے اختیار کرلئے گئے
ہیں دوسری قسم کی غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ اکثر مصنفین، جنھوں نے نصفت کے
متعلق کتابیں لکھی ہیں اس کی موجودہ مکمل حالت پر فریفتہ ہوکر صریحاً یا معناً اس
بعید از قیاس دعوے کے قائل ہوگئے ہیں کہ چانسری کے "اصول قانون" کی بنیاد 62
قائم کرتے وقت اس کی موجودہ معین شکل اس کے بانیوں کے پیش نظر تھی برخلاف
اس کے دوسرے مصنف اس امر کے شاکی پائے جاتے ہیں، اور قانونی مباحث

میں عموماً اس پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، کہ جو اخلاقی اصول عدالت چانسری سے نافذ
کیے جاتے ہیں وہ موجودہ زمانہ کے اصول اخلاق کے معیار پر ٹھیک نہیں اترتے۔
ان کے نزدیک ہر لارڈ چانسلر کو اصول قانون کی خدمت ہر موجودہ ذریعہ سے
کرنی چاہیے جیسا کہ قدیم تعمیمی قانون کے ساتھ انگریزی نصفت کے بانیوں نے
کیا تھا۔ لیکن یہ ان ذرائع کی ترتیب کو درہم برہم کر دینا ہوگا جن سے قانون میں ترقی
ہوتی ہے۔ نصفت کا موقع اور وقت ہوتا ہے، اور میں یہ پہلے بتا چکا ہوں کہ
جب اس کی قوت زائل ہو جاتی ہے تو اس کی قائم مقامی کے لیے ایک دوسرا ذریعہ
پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسری نمایاں خصوصیت انگریزی اور رومی نصفت کی وہ غلط مفروضات
ہیں جن کی بنا پر قاعدہ نصفت کو قانونی قاعدہ پر ترجیح دے کر اس کی حمایت
کی جاتی ہے۔ انسان کے لیے کیا انفراداً اور کیا مجموعاً اس سے زیادہ کوئی امر
ناگوار نہیں، کہ وہ اپنی اخلاقی ترقی کا بطور حقیقی شے کے اعتراف کرے۔ اس ناگواری
کا اظہار انفرادی طور سے اس مبالغہ آمیز توقیر سے ہوتا ہے، جو پاس وضع (ایک
حالت پر قیام) سی مشتبہ صفت کی، کی جاتی ہے۔ گر تمام سوسائٹی کی مجموعی رائے
کی تحریک ایسی بین ہوتی ہے کہ اس سے چشم پوشی ممکن نہیں ہوتی، اور عام طور
سے اس قدر نمایاں طور سے فائق اور مرجح ہوتی ہے کہ اس کے خلاف آواز بلند
کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی، گر پھر بھی اس کو ابتدائی اور جدید واقعہ کے
طور سے ماننے میں بہت پس و پیش کیا جاتا ہے، اور اس کی توضیح عام طور سے
اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ ایک گم شدہ وصف تھا جو اس وقت پھر ہاتھ لگ گیا
ہے، اور قوم رفتہ رفتہ پھر اسی راستہ پر آرہی ہے جس سے وہ بھٹک گئی تھی۔
اخلاقی ترقی کی منزل مقصود کو بجائے مستقبل کے ماضی میں تلاش کرنے کے
رجحان سے، ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ قدیم زمانہ میں اہل روما کے اصول قانون
پر کیسا عظیم اور دیرپا اثر پڑا۔ روما کے مقننین نے اس ترقی کو جو ان کے
اصول قانون میں "پریٹر" کے ذریعہ سے ہوئی تھی، انسان کی فطری حالت کے
مسئلہ پر محول کیا جس کو انھوں نے یونانیوں سے اخذ کیا تھا۔ ان کے خیال

کے مطابق فطری سوسائٹی وہ تھی جو ایسی جمہوری حکومتوں کے قائم ہونے سے پہلے موجود تھی، جن میں قوانین موکدہ کی پابندی کی جاتی تھی۔ برخلاف اسکے انگلستان میں نصفت کے تعمیمی قانون پر مرجح ہونے کی توضیح ان خیالات سے کی جاتی تھی جو اس زمانہ کے اہل انگلستان کے طبائع سے مناسبت رکھتے تھے، اور جن کی رو سے یہ فرض کیا جاتا تھا کہ پادشاہ کو بزرگ خاندان ہونے کی حیثیت سے یہ حق فطری اور خاص طور سے پہنچتا ہے کہ وہ قانون کی تعمیل اور نفاذ پر نگراں رہے۔ اس خیال کا اظہار زیادہ عجیب صورت میں اس قدیم مقولہ سے ہوتا ہے کہ "نصفت کا منبع پادشاہ کا ضمیر (Conscience) ہے"۔ جو ترقی سوسائٹی کے معیار اخلاق میں ہوتی تھی وہ اس طور سے پادشاہ کے ذاتی اخلاق کی ترقی قرار دی جاتی تھی۔ انگلستان کے آئین میں ترقی ہو جانے کے چند روز بعد یہ اصول پسندیدہ نہ رہا، مگر اس وقت عدالت چانسری کا عمل دخل پوری طور سے قائم ہو چکا تھا، اس لئے اس کی جگہ کسی دوسرے مفروضہ کے اختراع کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ نصفت پر جو کتابیں زمانۂ حال میں لکھی گئی ہیں ان میں اس مسئلہ کے متعلق مختلف رائیں پائی جاتی ہیں، مگر وہ سب ناقابل قبول ہونے میں یکساں ہیں۔ ان میں سے اکثر تو روما کے قانون فطرت کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں، جن کو ان مصنفین نے بہ تبدیل الفاظ اختیار کر لیا ہے جنھوں نے عدالت چانسری کے اختیارات کی بحث فطری اور ملکی انصاف کے فرق سے شروع کی ہے۔

64

فصل چہارم

قانون فطرت کی زمانۂ حال کی تاریخ

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ جس اصول نے اہل روما کے اصول قانون کو بدل دیا اس پر پوری طور سے فلسفیانہ صحت کا اطلاق نہیں ہوسکتا تھا۔ فی الحقیقت وہ "مخلوط خیالات" کا عمل تھا جس کی نسبت اب یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ترقی خیال کے ابتدائی مدارج میں بجز چند بڑے بڑے عقلا کے کوئی شخص ان سے خالی نہ تھا، اور خود ہمارے زمانہ کے لوگوں کے دماغوں میں ان کے آثار نظر آتے ہیں۔ قانون فطرت نے ماضی اور حال کو ملا دیا ہے۔ منطقی طور سے قانون فطرت سے وہ فطری حالت مقصود تھی جو ایک زمانہ میں فطری قانون کی تابع اور پابند تھی؛ مگر مصنفان قانون صاف اور قابل اعتبار طور سے یہ بھی نہیں بیان کرتے ہیں کہ کسی زمانہ میں فی الحقیقت ایسی حالت تھی۔ قدما نے بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے بجز اس مقام کے جہاں ان کے شاعرانہ خیال ان کو عہد زریں کے تصور کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ تمام عملی مقاصد کے لیئے قانون فطرت وہ چیز تھا جس کا کچھ حصہ زمانۂ حال سے متعلق اور کچھ حصہ اس زمانہ کے انتظامات میں شریک تھا، اور کچھ حصہ ایسا تھا جس کو اہل بصیرت ان دونوں حصول

سے ممیز کرسکتے تھے۔ احکام فطرت کو ان ناکارہ اجزا سے جو اس میں شریک ہوگئے تھے تمیز کرنے کا معیار صرف سادگی اور تناسب کا احساس تھا۔ مگر احکام مذکور کے بہترین اجزا کی جو توقیر اور عظمت قدیم زمانہ میں کی جاتی تھی وہ سادگی اور تناسب کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ ان کی نسبت یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان کا نزول ایسے عالم سے ہوا ہے جو فطرت کا مرکز اور مسکن ہے۔ اس پریشان خیالی کی توضیح قدیم مصنفین قانون کے زمانہ حال کے متبعین بھی کامیابی کے ساتھ نہیں کرسکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قانون فطرت کے متعلق زمانۂ حال کے جو خیالات اور تصورات ہیں وہ اور زیادہ دھندلے ہیں اور ان کا اظہار جن الفاظ میں کیا جاتا ہے وہ ابہام کی وجہ سے اس سے زیادہ تر مہمل ہو جاتے ہیں جس کا الزام اہل روما کے مقننین پر لگایا جاتا ہے۔ بعض مقننین جنھوں نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اس مشکل سے بچ نکلنے کے لیے اس کے قائل ہوگئے ہیں کہ مجموعہ قوانین فطرت کا وجود استقبال میں ہے اور وہی ایک مرکز ہے جس کی طرف تمام ملکی قوانین حرکت کر رہے ہیں؛ مگر یہ ان مفروضات کے بالکل متضاد ہے جس پر قدیم اصول مبنی تھا، یا یوں کہو کہ یہ ایسے دو اصول کو ایک جگہ جمع کر دینا ہے جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ رجحان کہ کامل نمونوں کی تلاش، بجائے زمانۂ گزشتہ کے زمانۂ آئندہ میں ہونی چاہیئے، دنیا میں عیسائیت نے پیدا کیا۔ قدیم علم ادب میں بہت کم یا یوں کہو کہ مطلق اس عقیدہ کا پتہ نہیں چلتا کہ تمدن کی حالت لازمی طور سے خرابی سے بہتری کی طرف مائل ہے۔

لیکن یہ اصول نوع انسانی کے لئے جس قدر نفع رساں ثابت ہوا اسکی امید اس کے فلسفی نقائص کی بناء پر نہیں کی جاسکتی تھی۔ یہ معلوم کرنا یقیناً دشوار ہے کہ اگر قدیم دنیا میں قانون فطرت کا خیال عام نہ ہوگیا ہوتا تو خیالات، اور اس کے ساتھ نوع انسانی کی تاریخ کا رخ کس طرف پھر گیا ہوتا۔

ابتدائی زمانہ میں قانون، اور اس کے ساتھ تمدن کو جو قانون ہی سے قائم رہتا ہے، دو مخصوص خطرات پیش آنے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اول یہ کہ قانون میں ضرورت سے زیادہ عجلت کے ساتھ ترقی ہو جائے۔ یہ حالت یونان کی بعض ترقی یافتہ جماعتوں کے مجموعہ ہائے قوانین کی ہوئی، ان جماعتوں نے ضوابط کی

66 گراں بار صورتوں اور بے کار اصطلاحات کے بوجھ سے حیرت انگیز آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو سبکدوش کرلیا اور سخت قواعد اور ان کے مراسم کی جاہلانہ وقعت سے دست بردار ہو گئیں۔ لیکن یہ طریقہ بالآخر نوع انسانی کے لیئے کچھ زیادہ مفید نہیں ثابت ہوا، اگرچہ فی الوقت اس عمل سے ان جماعتوں کو بہت زیادہ آسانیاں ہو گئی ہوں۔ قومی خصوصیات میں یہ صفت بہت زیادہ قابل وصف ہے کہ قوم میں قانون کے نفاذ اور تعمیل کی قابلیت ہو، خواہ وہ قانون کیسا ہی کیوں نہو، اور باوجود حقیقی انصاف کی متواتر خلاف ورزیوں کے دل شکستہ نہ ہو، اور اسے قانونی ترقی کی امید، اور قانون کو اعلیٰ نصب العین پر لے آنے کی خواہش، دامنگیر رہے۔ یونانیوں کی عقل، باوجود چلت پھرت اور لوچ کے، کسی قانونی اصول کے شکنجے میں کسے رہنے کے ناقابل تھی؛ اور اگر ہم اثینیہ کی معمولی عدالتوں سے قیاس کریں، جن کی کارروائیوں کا ہم کو یقین کے ساتھ علم ہے، تو ظاہر ہوتا ہے کہ تمام یونانی عدالتوں میں قانون اور واقعات کو خلط ملط کردینے کا رجحان شدت کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ ارسطاطالیس کی کتاب "علم بدیع" میں خطیبوں کے خطبات، اور قانونی مباحث کے جو نمونے رہ گئے ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص قانونی مسائل پر ہر ایسے مقصد کے لیے بحث کی جاتی تھی جس سے ججوں کے دل پر اثر پڑنے کی امید ہو سکتی تھی۔ اس صورت میں اصول قانون کا کوئی دیرپا اور مستقل نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ قوم جو کسی خاص مقدمہ کے واقعات پر خیالی بہترین فیصلہ کے صدور کے لیئے منضبط قوانین کے قواعد کی پابندی کو چھوڑ دینے کی کچھ پروا نہ کرتی ہو، وہ آیندہ نسلوں کے لیئے اگر کچھ عدالتی اصول چھوڑ جا سکتی تھی، تو وہ صرف صحیح اور غلط کے وہ تصورات چھوڑ جا سکتی تھی جو اس کے زمانہ میں رائج اور شایع تھے۔ ایسے نظام قانون میں اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ اس کے ساتھ آئندہ زمانہ کے ترقی یافتہ تصورات مطابق ہو سکیں۔ زیادہ سے زیادہ نظام مذکور اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ وہ ایک فلسفہ کے نام سے موسوم کیا جائے، 67 اور وہ اس زمانہ کی غیر مکمل تہذیب کا نمونہ متصور ہو۔

چند قوموں کے "اصول قانون" کا اس قبل از وقت تکمیل اور قبل از وقت فنا

ہوجانے کے مخصوص خطرات سے یقیناً مقابلہ کرنا پڑا؛ مگر یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا اہلِ روما کو بھی کبھی ایسے خطرات پیش آئے۔ بہرحال اگر پیش بھی آتے تو ان سے محفوظ رہنے کے لیئے ان کے پاس قانون فطرت کا اصول موجود تھا؛ کیونکہ مقننین نے قانون فطرت کو دیدہ و دانستہ ایک ایسا نظام قرار دیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ رفتہ رفتہ تمام ملکی قوانین کو اپنے آپ میں جذب کرلے، اور جب تک وہ منسوخ نہ ہوجائیں ان کی جگہ نہ قائم ہو۔ مگر دوسرے ممالک میں اس خیال کی یہ وقعت نہ تھی، کہ اس کا حوالہ ایک مقدمہ کے فیصلہ کرنے والے جج کے دل و دماغ پر چھا جائے اور اس کو اپنے قابو میں کرلے۔ اس تصور کا مفید اور کارآمد پہلو یہ تھا کہ اس کے ذریعہ سے ایک مکمل قانون کی تصویر پیش نظر اور یہ امید قائم رہتی تھی کہ ہم اس کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس کے وکلا دیا موکلین کو ان موجودہ قوانین کی ذمہ داریوں سے جو ابھی تک اُس اصول کے مطابق نہیں ہوگئے تھے انکار کی کوئی ترغیب نہیں پیدا ہوتی تھی۔ یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ یہ کامل نظام، مثل ان نظاموں کے جو زمانہ مابعد میں بڑی امیدوں کے ساتھ قائم ہوکر انسان کی مایوسی کے باعث ہوئے، محض تخیل کا نتیجہ نہ تھا۔ اسکی نسبت کبھی یہ نہیں سمجھا گیا کہ وہ ایسے اصول پر مبنی ہے جن کی جانچ اور آزمائش نہیں ہوئی ہے۔ خیال یہ تھا کہ وہ موجودہ قوانین کی تہ بساط ہے اور وہیں اسکو تلاش کرنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ اس کا مقصد اصلاح تھا نہ کہ انقلاب یا ہنگامہ اور خودسری۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے قابل افسوس طریقہ سے، قانون فطرت کا زمانہ حال کا تصور عموماً قدیم تصور سے جدا ہوجاتا ہے، اور دونوں میں مشابہت قائم نہیں رہتی۔

68

دوسرا خطرہ جو قوموں کو آغاز تمدن میں پیش آتا ہے، نوع انسان کے بڑے حصے کی ترقی میں مانع اور مزاحم ثابت ہوا ہے۔ قدیم قوانین کی اس سختی نے، جو خاص طور سے مذہب کے اختلاط اور اثر سے پیدا ہوئی۔ انسانوں کی بڑی جماعت کو انھیں خیالات زندگی اور طرز عمل میں جکڑے رکھا جو اس وقت تھے جب کہ ان کے رسم و رواج باضابطہ شکل اختیار کررہے تھے۔ اس بلا سے

تعجب انگیز طریقہ سے صرف دو ہی ایک قومیں محفوظ رہیں؛ اور انہیں کے پیوند سے چند موجودہ اقوام سرسبز ہوئیں؛ گر پھر بھی یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ دنیا کے بڑے حصہ میں قانون کی تکمیل ہمیشہ یہی سمجھی گئی ہے کہ وہ اس دائرہ میں محدود رہے جسکی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ اسے ابتدائی مقنن نے قائم کیا تھا۔ ان صورتوں میں اگر "اصول قانون" میں عقل سے کام لیا گیا ہے تو وہ ہمیشہ اسی پر نازاں رہی کہ اس نے قدیم متنوں سے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے غیر متعلق نتائج اس طور سے پیدا کرلئے ہیں کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کو ان متنوں کے لفظی مفہوم سے باہر جانا پڑا ہے۔ میری سمجھ میں کوئی وجہ نہیں آتی کہ قانون روما کو ہندوؤں کے قانون پر کیوں ترجیح دی جائے؛ بجز اس کے کہ یہ کہا جائے کہ قانون فطرت کے اصول نے اس میں ایک ایسا وصف پیدا کردیا جو معمولی اوصاف سے علحدہ تھا۔ یہی ایک مستثنیٰ صورت تھی، جس میں ایک ایسی قوم نے جو دوسرے اسباب سے دنیا میں نوع انسانی پر بہت بڑا اثر ڈالنے والی تھی، سادگی اور تناسب کو، کمل قانون کی خصوصیات قرار دے کر، پیش نظر رکھا۔ ہر قوم اور ہر پیشہ کی ترقی کے لیے ضرور ہے کہ وہ ایک مقصد پیش نظر رکھے۔ انگلستان میں بنتھم نے گزشتہ تیس سال میں عظیم الشان اثر پیدا کیا، ان کی کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ انھوں نے ایک مقصد ملک کے پیش نظر کردیا، اور اصلاح کا ایک سیدھا راستہ بتادیا۔ گزشتہ صدی کے انگریزی مقننین غالباً ایسے اندھے نہ تھے کہ وہ اس عجیب اور عامیانہ خیال کے متبع ہوں کہ انگریزی قانون انسانی عقل کا کامل نمونہ ہے۔ مگر ان کا عمل ایسا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کو یقین کرتے ہیں کیونکہ کوئی دوسرا اصول ان کے پیش نظر نہ تھا۔ بنتھم نے قوم کے سود (فائدہ) کو تمام دوسرے مقاصد پر ترجیح دی، اور اس طور سے وہ چشمہ جاری کردیا جو عرصہ دراز سے اپنا مجریٰ تلاش کررہا تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جن مفروضات سے ہم بحث کررہے ہیں وہ بنتھم کے اصول کی قدیم شکلیں ہیں اور انکا باہم مقابلہ کیا جائے تو یہ مقابلہ محض فرضی ہوگا رومیوں کے اصول نے انسانی توجہ اور کوششوں کو اُسی راستہ پر لگا دیا تھا

جدھر اس انگلستان کے باشندے کا مجوزہ اصول رہبری کرتا ہے۔ اُس اصول کے عملی نتائج تقریباً وہی تھے جو مصلحان قانون کی ایسی جماعت کی کوششوں کے نتائج ہو سکتے ہیں جس کا مقصد قوم کی عام بہبودی ہو۔ لیکن یہ سمجھنا غلطی سے خالی نہ ہوگا کہ رومیوں کے اصول بعینہٖ اور بجنسہٖ بنتھم کے اصول تھے۔ اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ بعض اوقات رومیوں کے عام اور قانونی تصنیفات میں نوع انسان کا آرام و آسائش تمام چارہ کارہائے قانونی کا اصلی مقصد قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس مقصد کا اظہار بمقابلہ قانون فطرت کے ہمہ گیر دعوے کے بہت مختصر اور شاذ ہے۔ روما کے مصنفان قانون حب الوطنی نہیں، بلکہ سادگی اور تناسب پر، جسے وہ معنی خیز الفاظ میں "حسن" سے تعبیر کرتے تھے، مٹے ہوئے تھے اسکو بنی نوع انسان کی خوش قسمتی پر محول کرنا چاہیے کہ ان کی کوششوں سے وہی نتیجہ نکلا جو ایک کامل اور باضابطہ فلسفہ کے اتباع سے پیدا ہوتا۔

قانون فطرت کی موجودہ تاریخ پر نظر ڈالنے سے ہمیں اسکا اندازہ تو بآسانی ہو جاتا ہے کہ اس کا اثر وسیع تھا، مگر اسکا تصفیہ کرنا دشوار ہے کہ آیا وہ اثر اچھا تھا یا بُرا۔ جو اصول اور ادارات اس سے پیدا ہوئے وہ ہمارے زمانہ میں سب سے زیادہ معرض بحث میں رہے، اور معرکۃ الآرا ثابت ہوئے ہیں، جیسا کہ اس امر کے بیان سے ظاہر ہوگا کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسیوں نے جو مخصوص خیالات قانون، سیاسیات، اور اجتماع انسانی کے متعلق مغربی دنیا میں پھیلائے ان کا ماخذ قانون فطرت ہی تھا۔ فرانس کی تاریخ میں جو کام وہاں کے مقننین نے کیا، اور جن قانونی تصورات کو فرانسیسی دماغوں نے قائم کیا وہ یقیناً بڑے پیمانہ پر تھے۔ یہ صحیح ہے کہ موجودہ یورپ کا فن قانون، فرانس میں نہیں، بلکہ اطالیہ میں پیدا ہوا۔ جو مدرسے اطالیہ کی یونیورسٹی کے معاونین نے یورپ کے ہر حصہ میں قائم کیے، اور جو ناکامیاب طریقہ سے اس جزیرہ میں بھی قائم ہوا تھا، ان میں سب سے زیادہ وہ مدرسہ جو فرانس میں قائم ہوا تھا اپنے ملک کے معاملات میں موثر اور دخیل ثابت ہوا۔ فرانس کے مقننین فوراً خاندان کیپٹ اور ویلیوس کے بادشاہوں کے ساتھ متحد ہو گئے، ان کے

شاہی حقوق کے اثبات اور ان کی جاگیری توریث کے قواعد کی تعبیر اور تلوار کے
71 زور کا یہ نتیجہ ہوا کہ آخرکار چھوٹے چھوٹے صوبہ جات اور جاگیروں کی جگہ فرانس
میں ایک بادشاہت قائم ہوگئی۔ ان مقننین کے ہموار کرلینے سے ان بادشاہوں
کو جو مدد اس کشمکش میں ملی جو ان میں اور ان کے قومی باجگذاروں اور امرا اور
مذہبی پیشواؤں میں جاری تھی، اس کا اندازہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے
جب ہم ان خیالات پر غور کریں جو یورپ میں قرون وسطیٰ تک شائع اور رائج
تھے۔ اس وقت سب سے مقدم شوق عام اصول قائم کرنے کا تھا اور ایسے
اصول بے حد پسند کیے جاتے تھے۔ اس بنا پر فن قانون میں ہر عام مقولہ جو
مختلف مقامات کے جداگانہ مروجہ قواعد پر حاوی ہوتا تھا خود بخود بڑی وقعت
کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ ایسے وکلا کے لیے جو مجموعہ قوانین اور ان کے حاشیوں
سے واقف ہوں اس قسم کے اصول کا بہ تعداد کثیر مہیا کر دینا کچھ مشکل نہ تھا۔
اسکے علاوہ انکے اختیارات اور قوت میں اضافہ کا ایک اور سبب بھی موجود تھا۔
جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس زمانہ میں منضبط قانونی احکام کی قوت کی
مقدار اور نوعیت کے متعلق بھی عام طور سے خیالات صاف اور صریح نہ تھے۔
عام طور سے یہ تاکیدی تمہید کہ "لہذا یہ حکم دیا جاتا ہے" تمام اعتراضات کی
زبان بندی کے لیئے کافی متصور ہوتی تھی۔ جس جگہ ہمارے زمانہ کے لوگ مقولہ
پیش شدہ کے ماخذ کی دریافت کی طرف توجہ کرینگے، اور بحالت ضرورت یہ کہنے
کے لیئے تیار ہو جائیں گے کہ جس قانون سے مقولہ مذکورہ کا تعلق ہے اس کو کوئی
حق نہیں ہے کہ وہ مقامی رسم و رواج کو منسوخ کردے، زمانہ قدیم کے مقننین غالباً
72 اس سے زیادہ کہنے کی جرأت نہ کرتے کہ یہ قاعدہ اس جگہ مستعمل نہیں ہو سکتا، یا
زیادہ سے زیادہ مذہبی قانون کا کوئی اصول اسکی تردید میں پیش کرتے۔ اس
اہم قانونی نزاع کے متعلق لوگوں کے غیر یقینی اور متزلزل خیالات کو پیش نظر رکھنا
نہایت ضرور ہے۔ اس سے نہ صرف اس امر کی توضیح ہوتی ہے کہ مقننین کس طرح
بادشاہت کے طرفدار ہو گئے بلکہ اس سے مختلف عجیب تاریخی مسائل پر روشنی پڑتی
ہے۔ اور جن لوگوں نے قوانین کلیسا میں جعل کیئے ہیں اُن کا مقصد اور اُن کی

غیر معمولی کامیابی کے وجوہ بھی پوری طور سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اور اس سے
ایک درجہ تک بریکٹن کے سرقہ کی دریافت میں بھی مدد ملتی ہے، اگرچہ وہ کچھ
زیادہ دلچسپ واقعہ نہیں ہے۔ ہنری سوم کے عہد میں ایک انگریز مصنف کا
اہل ملک کے سامنے خالص انگریزی قانون کے خلاصہ کے نام سے ایسی تصنیف
کا پیش کرنا جسکی شکل کلیتاً" اور جسکے ایک تہائی سے زیادہ مضامین قانون روما
سے اخذ کیئے گئے ہوں، اور یہ عمل ایسے ملک میں کرنا جہاں کہ قانون مذکور کا باضابطہ
طور سے پڑھنا ممنوع قرار پایا ہو، اصول قانون کی تاریخ میں ہمیشہ ایک مالاینحل
معمار ہے گا۔ جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں منضبط قانون
کی تعمیل واجب سمجھی جاتی تھی، اور اس پر مطلق توجہ نہیں ہوتی تھی کہ ان کا ماخذ کیا
ہے، تو ہمارا تعجب ایک حد تک ضرور کم ہوجاتا ہے۔

جس وقت فرانس کے بادشاہوں نے اس کشمکش کو جو عرصہ دراز سے
قوت اور اقتدار کے لیئے جاری تھی کامیابی کے ساتھ ختم کیا۔ جس کا زمانہ
شاخ والیوس اینگلومی کی تخت نشینی سے سرسری طور سے شروع ہوتا ہے اسوقت
سے لے کر انقلاب کے زمانہ تک فرانس کے مقننین کی ایک مخصوص حالت
رہی۔ یہ ایک طرف تو قوم کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور قوی جماعت تھی،
جس نے امراء جاگیر کے پہلو بہ پہلو اپنی وقعت قائم کرلی تھی۔ انھوں نے اس
وقعت کو ایک ایسے انتظام سے مضبوط کرلیا تھا جسکے ذریعہ سے انکے ہم پیشہ تمام
فرانس میں متحدہ جماعتوں کی شکل میں پھیلے ہوئے تھے، انکو معینہ وسیع اختیارات
حاصل تھے اور وہ غیر معین اختیارات کا ادعا کرتے تھے۔ وکلاء، جج، اور مقننین کی
حیثیت سے وہ دوسرے یورپین ممالک کے اپنے ہم چشموں سے بڑھے ہوئے
تھے۔ انکا قانونی رکھ رکھاؤ، انکی طلاقت لسانی، انکا تطابق اور تناسب کا باریک
احساس، (اور اگر ان کے مشاہیر سے انکا اندازہ کیا جائے) تو انکے تصور انصاف
کا مخلصانہ اتباع، ایسا ہی نمایاں تھا جسطرح ان اشخاص کی متضاد اور مختلف
اقسام کی عقل و دانش، جو اس گروہ میں شامل تھے۔ اس اختلاف اقسام میں
کوجاس اور مان ٹسکی سے لیکر ڈی ایگو سیو اور ڈومولن تک آجاتے ہیں۔

دوسری طرف، جس نظام قانونی کو وہ نافذ کرنے پر مامور تھے وہ انکے ان خیالات سے بالکل مخالف تھا جو ان کے دماغوں میں بسے ہوئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جس فرانس کو انھوں نے اپنی کوششوں سے ایک بڑے درجہ تک قانونی ملک بنا دیا تھا وہ یورپ کے دوسرے ممالک سے زیادہ تر ایک بے قرینہ اور بے میل "اصول قانون" کی بلا میں پھنس گیا تھا۔ تمام ملک میں ایک بڑی تفریق قائم تھی جس نے اسکو دو حصوں (Pays de Droit Ecrit) اور (Pays de Droit Coutumier) یعنی "ممالک پابند قوانین منضبط" اور "ممالک پابند رسم و رواج" میں تقسیم کر دیا تھا۔ فریق اول اپنے "اصول قانون" کی بنیاد اہل روما کے منضبط قانون کو تسلیم کرتا تھا، دوسرا فریق اسے صرف اسی حد تک تسلیم کرتا تھا کہ اس سے وہ عام الفاظ اور قانونی دلائل نے لیئے جائیں جو مقامی رسم و رواج سے مطابق ہوتے ہوں۔ یہ دونوں فریق بہت سے شعبوں میں منقسم تھے۔ ممالک پابند رسم و رواج میں ایک صوبہ دوسرے صوبہ، اور ایک ملک دوسرے ملک، اور ایک میونسپلٹی دوسری میونسپلٹی سے، اپنے رسم و رواج کی نوعیت میں مختلف تھی۔ ممالک پابند قانون منضبط میں جاگیری قواعد (Feudal rules) کا بوجھ جو قانون روما کو دبائے دیتا تھا مختلف ترکیب کا تھا۔ اس قسم کی بے ترتیبی کبھی انگلستان میں نہیں ہوئی۔ جرمنی میں البتہ ایسا ہوا، مگر یہ بے ترتیبی ملک کی گہری سیاسی اور مذہبی تقسیم کے ساتھ اس قدر ملی جلی ہوئی تھی کہ اس کی شکایت تو درکنار اس کا احساس بھی مشکل تھا۔ یہ فرانس ہی کے لیئے مخصوص تھا کہ باوجود پادشاہی مرکزی اقتدارات میں روز بروز قوت پیدا ہونے، اور انتظامی بندوبست کی میل اور رعایا میں قومی روح آجانے کے بعد بھی، قوانین میں اسقدر اختلاف بغیر کسی معقول تبدیلی کے قائم رہا۔ اس حالت سے اکثر اہم نتائج پیدا ہوئے، اور انھیں میں وہ اثرات شریک ہیں جو فرانس کے مقننین کے خیال پر پڑے۔ انکی خیالی رائیں اور دماغی میلان، انکے قواعد اور پیشہ وری کے طرز عمل سے سخت مختلف اور متبائن تھے۔ باوجود اس امر کے پورے احساس اور تسلیم کرنیکے کہ "اصول قانون" کی تکمیل کے لیئے سادگی اور یکسانی لازم ہے، وہ اسکا یقین کرتے یا اس

یقین کا اظہار کرتے تھے، کہ جو نقائص فی الحقیقت فرانس کے قانون میں موجود ہیں وہ ناقابل اصلاح ہیں؛ اور اسکی اصلاح کی جو کوشش کیجاتی تھیں اُن میں
75 وہ اکثر اپنے کم تعلیم یافتہ ہم وطنوں سے زیادہ تر عملاً مانع اور مزاحم ہوتے تھے۔ مگر ان متضاد صورتوں کو ایک راستہ پر لانیکی ایک صورت خود بخود پیدا ہوگئی یعنی وہ لوگ شدت سے قانون فطرت کے طرفدار ہوگئے۔ قانون فطرت نے آکر صوبوں اور مینو سپلٹیوں کے حدود مٹا دیئے؛ اور امرا اور شہری اور دہقانی کے فرق کو مٹاکر صراحت، سادگی، اور نظم و ترتیب کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا، بغیر اسکے کہ وہ اپنے طرفداروں پر کسی خاص ترقی کا بوجھ ڈالے، یا براہ راست کسی قابل عظمت یا سود مند عملدرآمد میں دست اندازی کرے۔ پس قانون فطرت کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فرانس کا عام قانون ہوگیا، یا یوں کہو کہ اسکی عظمت اور وقعت اسطرح مسلم ہوگئی کہ فرانس کے ہر وکیل کو یکساں طور پر اسے تسلیم کرلینا پڑا۔ فرانس کے انقلاب عظیم کے قبل کے مقننین قانون مذکور کی تعریف میں تر زبان ہیں، اور یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جن مصنفین نے رسم و رواج پر کچھ لکھا ہے، اور جو اکثر خالص قانون روما پر نکتہ چینی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے، وہ قانون فطرت اور اسکے قواعد کے ان مُلکی عہدہ داروں سے بھی زیادہ ثنا خواں ہیں جو صرف خلاصہ جات اور مجموعہ قوانین کی وقعت تسلیم کرتے تھے۔ ڈوموِلن نے جو فرانس کے قدیم قانون رسم و رواج پر لکھنے والوں میں سب سے افضل ہے قانون فطرت کی تعریف میں چند مبالغہ آمیز فقرے لکھے ہیں؛ اور یہ ثنا و صفت اُس انداز بیان سے کی گئی ہے جو روما کے مقننین کی احتیاط سے منزلوں دور ہے۔ قانون فطرت کے مفروضہ نے کوئی ایسی اصولی شکل نہ اختیار کی کہ اس سے عمل میں کوئی ہدایت حاصل ہوسکے۔ بلکہ وہ صرف ایک خیالی اعتقاد رہا؛ یہی وجہ ہے کہ جب زمانہ حال میں اُس نے پلٹا کھایا تو اس کے عیوب اسکے طرفداروں کی نگاہ میں اس کے
76 محاسن ہوگئے۔ اٹھارھویں صدی کے نصف اول گزرنے پر قانون فطرت کی تاریخ کے لیئے ایک نازک وقت آگیا۔ اگر یہ اصول اور اسکے نتائج قانون پیشہ اصحاب کے معرض بحث میں رہتے تو ممکن تھا کہ انکی قدیم وقعت باقی نہ رہتی،

کیونکہ اس وقت کتاب (Esprit des Lois) تصنیف ہو چکی تھی۔کتاب مذکور میں کسی قدر مبالغہ کے ساتھ اس سخت نفرت کے آثار نمایاں ہیں جو مصنف کے دل میں ان تمام مفروضات کی طرف سے جوش زن تھے جن کی عام طور سے تنقیح نہیں کیجاتی؛ تاہم ابہم طور سے اسکا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ موجودہ تعصبات کے ساتھ مراعات کرنا چاہتا ہے۔غرض کہ مونٹسکیو کی یہ کتاب باوجود ان تمام نقایص کے، اس مورخانہ طریقہ پر مرتب ہوئی تھی جسکے مقابلہ میں قانون فطرت کبھی ایک لحظہ کے لیئے بھی نہیں ٹھہر سکا ہے۔اس کتاب کا اثر دماغوں پر ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جیسی کہ اسکی عام شہرت تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ اسے اسکا موقعہ ہی نہیں ملا؛ کیونکہ ایک دوسرا بالمقابل اصول جو اسکی تباہی کا باعث ہونے والا تھا دفعتاً پیدا ہوکر عدالت سے لیکر بازاروں تک شایع ہوگیا، اور ایک ایسی عظیم الشان بحث کا مرکز قرار پایا جو شاید ہی کبھی عدالتوں یا مدرسوں میں ہوئی ہو۔ وہ شخص جس نے اس اصول کو جدید راستہ پر ڈال دیا وہ ایک غیر معمولی آدمی تھا۔ وہ بغیر علم و فضل اور بلا کثیر اوصاف و بلا مستقل مزاجی کے محض اپنی تیزی تخیل اور اپنے ہم جنسوں کی حقیقی اور پر جوش ہمدردی سے جسکی بنا پر اسکی تمام کمزوریاں قابلِ معافی ہیں، تاریخ میں اپنے ایسے آثار چھوڑ گیا ہے جو کبھی مٹنے والے نہیں ہیں اپنے زمانہ میں کیا، بلکہ تمام تاریخ میں بجز دو ایک مثالوں کے کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی جس میں کسی تصنیف نے ہر قسم اور ہر فرقے کے لوگوں کے دل و دماغ پر اتنا اثر ڈالا ہو، جتنا ۱۷۴۹ء سے لیکر ۱۷۶۲ء تک روسو کی تصنیفات کا ہوا۔ یہ پہلی کوشش اس امر کی تھی کہ انسانی یقین کی وہ عمارت جسکو بیلی نے توڑنا شروع کر دیا تھا، اور جس میں ہمارے لاک بھی شریک تھے، اور جسکی انتہا والٹیر پر ہوئی از سر نو تعمیر کیجائے۔اول تو ہر تعمیر کن تجویز کو ہر تباہ کن تجویز پر ترجیح ہوتی ہے، دوسرے اس تجویز کو اس بنا پر بھی بڑی قوت حاصل ہوئی کہ وہ ایسے زمانہ میں پیش ہوئی جبکہ خیالی معاملات میں قدیم معلومات کی صحت کے متعلق عام طور سے بداعتقادی پھیلی ہوئی تھی۔ روسو کے تمام تخیلات کا مرکز ہمیشہ انسان ایک مفروضہ فطری حالت میں ہے، خواہ وہ تمدنی میثاق کے ایک رکن کی حیثیت سے انگریزی

لباس میں ظاہر ہو' یا تمام تاریخی اوصاف سے معرا کرکے سامنے لایا جائے۔ ہر قانون یا آئین جو اس مفروضہ حالت میں اس خیالی شخص کے حالات کے مناسب حال نہ ہو اسکی نسبت یہ سمجھا جانا چاہئیے کہ وہ کمال کے پایہ سے گر گیا' اور نا قابل پسند ہے۔ اور تمدنی جماعت میں ہر ایسی تبدیلی جو اسکو اس عالم سے زیادہ تر مشابہ کردے جس میں یہ فطری شخص رہتا تھا' قابل پسند اور باوجود ظاہری نقصان کے جسطرح بن پڑے عمل میں لانیکے قابل ہے۔ یہ اصول صورت بدل جانے پر بھی مقننین روما ہی کا اصول ہے' کیونکہ اس خیالی عالم میں جن لوگوں کی بود و باش فطری حالت میں فرض کیگئی ہے اسکی کوئی اور خصوصیت بجز سادگی اور تناسب کے جسکو مقننین بیحد پسند کرتے تھے' سمجھ میں نہیں آسکتی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ اہل روما کا اصول الٹ پلٹ ہوگیا' اور بجائے قانون فطرت کے فطری حالت پیش نظر ہوگئی۔ رومیوں کا یہ خیال تھا کہ موجودہ آئین اور قوانین پر غور کرکے ایسے اجزا کا منتخب کرلینا ممکن ہے جن میں اسوقت اس زمانۂ فطرت کی علامتیں اور آثار پائیے جاتے ہیں' یا دانشمندانہ اصلاح کے بعد ان میں یہ اوصاف پیدا ہوسکتے ہیں' جنکے وجود کے وہ ایک حد تک قائل تھے۔ روسو کا خیال یہ تھا کہ بلا مدد کسی اور شئے کے صرف فطری حالت پر غور کرکے ایک ایسا کامل تمدن قائم ہوسکتا ہے جو دنیا کی موجودہ حقیقی حالت سے بالکل جدا اور مختلف ہو۔ ان دونوں خیالوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ ایک نہایت سختی اور عمومیت کے ساتھ حالت موجودہ کو اس بنا پر ناپسند کرتا ہے کہ وہ قدیم خیالی حالت سے مشابہ نہیں ہے؛ دوسرا موجودہ حالت کو قدیم حالت کی طرح ضروری تصور کرتا ہے' اور نہ اس سے قطع تعلق کرتا ہے' اور نہ اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ہمیں اسکی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ ہم کسی تفصیل کے ساتھ سیاسیات' فنون' تعلیم' اخلاق' اور تمدنی تعلقات کے اس فلسفہ کا تجزیہ کریں جسکی بنیاد فطری حالت پر قائم کیگئی ہے۔ ہر ملک کے سرسری خیال کرنے والوں کے لیئے ابتک اس اصول میں ایک مخصوص دل کشی ہے' اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ دراصل یہی رجحان دریافت کے تاریخی طریقہ کے استعمال میں مانع اور مزاحم رہا ہے۔ ہمارے زمانہ کے مشاہیر عقلا کا اسکو نہ ماننا ایک ایسی

78

باریک بات ہے کہ اس سے وہ لوگ بھی حیرت زدہ ہیں جو خیال کی غلطیوں کی سخت جانی اور دیرپائی سے بخوبی واقف ہیں۔ اس زمانہ میں جو سوال عام طور سے پوچھا جاتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ان رایوں کی وقعت کیا ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جنکی بنا پر سو سال قبل انکو اسقدر عظمت اور وقعت حاصل ہوئی۔ اسکا جواب جہانتک میں سمجھتا ہوں بہت صاف ہے۔ وہ تعلیم، جس سے سو سال قبل ان غلطیوں کی اصلاح ہوسکتی تھی جو محض قدامت قانون پر لحاظ کرنے کی وجہ سے ہوتی تھیں، وہ مذہبی تعلیم تھی۔ اور یونانی مذہب، اس زمانہ کے مفہوم کے مطابق، خیالی افسانوں کا مجموعہ تھا۔ مشرقی مذاہب پر اگر کبھی توجہ بھی کی جاتی تھی تو وہ آفرینش عالم کے بیکار مباحث میں مبتلا نظر آتے تھے۔ قدیم کتابوں میں اگر کوئی کتاب پڑھنے کے قابل سمجھی جاتی تھی تو وہ یہودیوں کی قدیم تاریخ تھی، لیکن اسکے پڑھنے میں اس زمانہ کا تعصب مانع تھا۔ روسو اور والٹیر کا فلسفہ جن مختصر اور چند امور میں متفق تھا انمیں یہ تمام مذہبی قدامتوں اور سب سے زیادہ یہودیوں کے مذہب کی بے وقعتی شریک تھی۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اُس زمانہ کے دلیل کرنے والے یہ کہنا موجب فخر سمجھتے تھے کہ قوانین موسوی آسمانی قوانین نہ تھے، اور نہ اُس زمانہ میں مرتب ہوئے جس میں انکا مرتب ہونا بیان کیا جاتا ہے، بلکہ وہ اور نیز توریت کی اول پانچ کتابیں محض جعلی تھیں جو قید سے واپسی کے بعد تیار کرلی گئی تھیں۔ فرانس کے فلسفی اس مامن سے منھ پھیر کر جو انکو خیالی فریب سے محفوظ رکھ سکتا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں پیشوایان مذہب کے توہمات کے جال میں نہ پھنس جائیں، مقننین کے توہمات میں سر کے بل جاگرے۔

79

[1] یہ سچ ہے کہ مشرقی مذاہب میں آفرینش عالم کے متعلق بعض ایسے مباحث بھی ہیں جن کا اسلوب بیان حقیقت سے زیادہ مجاز پر مبنی ہے، مگر بیشتر مباحث کے حقائق کی توثیق آجکل کی علمی تحقیق بھی کر رہی ہے، ایسی حالت میں ان سب کو "بیکار" کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔

عمادی
ناظر مذہبی جامعہ عثمانیہ

اگرچہ اُس فلسفہ کی، جسکی بنیاد فطری حالت پر رکھی گئی تھی، ظاہری بدنمائی کی وجہ سے قدیم وقعت باقی نہیں رہی، مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس کے اندرونی اور باریک پہلوؤں کی شہرت، اقتدار، اور معقولیت میں بھی کوئی فرق آیا۔ یہ فلسفہ، جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، اسوقت تک مورخانہ طریقہ کا قوی حریف ہے۔ اور جب کبھی کوئی شخص (مذہبی اعتراضات سے قطع نظر کرکے) دریافت کے اس طریقہ سے اختلاف کرتا ہے، تو عام طور سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسے تعصب میں مبتلا ہے جسکا سلسلہ، اگر پتا لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک جماعت یا ایک فرد کی فطری حالت پر جاکر ختم ہوتا ہے، جسکا پتہ تاریخ سے نہیں چلتا، مگر جسے اس نے دانستہ یا نادانستہ طور سے تسلیم کرلیا ہے۔ فطری حالت اور اسکے قوانین کی بقا کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ سیاسی اور تمدنی رجحان کے مؤید ہوگئے ہیں۔ انمیں سے بعض رجحان ایسے ہیں جنکو انھوں نے اُبھار دیا ہے، بعض ایسے ہیں جو انھوں نے خود پیدا کیے ہیں، اور بہت سے ایسے ہیں جنکی شکل اور صورت کو انھوں نے خدوخال سے سنوار دیا ہے۔ انکا بین طور سے ان تمام خیالات میں اظہار ہوتا ہے جو متواتر فرانس سے نکل کر تمام مہذب دنیا میں پھیلتے رہتے ہیں، اور ان عام خیالات کے اجزا قرار پا جاتے ہیں جنکے ذریعہ سے دنیا کی تہذیب میں ردو بدل ہوتا رہتا ہے۔ انکا قوموں کی حالت پر جو اثر ہوتا ہے وہ منجملہ ان امور کے ہے جن پر ہمارے زمانہ میں نہایت گرمجوشی کے ساتھ بحث کی جاتی ہے، مگر یہ بحث ہماری کتاب کے مقاصد سے خارج ہے۔ اگر اس گزشتہ زمانہ پر نظر ڈالی جائے جس میں فطری حالت کے اصول نے انتہائی سیاسی قوت حاصل کرلی تھی، تو شاید بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو اس سے انکار کرسکیں کہ فرانس کے پہلے انقلاب میں جو سخت ناکامیاں ہوئیں اسکا باعث بڑی حدتک یہی اصول تھا، اور وہی ان تمام دماغی نقائص کا قوی محرک یا پیدا کرنے والا ثابت ہوا، جن کی بنا پر قوانین موکدہ کی بے وقعتی، تجربات میں بے صبری، اور تمام دلائل کو چھوڑ کر صرف استقراء سے کام لینا بالکل عام ہوگیا تھا۔ یہ فلسفہ ایسے لوگوں میں آکر جنھوں نے بمقابلہ دوسرے لوگوں کے زیادہ تر غور نہیں کیا اور نہ تجربات سے فائدہ اٹھایا،

صاف طور سے غدر اور عام بدنظمی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یہ امر تعجب خیز ہے کہ کس قدر (Sophismes Anarchiques) غلط دلائل (بتائید انقلاب عظیم) جو دوما نٹ نے بنتھم کے لیئے شایع کیئے، اور جو بنتھم کے اس باب میں درج ہیں جو اس نے غلطیوں اور خصوصاً فرانسیسی غلطیوں کے اظہار کے لیئے باندھا ہے، رومی مفروضات سے، جنھوں نے فرانس میں صورت بدل لی تھی، ماخوذ ہیں، اور وہ کبھی سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک مفروضات مذکور کی روشنی میں نہ دیکھے جائیں۔ اس بارہ میں عین انقلاب کے زمانہ میں مانیٹر (نام اخبار) سے طالب ہدایت ہونا بھی ایک عجیب عمل ہے۔ جوں جوں مطلع تاریک ہوتا جاتا تھا اسیقدر قانون اور حالت فطرت کی طرف رجوع ہونے کی خواہش زیادہ ہوتی جاتی تھی۔

قانون فطرت کا جو اثر موجودہ تمدن پر ہے اسکے اظہار کے لیئے ایک ایسی مثال موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکے اثرات کا ہنوز خاتمہ نہیں ہوا ہے۔ مجھے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ قانون فطرت ہی کے ایک مفروضہ سے انسانی مساوات کا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ تمام انسان مساوی ہیں! منجملہ ان بہت سے قانونی مقولوں کے ہے جنھوں نے امتداد زمانہ سے ایک سیاسی صورت اختیار کر لی ہے۔ روما کے عہد انٹنی کے مقننین نے یہ مقولہ قائم کیا تھا کہ "بلحاظ فطرت تمام انسان مساوی ہیں" مگر انکی نظر میں یہ صرف ایک قانونی مقولہ تھا۔ اس سے انکا مقصد یہ تھا کہ فرضی قانون فطرت، اور موکدہ قوانین میں، جہانتک کہ وہ قانون فطرت کے قریب ہوتے جاتے ہیں، وہ بے قاعدہ فرق جو روما کے ملکی قانون نے انسان کی مختلف جماعتوں میں قائم کیا تھا قانونی طور سے قابل تسلیم نہ ہوگا۔ یہ قاعدہ روما کے وکالت پیشہ لوگوں کے لیئے بیحد ضروری تھا، جنکے ذہن نشین یہ امر کرنا تھا، کہ جس جگہ روما کے "اصول قانون" کی نسبت یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ وہ بالکل قانون فطرت کے مطابق ہے وہاں روما کی عدالتوں کی نظر میں ملکی اور غیر ملکی، غلام اور آزاد، پدری اور مادری قرابتداروں میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ جن مقننین نے اس

مقولہ کو اسطرح قائم کیا انکے خیال میں ہرگز یہ امر نہ تھا کہ وہ اس تمدنی انتظام کو درہم برہم کردیں جسکے تحت میں ملکی قانون اپنی کامل بلندنظری حاصل نہ کرسکا تھا، اور نہ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ انھوں نے کبھی اسکا یقین کیا تھا کہ دنیا میں کوئی وقت بھی ایسا آئیگا جس میں انسانی تمدن کلیتاً فطرت کے مطابق ہو جائیگا۔ مگر جب انسانی مساوات کا مسئلہ زمانۂ حال کے لباس میں ظاہر ہوتا ہے تو اسکے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔ رومی مقننین نے جو کچھ لکھا تھا وہ یہ تھا کہ "تمام انسان مساوی ہیں" اور اس سے انکا وہی مقصود تھا۔ برخلاف اسکے زمانۂ حال کے لوگ جو یہ لکھتے ہیں کہ تمام انسان مساوی ہیں اس سے انکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ "تمام انسانوں کو مساوی ہونا چاہیئے"۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل روما کا یہہ مخصوص خیال کہ قانون فطرت ملکی قانون کے پہلو بہ پہلو چلتا اور آہستہ آہستہ اسکو اپنے آپ میں جذب کرتا جاتا ہے، پیش نظر نہیں رہا تھا، یا ناقابل فہم ہوگیا تھا، اور اسکا نتیجہ یہ تھا کہ جو زیادہ سے زیادہ انسانی آئین اور قوانین کی ترقی کی ابتدا، اور ترکیب، کا ایک بیان تھا اس سے ان سخت اور دوامی مظالم کا مفہوم پیدا کیا جانے لگا جنھیں نوع انسان برداشت کرتی چلی آئی تھی۔ چودھویں صدی کے آغاز ہی میں انسان کے حق پیدائش کے متعلق زمانۂ حال کے الفاظ نے مختلف صورت اور مختلف معنی اختیار کرلیئے تھے؛ اگرچہ بظاہر اس سے مقصد یہ تھا کہ وہ ایسے مفہوم میں لیئے جائیں جس میں اسپین اور اس کے معاصرین نے انہیں استعمال کیا تھا۔ بادشاہ لوئی ہٹن کے ان مشہور احکام کی تمہید، جو شاہی حکومت کے غلاموں کی آزادی کے متعلق جاری ہوئے تھے، اگر اہل روما سنتے تو انکے کانوں کو عجیب معلوم ہوتی۔ تمہید مذکور اس طرح شروع ہوتی ہے "چونکہ قانون فطرت کے مطابق یہ امر ضرور ہے کہ ہر شخص آزاد پیدا ہو، اور چونکہ بعض رسم و رواج کی بناء پر جو زمانۂ قدیم سے ہمارے ملک میں رائج اور اب تک قائم ہیں ہماری رعایا میں سے (ممکن ہے کہ اپنی پیشرو نسلوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے) بہت سے لوگ حالت غلامی میں بسر کررہے ہیں لہذا ہم وغیرہ وغیرہ"۔ یہ قانونی قاعدہ کا نہیں، بلکہ ایک سیاسی اصول کا اظہار ہے

88

اور اُسوقت سے انسانی مساوات کا مسئلہ فرانسیسی مقننین میں اسطرح شائع ہوگیا کہ گویا وہ ایک ایسی سیاسی صداقت ہے جو ان کے علوم و فنون میں مدتوں سے محفوظ چلی آتی ہے ۔ فطری قانون کے دوسرے فرضی نتائج ' اور خود قانون فطرت کی طرح اس پر بھی بتدریج اور بہ آہستگی اتفاق ہونے لگا ' مگر جب تک وہ قانون پیشہ گروہ سے نکل کر اٹھارھویں صدی کے ادیبوں اور انکے پیرو عوام الناس تک نہیں پہنچا اسکا اثر آرا اور نیز عمل پر بہت کم پڑا ۔ ان لوگوں میں آکر وہ نہ صرف انکے مشرب کا صریح اور صاف عقیدہ ' بلکہ دوسرے تمام مشارب کا خلاصہ سمجھا جانے لگا ۔ ۱۷۸۹ء کے واقعات پر بالآخر اسکا جو اثر پڑا غالباً اسکی وجہ صرف یہی نہ تھی کہ وہ فرانس میں شہرت حاصل کرچکا تھا ' کیونکہ صدی مذکور کے وسط میں اسکا اثر امریکہ تک پہنچ گیا تھا ۔ اس زمانہ کے امریکہ اور خصوصاً ورجینیا کے قانون پیشہ لوگوں کے پاس علم کا جو سرمایہ تھا وہ انگلستان کے معاصرین کے سرمایہ سے بالکل مختلف تھا ' کیونکہ ان لوگوں نے اس میں بہت کچھ اضافہ کرلیا تھا ' جو یورپ کے دوسرے ممالک کے علمی ذخیرہ سے لیا گیا ہوگا ۔ جفرسن کی تصنیفات پر سرسری نظر ڈالنے سے اسکا پتہ چل سکتا ہے کہ اسکا دماغ کسقدر ان نیم قانونی اور نیم عمومی آرا سے متاثر تھا جو فرانس میں رائج اور شائع تھیں ۔ اور اس میں شک کرنیکی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ فرانس کے مقننین کے مخصوص خیالات کے اتباع میں انھوں نے اور نیز دوسری نوآبادیوں کے مقننین نے جو امریکہ کے معاملات اور واقعات میں ہادی تھے اس فرانسیسی مفروضہ کو کہ " تمام انسان مساوات حیثیت پر پیدا ہوئے ہیں " اس مفروضہ سے جو انگریزوں میں ان الفاظ میں زیادہ تر روشناس تھا کہ " تمام انسان آزاد پیدا ہوتے ہیں " باہم ملادیا جسکا اظہار انکے اعلان آزادی کے ابتدائی فقرات میں کیا گیا ہے ۔ یہ فقرات اس مسئلہ کی تاریخ میں جو اسوقت زیر بحث ہے نہایت مہتم بالشان تھے ۔ امریکہ کے مقننین نے انسان کی اصولی مساوات کے اہم مسئلہ پر زور دیکر نہ صرف اپنے ملک کے سیاسی تحریکات میں جان ڈال دی ' بلکہ ایک حد تک انگلستان میں بھی اسکا اثر پڑا ' جو ابھی تک زائل نہیں ہوا ہے ۔ اسکے علاوہ

84

انھوں نے جو اصول فرانس سے لیا تھا اسکو پھر اسکے وطن فرانس میں زیادہ تر قوت اور مزید عام قبولیت کی قابلیت اور وقعت کے ساتھ واپس کر دیا۔ حتیٰ کہ پہلی آئینی مجلس کے محتاط مقننین نے بھی الپین کے مقولہ کا اعادہ کیا گویا کہ وہ انسان کے جذبات' اور اسکے آئین کے مطابق تھا۔ ۱۷۸۹ء کے تمام اصول میں صرف یہی ایک اصول ہے جو سخت اعتراضات کی بوچھار سے بچا رہا۔ اور جس نے زمانۂ حال کی آرا میں جوش پیدا کر دیا ہے' اور جس سے عامہ خلائق کی جماعتوں اور ملک کی سیاسیات میں ایک بڑے تغیر کی توقع کیجاتی ہے۔

قانون فطرت کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے زمانہ موجودہ کے بین الاقوامی قانون اور قوانین جنگ کی بنیاد ڈالدی' مگر اسکے نتائج کے ان اجزا سے ہم اسقدر تفصیل کے ساتھ بحث نہیں کر سکتے جسکے وہ مستحق ہیں اور اس لیئے انکے سرسری ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ان اصول موضوعہ میں سے جن پر قانون بین الاقوام کی بنیاد قائم ہے یا یوں کہو کہ ان میں سے جو اپنے بانیوں کی دی ہوئی صورت پر اب تک قائم ہیں' دو تین اصول نہایت مہتم بالشان ہیں۔ ان سب میں اول کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک قابلِ تعین قانون فطرت موجود ہے۔ گروشس اور اس کے جانشینوں نے یہ مفروضہ براہِ راست اہلِ روما سے اخذ کیا' مگر طریقہ تعین میں اہلِ روما کے مقننین سے اور خود باہم مختلف الرائے رہے اشاعتِ علوم کی تجدید کے زمانہ کے بعد سے جو مصنف پیدا ہوئے انکی آرزو یہ رہی ہے کہ وہ فطرت اور اس کے قانون کی نئی اور قابلِ فہم تعریف کرنے پر قادر ہو سکیں۔ اس امر کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس تصور نے ملکی قوانین پر لکھنے والوں کے طویل سلسلہ کے ہاتھوں میں آکر اپنے گرد مختلف خیالات کے اجزا کا ایک ایسا ذخیرہ جمع کر لیا' جو تقریباً تمام ایسے اخلاقی مذاہب سے اخذ کیا گیا تھا جو ان جماعتوں میں یکے بعد دیگرے دائر و سائر ہوئے۔ اس تصور کی تاریخی نوعیت کا یہ قابلِ لحاظ ثبوت ہے' کہ فطری حالت کی خصوصیات پر نظر کر کے جو کوشش قانون فطرت مدون کرنیکے متعلق کیگئی' اسکا نتیجہ مطلق اس سے بہتر نہیں ہوا کہ انسان بغیر چھان بین کے

85

روما کے مقننین کے قائم کردہ اصول تسلیم کرکے مطمئن ہوجاتے۔ معاہدات اور تنامجات اقوام کے قانون سے قطع نظر کرکے، یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ قانون بین الاقوام کا کتنا بڑا حصہ خالص روما کا قانون ہے۔ مقننین نے جس اصول کا قانون مشترکہ اقوام" (Jusgentium) کے مطابق ہونا بیان کیا، اسی اختیار اور انتخاب کرلینے کے لیئے واضعان قانون نے کوئی نہ کوئی وجہ پیدا کرلی ہے، گو کہ صاف طور سے اسکے آثار پائے جاتے ہوں کہ وہ اصول رومیوں کے ساتھ مخصوص تھا۔ ہم کو یہ بیان کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب ماخوذہ اصول میں وہی تمام ضعف پایا جاتا ہے جو اصلی اور ابتدائی تصور میں موجود تھا۔ ان مصنفین میں سے اکثروں کا پرداز خیال" مخلوط" نظر آتا ہے۔ ان کی تصنیفات کو پڑھ کر یہ دریافت کرنا سخت دشوار ہے کہ آیا وہ قانون سے بحث کررہے ہیں یا علم اخلاق سے، اور جو بین الاقوامی تعلقات وہ بیان کرتے ہیں وہ حقیقی ہیں یا خیالی، اور جو کچھ وہ بتاتے ہیں وہ اس وقت کی حالت ہے یا وہ حالت ہے جو ان کی رائے میں ہونی چاہیئے۔

قانون بین الاقوام کی بنیاد جن مفروضات پر قائم ہے ان میں دوسرے درجہ پر یہ مفروضہ ہے کہ قانون فطرت باہمی طور سے مختلف سلطنتوں اور حکومتوں کے درمیان قابل پابندی ہے۔ اس اصول کے اعتراف اور اقرار کے آثار موجودہ علم قانون کی پیدائش کے وقت سے پائے جاتے ہیں، اور سرسری نظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ براہ راست رومی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ ایک جماعت کی ملکی (Civil) اور فطری حالت میں اسی واقعہ سے تمیز کی جاتی ہے کہ مقدم الذکر میں ایک مخصوص واضع قانون ہوتا ہے اور موخرالذکر میں کوئی واضع قانون نہیں ہوتا۔ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جب چند افراد نے مل کرکسی بادشاہ یا سیاسی حکمران کے تسلیم کرنے سے انکار کردیا تو انکو آخرکار لامحالہ قانون فطرت کے احکام کی پابندی کرنی پڑی۔ ریاستیں اور حکومتیں بھی اسی طرح کے افراد ہیں، ان کا خودمختاری کا مفروضہ مشترکہ واضع قانون کے تصور کے منافی ہے۔ اور مخصوص خیالات کے تسلسل سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ وہ سب فطرت کے

86

قدیم نظام کے تحت میں ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آزاد جماعتوں کی نسبت یہ سمجھا جائے کہ ان کے باہمی تعلقات کسی قانون کے بھی پابند نہیں ہیں لیکن یہ غیر قانونی حالت بمنزلہ خلا کے ہے جسے مقنن کی طبیعت کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی۔ اس امر کے باور کرنے کے لئے کافی وجوہ موجود ہیں کہ اگر روما کا کوئی مقنن ایسی فضا کا تصور کرتا جس میں قانون کا مطلق وجود نہیں، تو وہ فوراً اس خلا کو احکام فطرت سے مملو تصور کرتا۔ مگر یہ فرض کر لینا صحیح نہ ہوگا کہ جو نتائج ہماری رائے میں بالکل صریح اور یقینی معلوم ہوتے ہیں وہ فی الحقیقت کسی زمانہ میں مستنبط کیے گئے تھے۔ قانون روما کے بچے بچائے حصوں میں سے کوئی ایسا فقرہ آج تک نکال کر پیش نہیں کیا گیا ہے، جس سے میری رائے میں یہ ثابت ہوتا ہو کہ مقننین کا یہ خیال تھا کہ خود مختار حکومتوں کے باہمی تعلقات میں قانون فطرت لازمی طور سے قابل عمل تھا۔ جو کچھ نظر آتا ہے وہ یہی ہے کہ اہل روما نے، جو اپنی شاہی سلطنت کی حدود کو تہذیب کے حدود سمجھتے تھے، اگر کبھی یہ خیال قائم کیا ہوگا کہ تمام سلطنتیں مساوی طور سے قانون فطرت کے ماتحت ہیں تو وہ ایک عجیب تصور کا انتہائی نتیجہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کا قانون بین الاقوام، جس کے قانون روما سے پیدا ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا، قانون روما کے ساتھ بے ترتیب اضافوں کی وجہ سے متعلق ہوگیا ہے۔ روما کے "اصول قانون" کے زمانۂ حال کے ابتدائی شارحین نے "قانون مشترکہ اقوام" (Jusgentium) کے مفہوم کے سمجھنے میں غلطی کر کے بلا تامل یہ فرض کر لیا کہ اہل روما ان کے لئے مختلف سلطنتوں کے باہمی تعلقات کے انتظام کے واسطے ایک نظام قواعد چھوڑ گئے ہیں۔ اس "قانون مشترکہ اقوام" کو ابتداً اپنے بہت سے مخالفین سے سخت مقابلہ کرنا پڑا، اور یورپ کی حالت عرصۂ دراز تک ایسی رہی کہ اس کی عام قبولیت کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ مغربی دنیا نے اپنی حالت ایسی کر لی کہ وہ ملکی عہدہ داروں کا یہ اصول تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوگئی۔ زمانہ نے مخالف اصول کے اعتبار کو زائل کر دیا اور ایالا اور گروٹیئس نے ایک مبارک وقت میں باہم مل کر یورپ کو گرم جوشی کے ساتھ

87

اس کے قبول کرنے پر آمادہ کردیا، جس کی تجدید و توثیق مختلف عظیم الشان
مواقع پر ہوتی رہی ہے۔ اس امر کے بیان کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ جو　88
بزرگ اس کی کامیابی کے باعث ہوئے انھوں نے اس امر کی کوشش کی
کہ وہ اس کو ایک بالکل جدید بنیاد پر قائم کریں۔ یہ بھی مسلم ہے کہ اس
اکھاڑ پچھاڑ میں انھوں نے اس کی ترکیب میں بہت کچھ رد و بدل کیا،
مگر نہ اس قدر جتنا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ انٹنی کے عہد کے
مقننین سے اس مسئلہ کو اخذ کر کے کہ "قانون مشترک اقوام" اور "قانون
فطرت" ایک ہیں، گروٹیس نے اپنے پیشروان سابق اور جانشینان مابعد کے
ساتھ مل کر قانون فطرت کو اس قدر مقتدر بنا دیا جس کا دعوے اسے
کسی طرح نہیں ہوسکتا تھا، اگر اس زمانے میں "قانون مشترک اقوام" کا
مفہوم بیحد مبہم نہ ہوتا۔ انھوں نے بلاکسی استثناء کے یہ قرار دے دیا کہ
سلطنتوں کے باہمی تعلقات کا قانون "قانون فطرت" ہے، اور اس طور
سے بین الاقوامی نظام قانونی میں ان قواعد کے پیوند لگاتے رہے جنکی
نسبت یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ وہ محض فطرت کے تصور پر غور کرنے سے
پیدا ہوتے ہیں؛ یہ عمل تقریباً ہمارے زمانہ تک جاری رہا ہے۔ اس کا
عملی نتیجہ نوع انسان کے لئے نہایت اہم تھا، اور اگرچہ زمانۂ حال کی
ابتدائی تاریخ اس نتیجہ سے ناواقف نہ تھی، تاہم وہ صراحت اور
عمومیت کے ساتھ اس وقت تک تسلیم نہیں کیا گیا جب تک گروٹیس
کے مذہب کے اصول شائع اور رائج نہیں ہوئے۔ اگر اقوام کی سوسائٹی
"قانون فطرت" کی تابع ہے تو ضرور ہے کہ وہ اجزا بھی جن سے وہ
سوسائٹی مرکب ہے سب بالکل یکساں اور مساوی ہوں۔ فطرت کی
حکومت میں تمام انسان مساوی ہیں اور اس لئے اگر بین الاقوامی حالت
فطری حالت ہے تو تمام حکومتوں کو مساوی ہونا چاہئے۔ یہ مسئلہ کہ تمام
آزاد قومیں، خواہ وہ بلحاظ وسعت ملک اور قوت کے کیسی ہی مختلف
کیوں نہ ہوں، قانون اقوام کی نظر میں مساوی ہیں، نوع انسانی کے لئے　89

ایک رحمت ثابت ہوا ہے؛ اگرچہ ہر آئندہ زمانہ کے سیاسی رجحان سے وہ معرض خطر میں رہتا ہے۔ اس مسئلہ کو کبھی یہ وقعت حاصل نہ ہوسکتی تھی اگر ان مصنفین نے جنھوں نے تجدید علم ادب (Revival of Letters) کے بعد لکھنا شروع کیا، قانون بین الاقوام کے اس دعوے کو فطرت کی قابل وقعت بنیاد پر نہ قائم کیا ہوتا۔

بہرحال یہ امر تعجب سے خالی نہیں، جیسا کہ میں قبل ازیں بیان کرچکا ہوں، کہ جو اضافے گروشیس کے زمانہ کے بعد سے قانون بین الاقوام میں ہوئے وہ بمقابلہ ان اجزا کے جو رومیوں کے "قانون مشترکہ اقوام" کی قدیم بنیاد سے لئے گئے ہیں بہت قلیل ہیں۔ قومی حوصلہ مندی کا ہمیشہ تسخیر ممالک کی طرف میلان رہا ہے۔ اس تسخیر اور اس تسخیر کی بنا پر عام طور سے جو لڑائیاں ہوتی ہیں اُن میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے جو قواعد ہیں وہ قانون روما کے اس جز سے لئے گئے ہیں جس میں بروئے قانون ممالک (Jurigentium) حصول جائداد کے طریقوں سے بحث کی گئی ہے۔ حصول جائداد کے یہ طریقے قدیم مقننین نے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ان رواجات کے مشترکہ اجزا سے اخذ کئے ہیں جو ان اقوام میں شائع تھے جو روما کے گرد و پیش آباد تھیں۔ یہ طریقے بلحاظ اپنے ماخذ کے قانون مشترکہ اقوام میں شریک کئے گئے تھے، بعد کے مصنفین نے ان کی سادگی کی وجہ سے انھیں فطری قانون کے حالیہ تصور سے مطابق اور موافق پایا، اور اس طرح سے وہ زمانۂ حال کے قانون اقوام میں داخل ہوگئے؛ ورنہ فی الحقیقت قانون بین الاقوام کے وہ اجزا جو ممالک، ان کی نوعیت، ان کے حدود، اور ان کے حصول اور تسخیر سے متعلق ہیں وہ خالص رومی قانون حصول جائداد کے قواعد ہیں، جن کے متعلق عہد انٹنی کے مقننین کا یہ خیال تھا کہ وہ فطری حالت سے ایک گونہ مناسبت رکھتے ہیں۔ قانون بین الاقوام کے ان ابواب کے قابل تعمیل ہونے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ فرمارویان ملک میں

90

باہم وہی تعلقات ہوں جو روما کے ایک جماعت کے مالکانِ جائداد کے ارکان میں ہوتے تھے۔ یہ دوسرا اصول موضوعہ ہے جو مجموعہ قانون بین الاقوام کے دیباچہ میں داخل ہے، اور یہی وہ امر ہے جس پر زمانہ حال کی یورپ کی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں مشکل سے اتفاق ہوا ہوگا۔ یہ اصول دو اجزا سے مرکب ہے، اول یہ کہ "فرمانروائی ممالک کے ساتھ مختص ہے" یعنی ملکیت ہمیشہ دنیا کے ایک مخصوص حصہ پر ہوتی ہے اور "فرمانروا باہم ایک دوسرے سے اعلیٰ نہیں منصور ہوتے بلکہ اپنے اپنے مقبوضہ ملک کے کامل مالک سمجھے جاتے ہیں"۔

قانون بین الاقوام پر اکثر معاصر لکھنے والے اس کو یقین کیا تھ باور کرتے ہیں کہ ان کے نظام قانون کے وہ اصول جن کی بنیاد نصفت اور عام عقل پر قائم ہے ایسے ہیں کہ موجودہ زمانہ کی تہذیب کے ہر مرحلہ پر ممکن ہے کہ ناقص قرار دیدیئے جائیں۔ لیکن یہ خیال، جس میں بین الاقوامی اصول کی بعض حقیقی کمزوریاں مضمر ہیں، جہاں تک کہ اس کا تعلق موجودہ تاریخ کے بڑے حصہ سے ہے، ناقابل قبول ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ رومیوں کا "قانون مشترکہ اقوام" قوموں کے معاملات میں بلا کسی اختلاف کے نافذ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو ایک عرصہ دراز تک دوسرے مختلف بالمقابل اصول سے لڑنا جھگڑنا پڑا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ مقتدر اعلیٰ کا ملک پر کامل اختیار ہمیشہ تسلیم کیا جاتا تھا، کیونکہ سلطنت روما کے زوال کے بعد بھی لوگ ایسے خیالات کے زیر اثر تھے جو اس تصور کے مطابق نہ تھے۔ قدیم حالات اور وہ خیالات جو ان حالات پر مبنی تھے جب بدلے، اور نیا یورپ اور اس کے مطابق جدید خیالات کے ذرائع مہیا ہوئے اس وقت قانون بین الاقوام کے یہ دو مخصوص مفروضات عام طور سے قابل قبول قرار پائے۔

یہ امر پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس زمانہ کے بڑے حصہ میں جسے ہم عام طور سے تاریخ جدید کے نام سے موسوم کرتے ہیں "ملکی بادشاہت"

91

کا کوئی تصور نہ تھا۔ دنیا کے کسی جز یا حصہ کی حکومت شاہی تصور سے وابستہ نہ تھی۔ دنیا اتنی صدیوں تک شاہنشاہان روما کے زیر سایہ بسر کر چکی تھی کہ وہ ملک کے وسیع اقطاع کی اس تقسیم کو بالکل بھول گئی تھی جس نے ایک زمانہ میں ان ممالک میں مختلف ایسی خود مختار جمہوری حکومتیں قائم کر دی تھیں جو بیرونی مداخلت سے برائت اور قومی حقوق میں مساوات کی دعویدار تھیں۔ وحشیوں کے ہنگامہ کے فرو ہو جانے کے بعد شاہی کا جو تصور عام طور سے رائج تھا اس کے دو پہلو تھے۔ اس کا ایک پہلو تو وہ تھا جو "قبیلوں کی شاہی" (Tribe Sovereignty) کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فرانک، برگنڈی، ونڈال، لمبارڈ، اور وسگوتھ اس حصہ ملک کے مالک تھے جس میں وہ آباد تھے اور جن میں سے بعض ممالک انھیں کے نام سے مشہور ہیں، مگر ان کو بربناء قبضہ ملک کسی حق کا دعوے نہ تھا، اور نہ اس کو وہ کوئی وقعت دیتے تھے۔ انھوں نے اپنی وہی روایتیں برقرار رکھیں جو وہ جنگلوں اور میدانوں سے لے کر آئے تھے، اور اپنے آپ کو اسی طرح ایک بزرگ خاندان کی متبع جماعت، اور خانہ بدوش لوگ سمجھتے تھے، جو چند روز اس سرزمین پر ٹھیرے ہوئے ہیں جو ان کو ذرائع زندگی مہیا کرتی ہے۔ اس زمانہ میں گال کا وہ حصہ جو کوہ ایلپس کے اس پار واقع تھا اور جرمنی کا ایک جز فی الحقیقت فرانک سے آباد تھا، اور اسی کا نام فرانس ہوا؛ مگر کلووس کی نسل کے مروونجی سردار (Merovingian) فرانس کے بادشاہ نہیں، بلکہ فرانک کے بادشاہ تھے۔ ملکی لحاظ سے خطاب معدوم نہ تھا، اس کا آغاز اس طرح ہونا ظاہر ہوتا ہے کہ ایک قبیلہ کی مقبوضہ زمین کے ایک حصہ کے فرماں روا کو آسانی کی غرض سے وہاں کا بادشاہ کہنے لگے، لیکن کل قبیلہ کا بادشاہ اپنی رعایا کا بادشاہ تھا نہ کہ اپنی رعایا کے حدود اراضی کا۔ شاہی کے اس عجیب تصور کا دوسرا پہلو ایک عام اور عالمگیر حکومت تھی، جو پیش نظر رکھنے کے قابل ہے جب کوئی بادشاہ اپنے قبیلہ کی شاہی سے دست بردار ہو کر اپنے کسی مقصد کے لحاظ سے جدید شاہی اختیار کرنا چاہتا تھا تو انتخاب اور اختیار کرنے

92

کے لئے اس کے سامنے شاہنشاہان روما کی مثال موجود ہوتی تھی۔ ایک عام مثل کے معنی بدل کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ یا تو قیصر ہو جاتا تھا یا لاشئے محض؛ یعنی یا تو وہ روما کے شاہنشاہ کے تمام حقوق کا دعویدار ہو جاتا تھا یا اس کی کوئی سیاسی حیثیت باقی نہیں رہتی تھی۔ خود ہمارے زمانہ میں یہ ہو رہا ہے کہ جب کوئی جدید شاہی خاندان معزول شدہ شاہی خاندان کے ممیز خطاب کو مٹا دینا چاہتا ہے تو وہ بجائے ملک کے قوم کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے۔ اسی بنا پر ہم اس میں بھی فرانسیسیوں کے بادشاہ اور شہنشاہ اور بلجیم میں بلجمیوں کے بادشاہ دیکھتے ہیں۔ جس زمانہ سے ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں اس میں انھیں حالات میں ایک دوسری شکل پیش آتی تھی۔ جو بادشاہ اپنے آپ کو اپنے قبیلہ یا قوم کا بادشاہ کہلانا نہیں چاہتا تھا، اس کے لئے لازم تھا کہ وہ تمام عالم کی شہنشاہی کا دعوے کرے۔ اس طور سے جب محل شاہی کے موروثی عہدہ داران بادشاہوں سے نباہ نہ کر سکے، جنھیں عرصہ ہوا تھا کہ انھوں نے بے دست و پا کر دیا تھا وہ بہت جلد محض شاہان فرانک کے خطاب سے اُکتا گئے۔ اس وجہ سے کہ معزول شدہ بادشاہوں کا بھی وہی خطاب تھا، مگر ساتھ ہی اس کے اپنے آپ کو شاہانِ فرانس بھی کہلانا نہیں چاہتے تھے، اگرچہ یہ کوئی جدید خطاب نہ تھا، مگر معزز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے وہ عالمگیر حکومت کا دعوے کرنے لگے۔ ان کے مقاصد کے سمجھنے میں بڑی غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ زمانۂ حال کے فرانسیسی مصنفین نے یہ امر تسلیم کر لیا ہے کہ شارلیمین اپنے مقاصد کی نوعیت اور ان کی تعمیل کی جدوجہد میں اپنے زمانہ سے بہت آگے بڑھا ہوا تھا۔ خواہ یہ امر صحیح ہو یا غلط کہ کوئی شخص کسی وقت بھی اپنے زمانہ سے آگے بڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ اتنا ضرور مسلم ہے کہ شارلیمین غیر محدود حکومت کے دعوے میں وہی ایک طریقہ اختیار کر رہا تھا جو اس کے زمانہ کے خیالات کی نوعیت کے لحاظ سے اس کے لئے ممکن تھا۔ اس کی بلند خیالی کے متعلق کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں ہے، مگر اس کا ثبوت اس کے افعال سے ملتا ہے نہ کہ اس کے اصول سے۔

بادشاہت کی عمومیت کا خیالی تعلق شاہی تخت کے ساتھ ایک عرصہ دراز تک قائم رہا، اور جب تک کہ جرمنی حکومت قائم رہی یہ دونوں خیالات قطعی طور سے ایک دوسرے سے جُدا نہ ہو سکے۔ ملکی بادشاہت، یعنی وہ تصور جو بادشاہت کو ایک محدود قطع ارضی کے قبضہ کے ساتھ وابستہ کرتا ہے، نظام جاگیرداری (Feudalism) کے خیال کی ایک شاخ ہے، اگرچہ اس کا نشوونما بہت دیر میں ہوا۔ واقعات کے لحاظ سے اسی نتیجہ کی امید بھی کی جا سکتی تھی کیونکہ یہ جاگیرداری ہی تھی جس نے اراضی کی ملکیت کے ساتھ پہلی مرتبہ ذاتی فرائض اور بطورِ نتیجہ ذاتی حقوق کو وابستہ کردیا۔ اس کی ابتدا اور اس کی قانونی نوعیت کے متعلق خواہ کوئی رائے صحیح ہو، مگر جاگیری نظام کی روشن تصویر آنکھوں کے سامنے لانے کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ پہلے اس کی بنیاد پر نظر ڈالی جائے؛ یعنی کاشتکار کے اس تعلق پر غور کیا جائے، جو اسے اس قطع اراضی سے ہوتا ہے جو اس کے خدمات کو پیدا اور محدود کرنے کا باعث ہوتا ہے، اور بعدہٗ وہی تعلق اس کے ان بالائی درجوں کو طے کرتا ہوا، جو ایک دوسرے سے تنگ تر ہوتے جاتے ہیں، نظام مذکور کی تقریباً چوٹی تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ دریافت کرنا کہ زمانۂ تاریک کے آخر حصہ میں اس چوٹی کا خاص مقام کہاں تھا دشواری سے خالی نہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات میں قبیلہ کی حکمرانی کا تصور زائل ہوگیا تھا، وہاں سب سے اعلیٰ تر مرتبہ مفروضہ مغربی قیصروں کے جانشینوں کو دیا جاتا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جبکہ حقیقی شاہی اختیارات کا دائرہ بیحد تنگ ہوگیا، اور شاہنشاہان روما نے اپنی بچی بچائی قوت کو جرمنی اور شمالی اطالیہ میں سمیٹ کر جمع کرلیا، تو کارلووینی سلطنت کے بڑے بڑے جاگیرداروں کو، جو ملک کے دور و دراز حصوں میں موجود تھے، یہ محسوس ہونے لگا کہ فی الحقیقت ان پر کوئی حکمراں باقی نہیں رہا۔ رفتہ رفتہ وہ اس جدید حالت کے عادی ہوتے گئے، اور اس آزادی نے آخرکار ماتحتی کا خیال اُن کے دل سے بالکل نکال دیا۔ لیکن ایسے آثار اب بھی

پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تبدیلی بآسانی نہیں ہوئی تھی۔ اس خیال کا پرتو کہ نظام عالم میں حکومت کا ایک انتہائی نقطہ کسی جگہ ہونا فطری طور سے لازم ہے' اس روزافزوں رجحان میں پایا جاتا تھا جو رومی کلیسا کو دنیوی اقتدار دینے کی طرف تھا۔ رائے کی اس کامل تبدیل میں پہلی منزل وہ تھی جس میں کیپیٹینی خاندان نے فرانس میں عروج حاصل کیا۔ قبل اس کے کہ یہ زمانہ شروع ہو، ان بڑے بڑے جاگیرداروں نے جن میں کارلووینجی سلطنت ٹوٹ کر منقسم ہوگئی تھی، بجائے ڈیوک اور کاونٹ کے اپنے آپ کو پادشاہ کہلانا شروع کیا۔ لیکن اہم تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جبکہ ان جاگیری امرا نے جو پیرس کے گردونواح میں ایک محدود حصۂ ملک پر قابض تھے' وہاں کے قدیم خاندان کا خطاب" شاہان قوم فرانسیی" غصب کرلیا۔ ہیوز کیپیٹ اور اس کی اولاد بالکل ایک جدید معنی میں پادشاہ تھی' ان کو ملک فرانس سے وہی تعلق تھا جو ایک " بیرن" کو اپنی ریاست اور کاشتکار کو اپنی اراضی سے ہوتا تھا۔ اگرچہ ان بادشاہوں کا قدیم قبیلہ کا خطاب حکمران خاندان کے سرکاری لاطینی القابوں میں ایک عرصہ دراز تک قائم رہا مگر فرانسیسی زبان میں آکر بہت جلد" شاہان فرانس" ہوگیا۔ فرانس کی اس قسم کی شاہی کا ان تبدیلیوں پر بین اثر پڑا جو دوسرے ممالک میں اسی مقصد کے لئے ہورہی تھیں۔ ہمارے انگلوسیکسن شاہی خاندانوں کی بادشاہت قبیلہ کی سرداری اور ملکی حکومت کے بین بین تھی؛ مگر نارمن بادشاہوں کی حکومت بہ اتباع فرانس صریح طور سے ملکی حکومت تھی۔ اس کے بعد جو حکومتیں قائم یا منضبط ہوئیں وہ سب موخرالذکر نمونہ پر تھیں۔ اسپین نیپلس اور تمام وہ ریاستیں جو اطالیہ کی ملکی آزادی (Municipal Freedom) کے زائل ہونے کے بعد قائم ہوئیں سب ایسے فرماں رواؤں کے تحت میں تھیں جن کی حکومت ملکی حکومت تھی۔ وینیشیا کے باشندوں کے خیالات میں جو رفتہ رفتہ تبدیلی ہوئی وہ بھی منجملہ دنیا کی عجیب چیزوں کے ہے۔ ممالک غیر کی فتح کے وقت اس جمہوری سلطنت کا یہ خیال تھا کہ وہ اہل روما کی جمہوریت سے بالکل علیحدہ

اور چند مقبوضہ ممالک پر حکمراں ہے؛ مگر ایک صدی گزر جانے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستند (Corporate) بادشاہ منوانا چاہتی ہے، اور اپنے مقبوضات اٹلی اور بحر ایجین پر ان حقوق کی دعویدار ہے جو ایک جاگیری نظام کے اعلیٰ حکمران کو حاصل ہوتے ہیں۔

جس زمانہ میں بادشاہت کے متعلق عام خیالات میں اس قدر عظیم تبدیلیاں ہو رہی تھیں، وہ نظام جو زمانۂ حال کے قانون بین الاقوام کے نظام کا قائم مقام تھا صورۃً مختلف اور ان اصول سے جن سے اس کو مدد ملتی تھی غیر مطابق تھا۔ یورپ کے جو ممالک رومائی جرمنی حکومت کے ماتحت تھے، ان کے باہمی تعلقات کا تعین ایک پیچیدہ اور ناقص ذریعہ یعنی شاہی آئین (Imperial constitution) سے کیا جاتا تھا اور اگرچہ ہم کو یہ سن کر تعجب ہو، مگر جرمنی کے مقننین کا یہ عام خیال تھا، کہ جمہوری ریاستوں کے باہمی تعلقات کا تعین، خواہ وہ ریاستیں ملک کے اندر واقع ہوں یا باہر، قانون مشترکہ اقوام سے نہیں، بلکہ خالص رومی قانون سے ہونا چاہیئے جس کا مرکز اس وقت بھی قیصر ہے۔ قرب و جوار کے ممالک میں اس اصول کی ایسی تردید اور مخالفت نہیں ہوئی جس کی پہلے سے یقینی امید کی جاسکتی تھی؛ لیکن باقی یورپ میں جاگیری ماتحتی (Feudal subordination) کا اصول "قانون عام" (Public Law) کے قائم مقام تھا، اور جب یہ قواعد غیر متعین یا مبہم پائے جاتے تھے تو کم از کم اصولاً ان پر عمل کرانے کے لئے ایک ایسی منتظم قوت موجود تھی جس کا تعلق کلیسا کے اعلیٰ عہدہ دار سے تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ پندرھویں، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ چودھویں صدی میں بھی جاگیری اور کلیسائی دونوں اثرات نہایت تیزی کے ساتھ مٹ رہے تھے، اور اگر ہم اس زمانہ کی لڑائیوں کے اعداد اور سلطنتوں کے باہم حلیف بننے کے مقاصد پر عمیق نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہوگا کہ قدیم اصول کے فنا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اصول جن کو بعدہٗ ایالا اور گروٹیس نے مرتب اور مہذب کیا تھا آہستہ آہستہ خاموشی

مگر مضبوطی کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہے تھے۔ اس وقت اس امر کا فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ آیا اقتدارات کے یہ تمام ذرائع مل ملا کر بالآخر بین الاقوامی تعلقات کا ایک نظام قائم کر سکتے تھے، اور آیا اس نظام کی نوعیت گروٹیس کے نظام سے اہم امور میں مختلف ہوتی یا نہیں؟ مگر یہ امر یقینی ہے کہ اصلاح (Reformation) نے بجز ایک کے، اور باقی تمام امکانی اجزا کا خاتمہ کر دیا۔ اس اصلاح کا آغاز جرمنی سے ہوا۔ اس نے فرماں روایان ملک کو اسطرح ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا کہ ایک بادشاہ کی ماتحتی اور اسکی غیر جانبداری بھی ان کو باہم متفق نہ کر سکتی تھی۔ بادشاہ کو کلیسا کی طرفداری میں مصلحین کے مقابلہ میں آنا پڑا، پوپ کو بھی یہی دشواری پیش آئی، اور اس طور سے اقتدار کے وہ دو ذریعے جن کا کام تھا کہ وہ متخاصمین میں صلح کرا دیں خود قوم کے اس مذہبی اختلاف میں ایک فریق کے شریک ہو گئے تھے۔ جاگیری نظام جو پہلے ہی سے کمزور اور ریاستوں کے باہمی تعلقات کے معاملہ میں بیکار ثابت ہو چکا تھا ایسا مضبوط اور قوی نہ تھا کہ وہ مذہبی طرفداریوں پر غالب آسکے۔ "قانون عام (Public Law) کی اس انتشاری اور غیر منتظم حالت میں جو کچھ باقی اور قائم رہ گیا تھا وہ نظام سلطنت کی وہی آرا تھیں جن کی نسبت یہ فرض کیا جاتا تھا کہ ان کو روما کے مقننین نے پسند کیا تھا۔ ان آرا نے گروٹیس کے ہاتھ میں آکر جو شکل، تناسب، اور امتیاز حاصل کیا اس سے ہر تعلیم یافتہ شخص واقف ہے۔ اس کی کتاب "ڈی جور بل ایٹ پیس" کے متعلق جو سب سے زیادہ تعجب انگیز امر ہے کہ وہ اس کی سریع، کامل اور عام کامیابی ہے۔ سی سالہ جنگ کے وہ خوفناک واقعات اور وہ نفرت اور رحم انگیز خیالات جو سپاہیوں کے بے روک ٹوک مظالم کو دیکھ کر پیدا ہوئے تھے، ایک حد تک نہ کہ کلیتہً اس کامیابی کے مؤید قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اگر اس زمانہ کے خیالات پر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو اس امر کے باور کرنے میں کوئی دقت نہیں پیش آسکتی کہ گروٹیس نے جس بین الاقوامی عمارت کا سطحی نقشہ اپنی بڑی کتاب میں کھینچا ہے اگر وہ اصولی طور سے کامل نہ ہوتا تو اس کو نہ مقننین

قبول کرتے اور نہ ملکی اور فوجی عہدہ دار اس کی طرف متوجہ ہوتے۔
یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ گروشیس کے نظام کی خیالی تکمیل کا گہرا تعلق اس ملکی بادشاہت کے تصور کے ساتھ ہے جس کی نسبت ہم قبل ازیں بحث کر چکے ہیں۔ قانون بین الاقوام میں اصولاً یہ فرض کیا جاتا ہے کہ ریاستیں اپنے باہمی تعلقات کے لحاظ سے ایک فطری حالت میں ہیں، لیکن فطری سوسائٹی کے ان اجزا کو جن سے وہ مرکب ہے اصول مفروضہ کے لحاظ سے علٰحدہ اور بجائے خود ایک دوسرے سے آزاد رہنا چاہئے۔ اگر کوئی اعلیٰ قوت ایسی ہے جو بربنائے دعوئے غلبہ، خواہ وہ کیسا ہی خفیف اور شاذ کیوں نہ ہو، ان سب کو ملاتی اور مشترک کرتی ہے تو یہ مشترک حکومت کا دعوےٰ ہی قانون موکدہ (Positive Law) کا تصور پیدا کر دیتا ہے، اور قانون فطرت کا خیال مطلقاً باطل ہو جاتا ہے۔ اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر محض اصول کی غرض سے بھی کوئی مشترکہ اور عالمگیر شاہی اقتدار تسلیم کر لیا جاتا تو گروشیس کی تمام محنت بیکار ثابت ہوتی۔ یہی ایک ایسا امر نہیں ہے جس میں زمانۂ حال کا عام قانون اور بادشاہی کے متعلق وہ رائیں جن کا ارتقا بیان کرنے کی میں نے کوشش کی ہے، باہم متفق ہو جاتے ہیں۔ میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ اصول قانون بین الاقوام کے باب کے باب ایسے ہیں جو قانون روما کے قانون جائداد پر مبنی ہیں۔ اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر بادشاہی کے اندازہ میں وہ تمام تبدیلیاں نہ ہوتیں جن کو میں نے بیان کیا ہے اور بادشاہی کا تصور دنیا کے ایک محدود حصہ کی ملکیت سے نہ مخلوط ہو جاتا یا یوں کہو کہ وہ ملکی نہ ہو گیا ہوتا تو گروشیس کے دو تہائی اصول ناقابل استعمال قرار پاتے۔

فصل پنجم

ابتدائی تمدن اور قدیم قانون

اصول قانون کے مضمون پر بطور ایک فن کے بحث کرنے کی ضرورت سے زمانۂ حال میں کبھی چشم پوشی نہیں کی گئی ہے۔ اس ضرورت کو محسوس کر کے جو مضامین لکھے گئے وہ مختلف دماغوں کے غور و فکر کے نتائج ہیں، مگر شاید یہ کہنا زیادہ بعید از قیاس نہ ہو کہ جو کچھ اس وقت تک فن کے قائم مقام سمجھا جاتا تھا اس کا بڑا جزو قیاسات کے ایک مجموعہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا، اور یہ مقننین روما کے وہی قیاسات تھے جن سے ہم گزشتہ دو فصلوں میں بحث کر آئے ہیں۔ فطری حالت کے متعلق جو قیاسی اصول ٹھیرے تھے اور ان کی متابعت میں جو نظام قائم کیا گیا تھا، وہ اپنے موجدوں کے وقت سے لے کر ہمارے زمانہ تک تقریباً متواتر اور صریح بیانات کے ذریعہ سے تسلیم ہوتا چلا آیا ہے۔ ان کا وجود ان شارحین کی شرحوں میں پایا جاتا ہے جو زمانۂ حال کے اصول قانون کے بانی ہیں۔ جو اہلِ علم مقننین ان کے بعد ہوئے ان کی تصنیفات میں بھی ان کا پتہ ملتا ہے، اور مذہبی پیشواؤں کے اصول بھی ان سے خالی نہیں نظر آتے۔ جو ذی علم ملکی عہدہ دار قدیم علم ادب

کی تجدید کے بعد پیدا ہوئے انھوں نے ان اصول کو اور زیادہ چمکا دیا۔ گروٹیس اور اس کے جانشینوں نے بجائے ان کی چمک دمک اور معقولیت میں مزید اضافہ کرنے کے ان کے فوائد اور اہمیت کو بہت بڑھا دیا۔ اگر کوئی شخص ان کو پڑھنا چاہتا ہے تو وہ ہمارے بلیک اسٹون کی ابتدائی فصلوں میں، جو لفظاً لفظاً برلامیکی سے اخذ کئے گئے ہیں، دیکھ سکتا ہے۔ اس زمانہ میں جو مجموعے طلبہ یا وکلاء کی ہدایت کے لئے لکھے جاتے ہیں جب ان میں قانون کے ابتدائی اصول سے بحث کی جاتی ہے تو ان میں سوائے اہل روما کے مفروضات کے اعادہ کے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔ بعض اوقات یہ مفروضات ایک جدید لباس اور مقامی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں کس قدر آسانی اور سرعت کے ساتھ انسانی خیالات میں متمکن ہو جانے کا مادہ ہے۔ لاک کا یہ اصول بھی کہ "قانون کی ابتدا تمدنی میثاق سے ہوئی" اس کے رومی ماخذ کو نہیں چھپا سکتا، وہ صرف ایک لباس ہے جس کے ذریعہ سے قدیم اصول زمانۂ حال کے بعض گروہ کی نظر میں زیادہ ترخوشنما کر کے دکھایا گیا ہے۔ البتہ ہابس نے اس بارہ میں جو اصول قائم کیا اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ رومیوں اور ان کے متبعین کے قانون فطرت کی حقیت کو باطل کر دے۔ یہ دو اصول جنھوں نے انگلستان کے غور اور تفکر کرنے والے مدبروں کو ایک عرصۂ دراز تک دو فرقوں میں منقسم رکھا، اصل مفروضہ کے لحاظ سے بالکل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دونوں نوع انسانی کی ایک ایسی حالت فرض کرتے ہیں جس کا پتہ نہ تاریخ سے چلتا ہے اور نہ اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ ان اصول کے موجد، تمدن کے قبل کی حالت کی خصوصیات، اور اس غیر معمولی عمل کی نوعیت کے متعلق، جس کے ذریعہ سے انسان ترقی کر کے اس تمدنی حالت میں آیا جو ہمارے احاطۂ علم میں ہے، باہم مختلف تھے۔ گر اس خیال میں متفق تھے کہ انسان کی ابتدائی اور تمدنی حالت میں ایک سخت تاریک وادی حائل ہے؛ اور یہ خیال دانستہ خواہ نادانستہ یقیناً رومیوں سے لیا گیا تھا۔ اگر قانون کے مضمون پر

اسی طرح نظر ڈالی جائے جس طرح یہ بانیان اصول ڈالتے ہیں؛ (یعنی وہ ایک وسیع مرکب قرار دیا جائے)، تو دماغ کا اس گتھی کو سلجھانے کے کام سے بچنے کے لیے، جو اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے، کسی ایسے معقول مفروضہ کو تسلیم کرلینا، جس کی مناسب تعبیر سے یہ عقدہ حل ہوجاتا ہو، یا بعض اوقات اس کے حل سے مایوس ہوکر قطعاً اس محنت سے دست کش ہوجانا، کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

اصول قانون کے متعلق ان آرا سے جو رومی رائے کی طرح خیالی ہیں دو مشہور آرا کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلے وہ رائے ہے جو مانٹسکی (Montesquieu) کے ممتاز نام سے منسوب ہے۔ اگرچہ "اسپرٹ ڈی لوئی" (Esprit des Lois) کے ابتدائی حصہ میں بعض مبہم فقرات پائے جاتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف یہ نہیں چاہتا کہ مسلمہ اصول سے علانیہ طور سے مخالفت کرے، مگر کتاب کا عام رجحان یہی بتا رہا ہے کہ اس مضمون کے متعلق اس کے خیالات ان خیالات سے بالکل مختلف ہیں جو اسوقت تک عام طور سے شائع تھے۔ یہ امر خاص طور سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ، اپنے مختلف تمثیلات کے وسیع دائرہ میں، جن کو اوس نے مختلف مفروضات اصولی قوانین سے اخذ کیا ہے، ایسے مراسم اور دستور خاص طور سے نمایاں کرکے دکھاتا ہے جو اپنی ناہمواری، غیر مانوسیت اور بیہودگی سے مہذب پڑھنے والے کو تعجب میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اس سے یہ نتیجہ بار بار پیش نظر ہوجاتا ہے کہ موسم، مقام وقوع، اتفاق یا فریب (یعنی ایسے اسباب کے نتائج جو ان اسباب کے علاوہ ہیں جو ایک درجہ تک مسلسل اور متواتر عمل کرتے رہتے ہیں) در اصل واضعان قانون ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مانٹسکی انسان کی فطرت کو بیحد لوچدار سمجھتا ہے، اور جو اثرات اس پر باہر سے پڑتے ہیں انھیں پوری طور سے دلنشیں اور قبول کرلیتا، اور ان پر کاربند ہوجاتا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں وہ غلطی واقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے مجوزہ نظام پر نظام کا اطلاق نہیں

ہوسکتا۔ وہ انسانی فطرت کی استقامت کو اس قدر وقعت نہیں دیتا جس کی وہ مستحق ہے، اور نہ قوم کے ان اوصاف کی طرف توجہ کرتا ہے جو اسے اپنے پیشروؤں سے وراثت میں ملتے ہیں اور جن کو قوم تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑ جاتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ تمدنی حالت اور اس لئے اوس کے قوانین کی اس وقت تک کامل صراحت نہیں ہوسکتی جب تک کہ ان تبدیلی پیدا کرنے والے اسباب کا لحاظ نہ کیا جائے جن کا ذکر "اسپرٹ ڈی لوی" میں ہوا ہے لیکن ان کی تعداد اور ان کی قوت کے متعلق جو رائے مان ٹسکی نے قائم کی وہ افراط سے خالی نہیں۔ بہت سے ایسے بے قاعدہ امور (Anomalies) کے متعلق جنھیں وہ بار بار پیش کرتا ہے، یہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ غلط اطلاع یا غیر صحیح تعبیر پر مبنی ہیں، اور اس کے بعد جو کچھ باقی رہ جاتے ہیں ان میں سے اکثر انسان کی فطرت کے تغیر سے زیادہ اس کی استقامت کو ثابت کرنے والے ہیں کیونکہ وہ قوم کے ان قدیم حالات کی یادگار ہیں جو نہایت سختی کے ساتھ ان اثرات کا مقابلہ کرتے رہے ہیں جو دوسرے مقامات میں موثر ثابت ہوچکے ہیں۔ حق یہ ہے کہ انسان کی دماغی، اخلاقی، اور جسمانی ترکیب کا قائم رہنے والا جزو ہی اس کا جزو اعظم ہے، اور جو مقابلہ وہ تغیرات کی قبولیت سے کرتا ہے وہ ایسا ہے کہ اگرچہ دنیا کے بعض حصوں میں انسانی تمدن کے تغیرات نمایاں طور سے نظر آتے ہیں لیکن وہ ایسے سریع اور ایسے وسیع نہیں ہوتے کہ ان کی مقدار، نوعیت، اور ان کا عام رجحان دریافت نہ ہوسکتا ہو۔ ہمارے موجودہ علم کے ذریعہ سے ہمیں ان کا تقریباً صحیح اندازہ ہوجانا کافی ہے۔ یہ خیال کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ وہ اس قدر دور یا یوں کہو کہ وہ اس قدر آیندہ اصلاح کے محتاج ہیں کہ وہ بالکل بیکار اور غیر مفید ہوجاتے ہیں۔ دوسری رائے جس کا ذکر ہوا وہ بنتھم کی تاریخی رائے ہے۔ یہ رائے جو بہت ہی مبہم طریقہ سے بلکہ یوں کہو کہ ڈر ڈر کر بنتھم کی تصانیف کے مختلف حصوں میں پیش کی گئی ہے، قانون کے تصور کے اُس تجزیہ سے بالکل جدا ہے جو اس نے اپنی کتاب موسومہ

"فریگمینٹ اون گورنمنٹ" (Fragment on Govt.) میں شروع کی تھی، اور جس کو حال میں مسٹر جان آسٹن نے تمام کیا ہے۔ اگر قانون ایک مخصوص نوعیت کا حکم قرار دیا جائے جو خاص حالات میں صادر ہوتا ہے، تو اس سے بجز اس کے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کہ ایک سخت لفظی مشکل دفع ہوجاتی ہے، مگر اس سے تمام مسئلہ کی توضیح اور تشریح نہیں ہوتی، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے کس مقصد سے یہ احکام اپنے اوپر عائد کئے تھے، اور ایک حکم کا دوسرے حکم سے کیا تعلق ہے، اور وہ کس طرح سابق اور منسوخ شدہ احکام پر منحصر تھے؟ بنتھم کا مجوزہ جواب یہ ہے کہ جماعتیں تبدیل ہوتی ہیں، اور اپنی عام آسانیوں کے مدنظر اپنے قوانین کو بدلتی رہتی ہیں۔ اس جواب کی نسبت یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ غلط ہے، مگر اتنا یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نتیجہ خیز نہیں متصور ہوسکتا۔ کیونکہ تبدیل قاعدہ کے وقت جو ایک جماعت یا اس کے حکمراں فرقہ کے نزدیک موجب آسانی معلوم ہوتا ہے، وہی یقیناً اس کا مقصد ہوتا ہے، خواہ وہ کچھ ہو، اور یہی بروقتِ تبدیل اس کے پیش نظر رہتا ہے۔ آسانی اور انتہائی سودمندی اسی تحریک کے مختلف نام ہیں جو تبدیل کی محرک ہوتی ہے۔ اور جب ہم آسانی کو قانون یا رائے میں تبدیلی کی وجہ قرار دیتے ہیں، تو جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہم ایک صریح اصطلاح کی جگہ ایک ایسی اصطلاح قائم کردیتے ہیں جس کا مفہوم لازمی طور سے اس بیان میں شامل ہے کہ تبدیلی عمل میں آئی۔

اصول قانون کے متعلق جو رائیں اس وقت قائم ہیں ان کی صحت کے متعلق بیحد بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے، اور یہ یقین وثوق کے ساتھ ذہن نشین ہے کہ ان سے وہ مسئلہ قطعاً حل نہیں ہوتا جس کے حل کرنے کا وہ دعوےٰ کرتی ہیں، اور یہ شبہ قوی ہوتا جاتا ہے کہ مصنفین نے تحقیقات کا کوئی ایسا راستہ کامل طور سے اختیار نہیں کیا، یا اس راستہ پر قدم ہی نہیں اٹھایا جو نتیجہ خیز ثابت ہو۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ان تمام آرا میں، بجز غالباً مانٹسکی کی رائے کے، ایک بڑی فروگذاشت موجود ہے۔ یعنی وہ مطلق اس کا اظہار نہیں کرتیں کہ جس وقت ایک خاص قانون معرض ظہور میں آیا اس سے پیشتر

کیا قانون فی الحقیقت رائج تھا۔ یہ اصحاب رائے اپنے زمانہ کے آئین اور تہذیب اور نیز اُس زمانہ کے آئین اور تہذیب پر جن کے ساتھ اُن کو ایک درجہ تک باغی مناسبت ہوتی ہے کامل توجہ کرتے ہیں، مگر جب وہ اس قدیم سوسائٹی کی حالت پر غور کرنا شروع کرتے ہیں جو بظاہر ان کے زمانہ کی حالت سے بالکل مختلف تھی تو وہ بجائے غور و فکر کے قیاس سے کام لینا شروع کردیتے ہیں۔ ان کی غلطی بعینہٖ ایسی غلطی ہے جیسے کوئی شخص مادی دنیا کے قواعد کی دریافت میں بجائے ان سادہ ذرات سے شروع کرنے کے جس سے وہ مرکب ہے، مادی دنیا کی موجودہ کلیہ ہئیت پر غور کرنا شروع کرے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اصولی غلطی جب دوسرے فنون میں جائز نہیں تو اصول قانون کے فن میں کیوں قابل معافی سمجھی جائے۔ اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ ابتدائی حالت کے لحاظ سے تمدن کی جو شکل سادہ سے سادہ ہوسکتی ہو وہاں سے تحقیقات شروع کی جائے؛ یا یوں کہو کہ اگر وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو ایسی تحقیقات میں اختیار کیا جاتا ہے، تو ہم کو ابتدائی جماعت کی حالت کی تاریخ جہاں تک ممکن ہے معلوم ہوجائے گی۔ جو منظر ابتدائی جماعتیں پیش کرتی ہیں اُن کا سرسری نظر میں سمجھنا مشکل معلوم ہوتا ہے، مگر ان پر حاوی ہونے میں اس قدر دقتیں نہیں ہوتیں جتنی موجودہ زمانہ کے پیچ در پیچ تمدن کی گتھیاں سلجھانے میں پیش آتی ہیں۔ یہ مشکلیں تعداد اور پیچیدگی کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان کی ناہمواری اور غیر مانوسی کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔ جب ان پر موجودہ زمانہ کے لحاظ سے نظر ڈالی جاتی ہے تو حیرت اور تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی، مگر اس حالت کے رفع ہوجانے کے بعد وہ بہت مختصر اور بہت آسان نظر آنے لگتی ہیں۔ اگر ان کے حل کرنے میں اس سے بہت زیادہ مشکلیں پیش آتیں جتنی حقیقت میں پیش آتی ہیں، تب بھی ان بنیادوں کی دریافت میں جن پر یقینی طور سے ہمارے موجودہ زمانہ کی ہر اخلاقی روک تھام، اور ہمارے افعال کی ہدایت، اور ہمارے طرز عمل کی عمارت، قائم ہے وہ محنت ضائع نہیں سمجھی جاسکتی تھی۔

تمدنی حالت کے ابتدائی مراتب کا جو کچھ علم ہم کو ہے اس کے حصول کے

ذرائع تین قسم کے ہیں، اُن معاصرین کا بیان جنھوں نے اس تہذیب کو بغور معائنہ کیا ہے جو خود ان کی تہذیب سے کم مرتبہ تھی، یا وہ نوشتہ جات جو مخصوص قومیں اپنی قدیم تاریخ کے متعلق چھوڑ گئی ہیں، یا قدیم قوانین۔ پہلی قسم کی شہادت ایسی شہادت ہے جس کی نسبت سب سے بہتر ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ چونکہ قومیں ایکساتھ نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے ترقی کرتی ہیں اس لئے ایسے لوگوں کو جو باضابطہ معائنہ اور غور و فکر کرنے کے عادی تھے انسان کی ابتدائی حالت پر غور کرنے اور اسے معرض بیان میں لانے کا موقعہ ملا۔ ٹیسی ٹس (Tacitus) نے اس قسم کے موقعہ سے پورا فائدہ اٹھایا، مگر جرمنی نے، دوسری قدیم مستند اور مشہور کتابوں کے خلاف، اس مصنف کی اتباع کرنے کی دوسرے لوگوں کو ترغیب نہیں دلائی۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ اس قسم کی شہادت جو ہمارے سامنے پیش ہے بہت تھوڑی اور مختصر ہے۔ وہ نفرت اور حقارت جس کی بنا پر ایک مہذب اور ترقی یافتہ قوم کا شخص اپنے وحشی پڑوسی کو دیکھتا ہے اس معاملہ میں کافی طور سے غور و فکر کئے جانے کی مانع اور مزاحم رہی ہے۔ اور اس بے پروائی میں، بعض اوقات، خوف، مذہبی تعصب، اور خود تہذیب اور بربریت کے مفہوم نے (جن سے بعض اشخاص کے ذہن میں ان دونوں حالتوں میں نہ صرف مقدار بلکہ جنس کا اختلاف ظاہر ہوتا ہے) اور اضافہ کر دیا ہے۔ بعض مبصرین کے خیال میں خود جرمنی نے مقابلہ اور عبارت آرائی کے جوش میں عنان صداقت کو ہاتھ سے نکل جانے دیا ہے۔ دوسری تاریخیں بھی جو ان لوگوں کے کتب خانوں سے ہمیں دستیاب ہوئی ہیں جن کی ابتدائی حالت ان میں بیان ہوئی ہے قومی فخر یا عہد جدید کے مذہبی خیالات کی بنا پر مسخ شدہ متصور ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ان تمام شبہات سے، خواہ وہ معقول ہوں یا نامعقول، ایک بڑے درجہ تک قدیم قوانین بری ہیں۔ قدیم قوانین کا بڑا حصہ جو ہم تک پہنچا ہے اسی بنا پر محفوظ رکھا گیا کہ وہ قدیم ہے۔ جو لوگ ان پر عامل اور کاربند تھے وہ اُس کے سمجھنے کے مدعی نہ تھے، اور بعض صورتوں میں ان پر ہنستے اور ان کی تحقیر بھی کرتے تھے۔ ان کے پاس ان قوانین کی کوئی تاریخ بجز اس کے نہ تھی کہ وہ ان کے آبا و اجداد کے وقت سے

چلا آتا ہے۔ پس اگر ہم اپنی توجہ انھیں قدیم آئین کے اجزا تک محدود رکھیں جن میں ردوبدل کا بطرز معقول بہت کم شبہ ہوسکتا ہے، تو ہمیں اس جماعت کے تمدنی خصوصیات کا تصور، جس کا تعلق ابتدآ ان قوانین سے تھا، بہ آسانی اور صاف طریقہ سے ہوسکتا ہے۔ مزید براں ہم اپنے اس علم کو ان نظامہائے قوانین کے متعلق کام میں لاسکتے ہیں جن کی صداقت مجموعہ قوانین منو کی طرح مشتبہ ہے، اور جو حل ہمارے ہاتھ آگیا ہے اس سے ان اجزا کو شناخت کرسکتے ہیں جو فی الحقیقت قدیم ہیں، اور ان اجزا کو علحدہ کرسکتے ہیں جو مولفین کے تعصب، ذاتی مقاصد یا لاعلمی کی وجہ سے اس میں شریک کردیے گئے ہیں۔ اس کے تسلیم کرنے میں غالباً کوئی دقت نہ ہو، کہ اگر اس عمل کے لیے کافی مواد مل جائے اور اس کا مقابلہ احتیاط کے ساتھ کیا جائے تو عمل مذکور اسی عمل کی طرح ناقابل اعتراض ہوگا جس سے متقابلہ علم اللسان میں کام لیا گیا ہے، اور جس سے اس قدر حیرت انگیز نتائج حاصل ہوئے ہیں۔

جو شہادت اصول قوانین متقابلہ (Comparative Jurisprudence) سے دستیاب ہوئی اس سے نوع انسان کی اس ابتدائی حالت کا پتہ چلتا ہے جو بزرگ خاندان کی حکومت کے مسئلہ (Patriarchal Theory) کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ اس اصول کی بنیاد ابتداءً ان عبرانی بزرگوں کی مذہبی تاریخ پر قائم ہے جو جنوبی ایشیا میں رہتے تھے۔ یہ مذہبی تعلق، جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اس کے بطور کامل اصول کے تسلیم کیے جانے میں ایک حد تک حارج رہا، کیونکہ ان محققین کا بڑا حصہ جو زمانۂ حال تک اس امر میں بیحد کوشاں تھا کہ تمدنی مسئلہ کو ایک اجتماعی صورت میں لاکر پیش کرے، یا تو عبرانی روایات کے سخت مخالف تھا یا اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے مجوزہ نظام میں مذہبی تواریخ سے مطلق مدد نہ لے۔ غالباً اس وقت بھی ان بیانات کو وقعت سے نہ دیکھنے کی طرف رجحان ہے، یا اس بنا پر کہ وہ سامی قوموں کی روایتیں ہیں ان سے عام نتائج پیدا کرنے سے انکار کیا جاتا ہے۔ بہرحال یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جو قانونی شہادت اس بارے میں قبول کی جاتی

ہے وہ صرف انھیں جماعتوں کے آئین سے لی جاتی ہے جن کا تعلق ہندی یورپی خاندان سے ہے، اس کا بڑا حصہ رومی، ہندو، اور اسکلاوی نین مہیا کرتے ہیں۔ تحقیقات کے اس مرتبہ میں جو مشکل پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں کس مقام پر پہنچکر ٹھیر جانا چاہیئے تاکہ ہم یہ تعین کرسکیں کہ اس وقت کون سے تمدن ایسے ہیں جن کی نسبت یہ کہنا جائز نہیں ہوسکتا کہ وہ ابتدائی حالت میں بزرگان خاندان کی حکومت میں نھے۔ توریت کے باب پیدائش سے ایسے تمدنوں کی جن خصوصیا کا پتہ چلتا ہے انھیں بہ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ اس سے اپنے بچپن سے واقف ہیں، اور نیز اس وجہ سے کہ اس بارہ میں جو مباحثہ لاک اور فلمر میں ہوا، اس سے بیحد دلچسپی لی گئی اور اس سے انگریزی علم ادب میں کثیر مواد مہیا ہوگیا ہے، گو کہ وہ زیادہ کارآمد نہیں ہے۔ جو امور صاف طور سے تاریخ بتارہی ہے وہ یہ ہیں کہ سلسلہ پدری میں بزرگ تر اور اولاد ذکور میں سب سے بڑا شخص اپنے خاندان میں کامل مختار اور فرماں روا ہے۔ اس کی حکومت زندگی اور موت پر حاوی ہے، اور اسے اپنے بیٹوں اور ان کے خاندان کے لوگوں پر بھی وہی آزادانہ اختیارات حاصل ہیں جو اسے اپنے غلاموں پر حاصل ہیں! فرزندوں اور غلاموں میں جو کچھ فرق ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ فرزند میں بربنائے عصبیت اس بات کی قابلیت موجود ہوتی ہے کہ وہ ایک دن خود بزرگ خاندان کے مرتبہ کو پہنچ جائے۔ فرزندوں کے بھیڑ بکریوں وغیرہ کے گلے باپ کے ہیں اور باپ کی جو جائداد ہے، اور جس پر وہ نہ بحیثیت مالک بلکہ بہ حیثیت ایک مختار کے قابض ہے، اس کے مرنے کے بعد اس کی طبقہ اول کی اولاد میں مساوی طور سے تقسیم ہوجاتی ہے۔ بعض اوقات سب سے بڑا لڑکا بنام حق پیدائش دوہرا حصہ پاتا ہے، مگر عام طور سے بجز اعزازی تقدم کے کسی مزید میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔ توریت کے بیانات ہی ہیں جن سے ہمیں والدین کی حکومت میں پہلی مرتبہ نقص واقع ہونے کا حال بھی مبہم طور سے معلوم ہوتا ہے۔ یعقوب اور یسع کے خاندان جدا ہوکر دو قومیں ہوجاتے ہیں، مگر آل یعقوب مجموع رہتی اور ایک قوم بن جاتی

ہے۔ یہ بظاہر ایک ریاست یا جمہوری حکومت کا غیر مکمل خاکہ ہے جس کے حقوق خاندانی حقوق سے اعلیٰ اور بلند تر نظر آتے ہیں۔

اگر خاص قانونی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر مختصر طور سے اس مخصوص حالت کے اظہار کی کوشش کی جائے، جس میں آغاز تاریخ کے وقت انسان ظاہر ہوتا ہے، تو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ ہومر کی اوڈیسی سے چند اشعار لے کر یہاں درج کر دئیے جائیں۔ "نہ ان کے یہاں مشورت کی مجلسیں ہیں اور نہ الہامی تجاویز، ہر شخص اپنے بیوی بچوں پر حکمراں ہے اور وہ لوگ ایک دوسرے کا مطلق خیال نہیں کرتے۔"

یہ اشعار فرقہ سکلاپ کے متعلق ہیں، اور یہ کہنا شاید محض وہم نہ تصور کیا جائے کہ فرقہ سکلاپ ہومر کے کلام میں ملک غیر کے غیر ترقی یافتہ باشندوں کا نمونہ ہے۔ اور ابتدائی قومیں، جب کسی ایسی قوم سے جو عادات اور اطوار میں ان سے بالکل جدا اور مختلف ہوتی ہیں، اظہار نفرت اور حقارت کرتی ہیں تو عام طور سے ان کو عجیب المخلوقات، مثلاً جنوں (یا جیسا کہ مشرقی دیو بانیوں میں ہوتا ہے) دیووں سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہر حال واقعہ خواہ کچھ ہو، قدیم قانونی اشارات کا جو خلاصہ ہے وہ ان اشعار میں موجود ہے۔ انسان ابتدا میں جدا جدا گروہوں میں منقسم نظر آتے ہیں جنھیں والدین کی اطاعت کا صرف ایک سلسلہ باہم ملائے ہوئے ہوتا ہے۔ والدین کا حکم ہی قانون ہے، مگر اس کو ابھی تک اس الہامی تجویز کا مرتبہ نہیں حاصل ہوا ہے جسے ہم اس کتاب کی پہلی فصل میں بیان کر آئے ہیں۔ جب ہم ان جماعتوں کے حالات پر جن میں یہ ابتدائی قانونی تصورات ایک درجہ تک قائم ہو چکے ہیں گہری نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ابھی تک ایک خود سر باپ کے احکام کی پُر اسرار اور خود سرانہ خصوصیات موجود ہیں۔ مگر چونکہ وہ ایک بادشاہ کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں اس لئے خاندانی گروہوں کے تعلقات کا ایک وسیع تر نظام فرض کر لینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد ہی جو سوال پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان تعلقات کی نوعیت کیا ہے، اور وہ کہاں تک یگانگت پر مشتمل ہیں؟ یہی وہ مقام ہے جہاں قدیم قوانین بہت زیادہ مفید ثابت

ہوتے ہیں، اور ان مشکلات کو حل کر دیتے ہیں جن میں صرف قیاس ہی کچھ کام دے سکتا تھا۔ یہ قوانین اپنے ہر شعبہ میں صاف طور سے بتا رہے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں سوسائٹی صرف افراد ہی کا مجموعہ نہ تھی، جیسا کہ فی زماننا تسلیم کر لیا گیا ہے، بلکہ بلحاظ ان افراد کے جو اس میں شریک تھے خاندانوں کا ایک مجموعہ سمجھی جاتی تھی۔ اس کا فرق اگر یوں کہا جائے تو زیادہ تر صاف ہوا جاتا ہے کہ قدیم سوسائٹی کا ایک فرد (Unit) ایک خاندان متصور ہوتا تھا، اور اس زمانہ کی سوسائٹی کا ایک فرد ایک انسان سمجھا جاتا ہے۔ اس امتیاز کے نتائج قدیم قانون میں ہمیں صاف طور سے نظر آئیں گے۔ قدیم قوانین کی ترتیب اس طرح پر ہوئی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی خود مختار جماعتوں کے نظام سے مطابقت اور مناسبت رکھتے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ مختصر ہیں، ان کا تکملہ ان خود مختارانہ احکام سے ہو جاتا ہے جو خاندان کے بزرگوں کی طرف سے صادر ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں پابندی رسوم کی بھی یہی وجہ ہے کہ جن معاملات کا ان کے ذریعہ سے تصفیہ ہوتا تھا انھیں بہ نسبت ان انفرادی معاملات کے جو ایک فرقہ کے دو اشخاص میں روزمرہ پیش آتے رہتے ہیں بین الاقوامی معاملات سے زیادہ تر مشابہت ہے۔ بہر حال ان میں ایک مخصوص کیفیت تھی جس کے فوائد سے اس موقع پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ وہ جس طرح زندگی پر نظر ڈالتے ہیں وہ ترقی یافتہ اصول قانون کی نظر سے بالکل جدا ہے۔ جماعتیں (Corporations) کبھی فنا نہیں ہوتیں اور اسی بنا پر قدیم قوانین ان غیر فانی اشیا یعنی بزرگانہ حکومت، خاندانی گروہوں، اور قبیلوں سے جو ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں بحث کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں اخلاقی اوصاف کے متعلق بھی کچھ اسی سے ملتا جلتا خیال تھا۔ شخصی اخلاقی حالت خواہ وہ اچھی ہو یا بری، اس قبیلہ اور گروہ کی اخلاقی حالت کے ماتحت یا اس کا جزو سمجھی جاتی تھی جس سے اس شخص کا تعلق ہوتا تھا۔ اگر کوئی فرقہ کسی جرم کا ارتکاب کرتا تھا، تو اس کا جرم اس کے ارکان کے مجموعی جرائم سے زیادہ تر سمجھا جاتا تھا۔ جرم ایک متعدد فعل تھا اور اس کے اثرات سے اس سے بہت زیادہ لوگ متاثر ہوتے تھے جو فی الحقیقت اس کے ارتکاب میں شریک

ہوتے تھے۔ اگر ایک شخص صریحاً مجرم ہوتا تھا تو اس کی اولاد، اس کے رشتہ داروں، اور ہموطنوں کو اس کے ساتھ اور بعض اوقات اس کے لئے مصیبت اٹھانی پڑتی تھی۔ اِس طور سے اخلاقی ذمہ داری اور اس کی سزا ہی کا تصور، عام طور سے قدیم زمانہ میں ترقی یافتہ زمانہ سے، زیادہ تر قوی نظر آتا ہے۔ اور چونکہ قبیلے غیر فانی اور ان کی ذمہ داریاں غیر محدود تھیں اس لئے قدیم لوگوں کو وہ پریشانیاں لاحق نہیں ہوتی تھیں جو اس وقت سے ہونے لگی ہیں، جب سے انسان منفرد اور قبیلہ سے جدا سمجھا جانے لگا ہے۔ اس قدیم اور سادے خیال سے زمانہ مابعد کی مذہبی اور طبعی توضیح اور تشریح تک پہنچنے کے لئے ایک درمیانی منزل "موروثی لعن" (Inherited Curse) کی طے کرنی پڑتی ہے جو قدیم یونانیوں کا قائم کردہ خیال ہے۔ اصل مجرم اپنی اولاد کے لئے جو کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ سزا کی ذمہ داری نہیں، بلکہ جدید جرائم کے ارتکاب کا مادہ ہے، جس کیساتھ انکی مناسب سزائیں لگی ہوئی ہیں، اور اس طور سے قبیلہ کی ذمہ داری کے خیال نے اس جدید خیال کے ساتھ کہ جرائم کے نتائج اصل مجرم کی ذات تک محدود رہنے چاہئیں ایک گونہ مطابقت پیدا کرلی ہے۔

اگر توریت کی اس مثال سے جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں عام نتیجہ نکالکر یہ فرض کرلیا جائے کہ جب ایک بزرگ خاندان کے فوت ہوجانے کے بعد ایک خاندان کے ارکان بجائے متفرق ہوجانے کے یکجا قائم رہے، اور اس طور سے قبیلوں کی بنیاد قائم ہوگئی تو یہ سوسائٹی کے ابتدا کی نہایت آسان تشریح ہوگی۔ روما اور اکثر یونانی ریاستوں میں ایک عرصۂ دراز تک ان گروہوں کے آثار نظر آتے رہے جو بلحاظ مرتبہ کے ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے تھے، اور جن سے ریاست ابتداءً مرکب تھی۔ اہل روما کے خاندان، قبیلے، اور قومیں اُن کی بہترین مثالیں ہیں، اور اُن کا بیان ہم سے اس طرح کیا گیا ہے کہ ہم اس سے بہتر کچھ نہیں تصور کرسکتے کہ وہ ایسے دائرے ہیں جو بتدریج بڑھتے گئے ہیں، مگر ان کا مرکز ایک ہی ہے۔ ابتدائی گروہ خاندان ہے، جو خاندان کے بزرگ تر مرد کے زیر حکم ہونے کی وجہ سے مشترک ہوتا تھا۔ خاندانوں کے مجموعہ سے

قبیلہ، اور قبیلوں کے مجموعے سے قوم قائم ہوتی ہے، اور قوموں کا مجموعہ جمہوری ریاست ہے۔ کیا ہم اس کے مجاز ہیں کہ ان اشارات سے استنباط کرکے یہ قرار دیں کہ جمہوری ریاست ان لوگوں کا مجموعہ ہے جو ایک ابتدائی خاندان کے جداعلیٰ کی اولاد میں ہونے کی بنا پر باہم پیوستہ ہیں۔ اتنا یقینی ہے کہ تمام قدیم سوسائٹیاں یہ تصور کرتی ہیں کہ وہ ایک ہی شخص کی اولاد سے ہیں، اور اس کے سوائے ان کے ذہن میں کوئی دوسری وجہ ایک سیاسی اتحاد کے تحت میں رہنے کی نہیں آتی تھی۔ سیاسی خیالات کی تاریخ فی الحقیقت اس مفروضہ سے شروع ہوتی ہے کہ ایک جماعت کے سیاسی عمل کی بنیاد محض رشتہ داری اور قرابت ہے، اور جب اُس میں کوئی دوسرا اصول، مثلاً مقامی قربت یا جوار، پہلی مرتبہ داخل ہوکر مشترکہ سیاسی عمل کی بنیاد قرار پاتا ہے تو خیالات میں ایک ایسا تغیر واقع ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں ان تغیرات کی جنھیں ہم انقلاب عظیم کے نام سے موسوم کرتے ہیں کوئی ہستی نہیں رہتی۔ اس لئے ابتدائی جمہوری ریاستوں کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کے باشندے ان تمام گروہوں کو جن کے رُکن ہونے کا انھیں دعوے ہوتا تھا ایک مشترکہ نسل میں سمجھتے تھے۔ جو امر ایک خاندان کے متعلق ظاہری طور سے صحیح تھا وہ پہلے قبیلہ پھر قوم اور بعدہٗ ریاست کے متعلق بھی باور کیا جانے لگا۔ باوجود اس یقین، یا یوں کہو کہ اس اصول کے (اگر ایسا کہنا جائز ہو) ہر جماعت میں ایسے وثائق اور روایات موجود رہے جن سے ثابت ہوتا رہا کہ ابتدائی مفروضہ غلط تھا۔ خواہ یونانی ریاستوں پر نظر ڈالئے، خواہ روما نیہ یا ڈِتمارشن کی ٹیوٹانی امارتوں پر، جن سے نیوبر نے بکثرت عمدہ مثالیں منتخب کرکے پیش کی ہیں، یا کلٹ کے مجموعی قبائل، یا اسکلاونیا کے روسی اور پولون کے عجیب تمدن پر، جس کی طرف حال ہی میں توجہ مبذول ہوئی ہے، ہر ایک کی تاریخ میں ہمیں ایسے آثار اور علامات ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر نسل کے لوگ ان لوگوں میں آکر داخل ہوئے اور ابتدائی برادری کے ایک جزو ہوگئے۔ اگر صرف روما ہی کو لیا جائے تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ ابتدائی گروہ یعنی خاندان

میں تبنیت کی بنا پر متواتر اختلاط ہوتا رہتا تھا، اور ابتدائی قوم کی ایک شاخ کی نسبت مشہور تھا کہ وہ بیرونی نسل سے ہے، اسی طرح یہ بھی کہا جاتا تھا کہ قدیم بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے خاندانوں میں دوسرے لوگوں کو شامل کرکے ان میں بہت اضافہ کردیا تھا۔ ریاست کی ترکیب باوجود ہمیشہ فطری فرض کئے جانے کے معلوم تھا کہ ایک بڑی حد تک مصنوعی ہے۔ اس یقینی اصول، اور مشہور واقعات میں جو اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے وہ سرسری طور سے بیحد تعجب انگیز ہے، مگر اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سوسائٹی کے ابتدائی زمانہ میں قانونی مفروضات کا عمل کسی قدر مضبوطی کے ساتھ جاری تھا۔ ان مفروضات میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ کام میں لایا جانے والا وہ مفروضہ تھا جس کے ذریعہ سے مصنوعی طور سے خاندانی تعلقات پیدا ہوسکتے تھے، اور جس کا میرے خیال میں نوع انسان کو سب سے زیادہ مشکور ہونا چاہئے۔ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ دنیا کے ابتدائی گروہوں میں سے کوئی ایک گروہ، خواہ اس کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہوتی، دوسرے گروہ کو اپنے آپ میں ملا سکتا تھا، یا بجز اس صورت کے کہ ایک گروہ کامل طور سے غالب اور دوسرا کلیتاً مغلوب ہوجاتا دو گروہ باہم کس طرح مل سکتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ خیالات کے ساتھ جب ہم مختلف خودمختار جماعتوں کے اتفاق اور ایک ہوجانے پر غور کرتے ہیں تو اس کی عمل آوری کے سینکڑوں ذرائع سمجھ میں آتے ہیں، سب سے آسان یہ ہے کہ مرکب گروہ کے لوگ قربت مقامی کے لحاظ سے متفق الرائے اور متفق العمل ہوں گے، مگر یہ خیال، کہ کچھ لوگ ملکی حقوق سے مشترکہ طور سے محض اس بنا پر مستفید ہوں کہ وہ اتفاقی طور سے ایک محدود قطعۂ ملک میں آباد ہوگئے ہیں قدما کے خیال سے بہت بعید اور ان کے دماغ سے بالکل غیرمانوس تھا۔ اس زمانہ کی چلتی ہوئی چال یہ تھی کہ داخل ہونے والی قوم اس بات کا ادعا کرتی تھی کہ وہ اس قوم کی ہم نسل ہے جس سے وہ آکر ملی ہے؛ یہ مفروضہ کس طرح صداقت کا مرتبہ حاصل کرکے قابل تسلیم ہوجاتا تھا وہ امر ہے جس کے سمجھنے کی اس وقت

ہم امید نہیں کر سکتے۔ البتہ ایک واقعہ جو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے یہ ہے کہ جو لوگ مختلف سیاسی گروہوں کے رکن ہوتے تھے وہ خاص خاص اوقات میں اپنے باہمی تعلقات کو مشترکہ قربانیوں کے ذریعہ سے مضبوط اور موثق کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہونے کے عادی تھے۔ ان اغیار کو جو برادری میں داخل ہو جاتے تھے ان قربانیوں میں شرکت کی اجازت تھی، اور اس مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد ان کا شریک نسل تسلیم کر لیا جانا زیادہ دقت طلب نہ رہتا ہوگا۔ اس شہادت سے جو نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام ابتدائی سوسائٹیوں کی بنا محض مشترکہ نسل پر قائم نہ تھی، بلکہ وہ سو سائٹیاں جن میں ایک درجہ تک قیام اور مضبوطی تھی وہ فی الحقیقت ایک مورث کی نسل سے ہوتی تھیں یا ان کی نسبت ایسا فرض کر لیا جاتا تھا۔ ابتدائی گروہوں کو متفرق کر دینے کے بے شمار اسباب ہوسے ہوں گے، مگر جب اُن کے پراگندہ اجزا پھر یک جا ہوتے تھے تو ان کا اجتماع قرابت کے اصول یا نمونہ پر ہوتا تھا؛ اور خواہ واقعات کچھ ہوں، ان کے تمام خیالات، زبان، اور قانون اسی مفروضہ سے مطابقت پیدا کر لیتے تھے۔ اگرچہ میرے نزدیک یہ سب امور ان سوسائٹیوں کے متعلق ثابت ہیں جن کی تاریخ سے ہمیں واقفیت ہے، مگر ان کی بقیہ تاریخ سے قوی سے قوی قانونی مفروضات کی بے ثباتی اور ایک مدت کے بعد ان کے بے اثر ہو جانے کا پتہ چلتا ہے۔ ایک زمانہ ایسا آیا جب کہ یہ ریاستیں بہ قیاس غالب ایسی قوی ہو گئیں کہ بیرونی دباؤ کا کوئی اثر ان پر نہ پڑنے لگا تو انھوں نے فرضی توسیع قرابت کے سلسلہ کو یک قلم موقوف کر دیا۔ اور ایسی تمام صورتوں میں جن میں کسی وجہ سے کچھ ایسے لوگ آ کر ان کے گرد جمع ہو گئے جو ان کے ساتھ اشتراکِ نسل کا دعوےٰ نہ کر سکتے تھے تو ریاست کے اصلی باشندے طبقۂ امرا اور اعلیٰ میں شمار ہونے لگے۔ اور اس اصول کی سختی کے ساتھ پابندی نے کہ سیاسی حقوق بجز حقیقی یا فرضی قرابتی ذریعہ کے اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتے، ادنیٰ طبقہ کو ایک دوسرے اصول کا سبق پڑھایا، جو پہلے اصول سے زیادہ تر جاندار اور دیرپا ثابت ہوا۔ یہ اصول "مقامی اتصال" (Local Contiguity)

یا پڑوس کا تھا، جو اب ہر جگہ سیاسی معاملات میں شرکت کی ایک شرط سمجھا جاتا ہے۔ اس نے دفعتاً جدید سیاسی خیالات پیدا کر دئے اور چونکہ وہ خیالات خود ہمارے، ہمارے معاصرین، اور بڑے درجہ تک ہمارے بزرگوں کے تھے اس لئے قدیم اور مغلوب شدہ اصول کا سمجھنا ہمارے لئے اور زیادہ دشوار ہو گیا۔

پس قدیم سوسائٹی کا، ان تمام تبدیلیوں کے بعد جو اس میں ہو چکی تھیں، خاندان ایک نمونہ ہے، اگر یہاں لفظ خاندان کو زمانۂ موجودہ کے مفہوم میں نہ سمجھنا چاہئے۔ خاندان کے قدیم تصور کو پیش نظر لانے کے لئے ہمیں اپنے موجودہ تصور کو بہت کچھ بڑھانا اور بہت کچھ محدود کرنا پڑے گا۔ ہمیں خاندان کی نسبت یہ تصور کرنا چاہئے کہ وہ غیروں کو اپنے دائرہ میں لا کر اپنے آپ میں جذب کرتا اور خود حجم میں بڑھتا جاتا ہے؛ اور تبنیت کا مفروضہ حقیقی قرابت کے قائم کرنے میں اتنا موثر ہے کہ حقیقی اور اس مفروضہ قرابت میں بلحاظ قانون اور عام رائے کے مطلق تمیز نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اشتراک نسل کے اصول کی بنا پر خاندان میں آکر شریک ہوتے ہیں وہ عملی طور سے اپنے آبا و اجداد میں سے کسی ایک زندہ شخص کے احکام کے، خواہ وہ باپ ہو یا دادا یا پردادا، تابع اور مطیع رہتے ہیں۔ اس تصور میں بزرگ خاندان کی اطاعت ایسی ہی لازمی شئے ہے جیسا کہ حقیقی یا فرضی طور سے اس بزرگ خاندان کے صلب سے پیدا ہونا؛ اور اس لئے اگر کچھ لوگوں نے، خواہ وہ شرکت خون کی وجہ سے فی الحقیقت بھائی بندوں ہی میں کیوں نہ شریک ہوں، اپنے آپ کو بزرگ خاندان کی حکومت سے علیحدہ کر لیا ہے تو وہ قانون کے ابتدائی زمانہ میں یقیناً خاندان سے خارج متصور ہوں گے۔ ابتدائی "اصول قانون" کے زمانہ میں بھی پدرسری یا بزرگ خاندان کا محکوم گروہ ہے (یعنی موجودہ زمانہ کا خاندان جس میں ایک طرف قطع برید اور دوسری طرف اضافہ ہو گیا ہے) جو ہمیں ہر طرف نظر آتا ہے۔ یہ گروہ غالباً ریاست، قوم، اور قبیلہ سے قدیم تر ہے، اور

قوم اور قبیلہ کے خیالات محو ہوجانے، اور ترکیب ریاست میں قرابت کا دخل نہ باقی رہنے کے بعد بھی اوس کے علامات ذاتی قانون میں پائے جاتے ہیں۔ "اصول قانون" کا کوئی ایسا بڑا شعبہ نہیں ہے جہاں اس کا پتہ نہ چلتا ہو، اور میرے خیال میں اصول قانون کے اکثر اہم اور دیرپا خصوصیات کا منبع یہی گروہ ہے۔ قدیم ترین زمانہ کے قانون کی خصوصیات پر نظر کرکے ہمیں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ ابتداً قدیم قانون ان خاندانی گروہوں کو اسی نظر سے دیکھتا تھا جس سے اس وقت کے قوانین متعلقہ حقوق و فرائض مروجہ یورپ ایک منفرد انسان کو دیکھتے ہیں۔ دنیا میں اس وقت بھی ایسی جماعتیں اور سوسائٹیاں موجود ہیں جن کے قوانین اور مراسم کی بہ مشکل توضیح و تشریح ہوسکتی ہے جب تک یہ نہ فرض کرلیا جائے کہ وہ ابھی تک اس قدیم حالت سے باہر نہیں آئی ہیں۔ مگر بعض جماعتوں میں جو زیادہ تر خوش قسمت واقع ہوئی تھیں رفتہ رفتہ اس "اصول قانون" کی بنیاد منہدم ہوتی گئی، اور اگر ان منہدمہ حصوں کو بغور تمام دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ وہی حصے تھے جن پر خاندان کے قدیم تصور کا سب سے زیادہ اثر تھا۔ اس کی بہترین تمثیل قانون روما ہے، جس میں تبدیلی کی رفتار ایسی بطی تھی کہ ہم ہر عہد کی تبدیلیوں کا راستہ اور ان کا رخ دریافت کرسکتے ہیں اور اس آخری نتیجہ کا بھی ایک تصور قائم کرسکتے ہیں جس کی طرف یہ تبدیلیاں منتج ہورہی تھیں۔ اس دریافت میں ہمیں ان خیالی حدود پر نہ ٹھہرجانا چاہیئے جو موجودہ دنیا کو قدیم دنیا سے علٰحدہ کررہے ہیں۔ روما کے مہذب قانون میں ان قدیم وحشیانہ رسم و رواج کے اختلاط کا جو غلط طور سے "اصول جاگیرداری" کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں، ایک نتیجہ یہ تھا کہ قدیم "اصول قانون" کی اکثر خصوصیات جو روما کی دنیا سے نیست و نابود ہوچکی تھیں دوبارہ زندہ ہوگئیں، اور جس تباہی کی نسبت یہ سمجھا جاتا تھا کہ ختم ہوچکی وہ از سر نو شروع ہوگئی اور اب تک جاری ہے۔

قدیم زمانہ کی سوسائٹی کے خاندانی نظام کے نمایاں آثار اب بھی چند قانونی نظاموں میں پائے جاتے ہیں، یعنی والد یا کوئی دوسرا بزرگ اپنی

اولاد کی ذات اور جائداد پر دوامی اختیار رکھتا ہے اور ہم اسے بغرض آسانی اہل روما کے زمانہ مابعد کی اصطلاح "اختیار والدین" (Patria potestas) کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ نوع انسان کے ابتدائی تمدن کی کوئی خصوصیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق اس قدر کثیر شہادت موجود ہو، اور یہی ایسی خصوصیت ہے جو اس قدر عمومیت اور عجلت کے ساتھ ترقی کرنے والی قوموں سے مفقود ہوگئی ہے۔ گیئس جس کے تصنیفات کا زمانہ انٹونیوں کا عہد ہے لکھتا ہے کہ یہ نظام ممیز طور سے رومی ہے۔ یہ درست ہے کہ اگر اس نے دریائے رائن اور ڈینیوب کے پاران وحشی قوموں پر نظر ڈالی ہوتی جو اس کے معاصرین کو تعجب میں ڈال رہی تھیں تو اُسے بزرگ خاندان کے اختیار کی بدترین شکلوں کی بہت سی مثالیں مل جاتیں۔ مشرق بعید میں خود اسی خاندان کی ایک شاخ جس سے اہل روما تھے اختیار والدین کے مسئلہ کو سخت اصطلاحی قیود کے ساتھ عمل میں لارہی تھی۔ البتہ اُن قوموں میں جو حکومت روما کے ماتحت سمجھی جاتی تھیں گیئس کو کوئی ایسی قوم بجز ایشیائی گالوں کے نظر نہیں آئی جن میں کوئی ایسا آئین جاری ہو جو رومی "اختیار پدری" کے مشابہ ہو۔ میرے خیال میں اس کے وجوہ بہت صاف ہیں کہ کیوں اکثر ترقی یافتہ جماعتوں میں براہ راست جد اعلیٰ کا تھوڑے ہی عرصہ میں وہ زور و شور نہ رہا جو ابتدائی حالت میں تھا۔ وحشیوں میں اولاد کا اپنے والدین کے احکام کا اتباع کرنا یقیناً ایک قدرتی فعل ہے۔ اس کی تشریح میں یہ کہنا کہ اس کی بنا محض فوائد پر قائم ہے ایک فضول بات ہوگی۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ امر بھی یقینی ہے کہ اگر اولاد کا والدین کے احکام کو ماننا فطری ہے تو یہ بھی فطری ہے کہ وہ اپنے والدین کو بلحاظ قوت اور عقل کے اپنے آپ سے قوی اور بالاتر سمجھیں۔ اس لئے جب سوسائٹی کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں جسمانی اور دماغی قوتیں بطور خاص قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، تو ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جن کا یہ رجحان ہوتا ہے کہ وہ والدین کی اطاعت کا عمل انھیں صورتوں تک محدود رکھیں جن میں شخص مطاع حقیقی طور سے ہوشیار

اور قوی ہیں۔ جب مرتب یونانی سوسائٹی پر ہماری پہلی نظر پڑتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معمر دانشمندی کی بنا پر "پدری اختیارات" ان لوگوں میں بھی باقی رہتے تھے جو جسمانی لحاظ سے ضعیف ہو جاتے تھے؛ لیکن اوڈیسی سے جو تعلقات یولیسیز اور لارٹیز کے ظاہر ہوتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فرزند میں غیر معمولی جرأت اور ہوشیاری موجود ہوتی تھی، تو باپ پیرانہ سالی میں خاندان کی سرداری سے سبکدوش کر دیا جاتا تھا۔ یونانی "اصول قانون" کی تکمیل کے زمانہ میں یہہ قاعدہ اُس عملدرآمد سے جس کا اشارہ ہومر کی نظم میں پایا جاتا ہے چند قدم اور آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور اگرچہ خاندانی وجوب کی سختی کے اکثر آثار باقی رہتے ہیں، مگر والدین کے راست اختیارات، جیسا کہ یورپ کے قوانین میں ہے، صرف اولاد کی نابالغی کے زمانہ، یا یوں کہو کہ اس زمانہ تک جب تک کہ ان کی دماغی اور جسمانی کمزوری تسلیم کی جاتی ہے، محدود ہو جاتے ہیں۔ قانون روما جو قدیم دستوروں میں صرف اسی قدر دست اندازی کرنے میں مشہور ہے جہاں تک کہ ریاست جمہوری کی ضرورتیں مجبور کریں، ان قدیم دستوروں اور ان فطری حدود کو جو میرے خیال میں آئین قدیم میں بھی مشروط تھے، قائم رکھتا ہے۔ کل ایسے معاملات زندگی میں، جن میں مجموعی قوم کو اولاد کی دانائی اور قوت سے استفادہ کی ضرورت ہوتی تھی، خواہ وہ مشاورت میں ہو یا مبارزت میں "فرزند زیر اختیار" ایسا ہی آزاد تھا جیسا کہ اس کا باپ۔ اہل روما کے اصول قانون کا یہ ایک اصول موضوعہ تھا کہ اختیار پدری قانون عام (Jus Publicum) پر حاوی نہیں ہے۔ شہر میں باپ بیٹے دونوں رائے دینے، اور میدان جنگ میں دوش بدوش کام کرنے کے مجاز تھے۔ میدان جنگ میں ممکن تھا کہ اعلیٰ افسر بیٹا ہو، اور باپ کو اس کے تحت کام کرنا پڑے، یا وہ مجسٹریٹ ہو اور وہ اپنے باپ کے معاہدات اور جرائم کا تصفیہ کر کے اسے سزا دے۔ مگر ان تمام تعلقات میں جو کہ ذاتی قانون سے پیدا ہوتے تھے، فرزند خاندانی خود مختارانہ حکومت کے ماتحت رہتا تھا اُس سختی کے لحاظ سے جو اس معاملہ میں آخر تک برتی جاتی رہی، اور اس بنا پر کہ یہ عمل مسلسل صدیوں تک جاری رہا، یہ قانونی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ

سمجھا جاتا ہے۔
رومیوں کے "اختیار پدری" کے اصول کو جو ہمارے لئے لازمی طور سے قدیم زمانہ کے والدین کے اختیارات کا ایک نمونہ ہے، مہذب زندگی کے آئین کی حیثیت سے سمجھنا خواہ وہ موثر ذات سمجھا جائے خواہ موثر مال، نہایت دشوار ہے۔ اس کی تاریخ کے جو صفحے گم ہوگئے ہیں وہ افسوس ہے کہ اس طرح گم ہوئے ہیں کہ ان کا پتہ چلنا سخت مشکل ہوگیا ہے۔ جس وقت سے ہماری اطلاع کا سلسلہ شروع ہوتا ہے والدین کو اپنی اولاد کی ذات پر موت اور زندگی کے اختیارات کا حاصل رہنا ظاہر ہوتا ہے، اور جب موت اور زندگی کے اختیارات ہوں تو ان کو غیر محدود جسمانی سزا دینے کا اختیار بدرجہ اولی حاصل ہوگا۔ والدین اپنی اولاد کی زندگی میں ہر طرح کی تبدیلی پیدا کردینے کے مجاز تھے وہ لڑکوں کے لئے زوجہ اور لڑکیوں کے لئے شوہر منتخب کرسکتے تھے؛ اور ان دونوں کو طلاق دلواسکتے تھے؛ اور بذریعہ تبنیت ان کو دوسرے خاندان میں منتقل بلکہ بیع کرنے کے بھی مجاز تھے۔ بعد کے شاہی زمانہ میں ہم ان سب اختیارات کے آثار پاتے ہیں، اگرچہ وہ بہت زیادہ محدود ہوگئے ہیں۔ خاندانی ارکان کو سزا دینے کے جو غیر محدود اختیارات تھے ان کی جگہ یہ اختیار حاصل ہوگیا کہ اگر والدین چاہیں تو اپنی اولاد کو سول مجسٹریٹ کے اجلاس پر سزا کے لئے پیش کردیں۔ جبریہ نکاح کردینے کا حق گھٹ کر صرف مشروط تنسیخ تک رہ گیا۔ فروخت کا حق قطعاً سلب کرلیا گیا۔ اور تبنیت جس کی اگلی قوت جسٹینین کے نظام قانونی میں آکر ٹوٹ گئی تھی بغیر متبنیٰ کی رضامندی کے عمل میں نہیں آسکتی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس طور سے ہم قریب قریب ان خیالات کے آجاتے ہیں جو زمانۂ حال میں رائج اور شائع ہیں۔ مگر ان دو بعید زمانوں کے درمیان میں ایک ایسا پردہ حائل ہے کہ ہم ان اسباب کے متعلق صرف قیاس سے کام لے سکتے ہیں جنھوں نے والدین کے اس اختیار کو بظاہر قابل برداشت طریقہ سے اتنے دن چلنے دیا۔ فرزندوں کو جو عملی اہم فرائض سلطنت کے انجام دینے پڑتے تھے وہ والدین کے اختیارات کے اگر قطعی ناسخ نہیں تو ہارج ضرور

ہوتے ہوں گے ۔ یہ ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایک عاقل اور بالغ شخص پر جو سرکاری معزز خدمت بھی رکھتا ہو والدین کی حکومت کا چلنا بغیر کسی بدنمائی کے دشوار ہوگیا ہوگا ۔ ممکن ہے کہ رومیوں کی ابتدائی تاریخ میں ایسی عملی آزادی کی مثالیں بہت کم ہوں مگر جب رومیوں کی جمہوری حکومتوں کی متواتر لڑائیاں شروع ہوگئیں اس وقت سے ایسی صورتیں اکثر پیش آنے لگی ہوں گی ۔ فوجی مجسٹریٹ اور معمولی سپاہی، جو ابتدائی لڑائیوں میں سال میں آٹھ مہینے میدان جنگ میں رہتے تھے، اور بعد کے زمانہ میں وہ عہدہ دار جس کے ہاتھ میں ایک صوبہ کا انتظام ہوتا تھا، اور وہ فوجیں جو وہاں متعین ہوتی تھیں ایسی حالت میں نہ تھیں کہ وہ عملی طور سے اپنے آپ کو ایک خود مختار آقا کا غلام تصور کریں آزادی کے یہ مواقع روز بروز ترقی کرتے چلے گئے ۔ میدان جنگ کی کامیابیوں نے ملکی فتوحات اور ملکی فتوحات نے قبضہ کا دروازہ کھول دیا، اور مفتوحہ ممالک میں بجائے مدامی افواج کی تعیناتی کے قوم کے لوگوں کے بسانے کا طریقہ جاری ہوگیا ۔ جو قدم آگے بڑھتا تھا اس میں اہل روما کو اپنا وطن چھوڑنے کی ضرورت زیادہ تر واقع ہوتی جاتی تھی، اور لاطینی قوم کے لوگوں پر، جو بجائے خود ناکافی ثابت ہورہی تھی، مزید بار پڑتا جاتا تھا ۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب سلطنت کے استقلال کی وجہ سے امن و امان کا سلسلہ دنیا میں قائم ہونا شروع ہوا اس وقت اختیار پدری میں کمی کردینے کی طرف نہایت زور کے ساتھ خیالات متوجہ ہوگئے تھے ۔ اس قدیم آئین کو پہلی مرتبہ جو صدمات پہنچے وہ ابتدائی قیصران روما کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، ٹراجن اور ہارڈرین کی بعض بعض دست اندازیوں نے اسبارہ میں مخصوص قوانین کے نفاذ کے لئے راستہ صاف کردیا تھا، اگرچہ ہم ان کے اجرا کی صحیح تاریخ کا تعین نہیں کرسکتے، مگر یہ مسلم ہے کہ ان کے ذریعہ سے باپوں کے اختیارات محدود ہوگئے تھے، اور ان اختیارات سے دست برداری کے لئے ہر طرح کی آسانیاں پیدا کردی گئی تھیں ۔ اس قدیم عملدرآمد سے کہ اولاد کو تین بار فروخت کردینے کے بعد باپ کا حق زائل ہوجاتا تھا اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اس قدیم زمانہ

میں بھی اختیار پدری کو زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی ۔ یہ قاعدہ کہ تین بار فروخت ہونے کے بعد بیٹا آزاد ہوجاتا ہے بظاہر اس غرض سے بنایا گیا تھا کہ یہ دستور ناجائز اور قابل سزا متصور ہو جو ابتدائی رومیوں کی ناکمل اخلاقی حالت میں بھی بدنما سمجھا جاتا تھا ۔ بارہ الواح کی اشاعت کے قبل بھی مقننین نے دانشمندانہ طریقہ سے اس قاعدہ کو والدین کے اختیارات کے زائل کردینے کا ایک آلہ بنالیا تھا خصوصاً ایسی صورتوں کے لئے جن میں خود باپ اس سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا ۔

اولاد کی ذات پر جو اختیارات باپ کو حاصل تھے ان کی سختی کم کرنے میں جو جو اسباب مدد کررہے تھے ان کا پتہ تاریخ سے نہیں چل سکتا ۔ ہم نہیں بتاسکتے کہ جو اختیار قانون نے دیا تھا اس کو عام رائے نے کہاں تک کمزور کردیا تھا ، یا فطری محبت نے کہاں تک اس کو قابل برداشت کررکھا تھا ۔ گو اولاد کی ذات پر جو اختیارات تھے وہ آخر میں برائے نام رہ گئے ہوں ، مگر رومیوں کا وہ ” اصول قانون “ جو اس وقت تک موجود چلا آتا ہے صاف طور سے بتارہا ہے کہ باپ اپنے بیٹوں کی جائداد کے متعلق بلا تامل اور کامل طور سے وہ تمام اختیارات کام میں لاتے تھے جو انھیں قانون نے دیئے تھے جس زمانہ میں یہ اختیارات پہلی مرتبہ ہمارے پیش نظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں ان کی وسعت سے ہمیں مطلق تعجب نہیں ہوتا ۔ روما کے قدیم قانون میں ایسی اولاد جو والدین کے زیر اختیار ہو والدین سے جدا کسی جائداد کی مالک نہیں ہوسکتی تھی ، یا یوں کہو کہ قانون مذکور اس امکان کو تسلیم ہی نہیں کرتا تھا کہ اولاد کبھی کسی جداگانہ جائداد کی ملکیت کی دعویدار ہوسکتی ہے ۔ باپ اس کا مجاز تھا کہ وہ اولاد کی تمام مکسوبات لے لے ، اور اس کے تمام معاہدات سے ، بغیر اس کی بالمقابل ذمہ داریوں کے اٹھانے کے مستفید ہو ۔ رومیوں کے ابتدائی تمدن پر نظر کرکے یہ امر مطلق خلاف امید نہیں معلوم ہوتا ، کیونکہ ابتدائی خاندانی جماعت کا کوئی تصور ہی نہیں قائم ہوسکتا جب تک یہ نہ فرض کرلیا جائے کہ اس کے ارکان کی تمام آمدنی مشترک ہوتی تھی ، اور خاندان کا کوئی رکن اپنے ناعاقبت

اندیشانہ ذاتی معاہدہ کا بار خاندان پر نہیں ڈال سکتا تھا۔" اختیار پدری" کا معما یہیں ختم نہیں ہوجاتا۔ اس کے متعلق جو امر زیادہ تر تعجب انگیز ہے وہ یہ ہے کہ والدین کے ان مالکانہ اختیارات کے خاتمہ میں اس قدر تعویق کس طرح ہوئی اور نیز یہ کہ ان میں معقول کمی ہونے سے پہلے انھوں نے تمام مہذب دنیا پر کس طرح اپنا قبضہ کرلیا تھا۔ رومیوں میں پادشاہت قائم ہونے کے ابتدائی سالوں سے قبل اس دستور میں کسی قسم کی اصلاح کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اسی زمانہ میں ایسے سپاہیوں کی آمدنی جو میدان جنگ میں تھے " اختیار پدری" کے اثر سے خارج کردی گئی، گویا یہ منجملہ ان انعامات کے تھا جو فوج کو آزاد جمہوری حکومت کے توڑ دینے پر ملا تھا۔ اس سے تین سو سال کے بعد یہ قاعدۂ استثناء ان لوگوں کی آمدنی پر بھی حاوی کردیا گیا جو سلطنت کے ملکی خدمات پر مامور تھے۔ بظاہر یہ دونوں تبدیلیاں ایسی تھیں جن کا استعمال محدود تھا، اور ایسے اصطلاحی پیرایہ میں تجویز ہوئی تھیں کہ جہاں تک ممکن ہو وہ " اختیار پدری" کے اصول میں بہت کم ہارج ہوں۔ قانون روما میں ہمیشہ سے غلاموں اور زیر حفاظت فرزندوں کی " بالائی یافت" اور " پس انداز" کے لئے ضرور نہ تھا کہ وہ خاندانی حساب میں شریک کیا جائے اور اس کی نسبت ان لوگوں کی ایک محدود اور ماتحتانہ ملکیت تسلیم کی جاتی تھی۔ اس اجازتی ملکیت کا مخصوص نام " غنیمت" (Peculium پیکولیم) اس جائداد کے لئے بھی استعمال کیا جانے لگا جو جدید طور سے والدین کے اختیار سے خارج کردی گئی تھی، اور جو فوجی لوگوں کی صورت میں (مال غنیمت جو فوجیوں کی ملک ہوجائے) Castrense Peculiam اور ملکی عہدہ داروں کی حالت میں (اثاثہ جو غیر فوجی اشخاص کو حاصل ہوجائے) Quasi-Castrense-Peculium کہلاتا تھا۔ اختیار پدری میں اس کے بعد اور بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قدیم اصول کی وہ ظاہری عظمت جو پہلے تھی قائم نہ رہی۔ ملکی عہدہ داروں کی جائداد کے استثناء کے تھوڑے ہی دن بعد قسطنطین اعظم نے باپوں کا وہ قطعی اختیار بھی سلب کرلیا جو انھیں بیٹوں کی ایسی جائداد پر حاصل

تھا جو انھیں اپنی ماؤں کی طرف سے پہنچتی تھی، اور اُسے صرف حین حیاتی کر دیا۔ اس کے بعد مغربی یورپ میں اور خفیف تبدیلیاں عمل میں آئیں، مگر ان کی انتہا مشرق میں جسٹینین کے زمانہ میں ہوئی، جس نے یہ قاعدہ بنا دیا کہ باستثنائی اولاد کی اس مکسوبہ جائداد کے جو والدین کی جائداد کے ذریعہ سے پیدا کی گئی ہو والدین کے حقوق اولاد کی دوسری مکسوبہ جائداد پر صرف حین حیاتی رہیں گے۔ اختیار پدری میں اس قدر کمی ہو جانے کے بعد بھی وہ اس مقدار میں اور اس قدر سخت تھے کہ ان کا مقابلہ زمانۂ حال کے کسی آئین سے نہیں کیا جا سکتا۔ زمانۂ حال کے ابتدائی مصنفان "اصولِ قانون" نے لکھا ہے کہ سلطنت روما کے وحشی اور جنگجو فاتح اور خصوصاً اسکلاوونیا کی نسل کی قومیں ایسی تھیں جن میں اختیار پدری کا وجود پایا جاتا تھا اور جس کو کچھ تشابہ اس اختیار سے تھا جس کا ذکر (Pandects) اور "مجموعۂ قوانین" میں ہوا ہے۔ جو لوگ جرمنی کی طرف سے آکر آباد ہوئے وہ ایک مجموعی اتحاد خاندانی کو جو "منڈ" یا بزرگ خاندان کے تحت ہوتا تھا تسلیم کرتے تھے، مگر یہ اہل روما کے اختیارات پدری کا ایک مٹا ہوا سا خاکہ تھا، اور ان اختیارات سے بہت کم اور گھٹا ہوا تھا جو روما میں باپوں کو حاصل تھے۔ فرینک قوم کے متعلق بصراحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان میں رومیوں کا یہ آئین نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ قدیم فرانسیسی مقننین کو جو تمام وحشیانہ دستوروں کی خلا کو قانون روما سے بھر دینے کی جد و جہد میں لگے ہوئے تھے اختیار پدری کے مسئلہ کی دراندازی سے بچنے کے لئے اس صریح اصول متعارفہ سے مدد لینے کی ضرورت پڑی کہ "اختیار پدری فرانس میں تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔" رومیوں کا اپنی قدیم حالت کی اس یادگار کو اتنے دنوں نباہ لے جانا خود تعجب انگیز ہے۔ مگر اس اختیار کا دنیا سے ایک مرتبہ غائب ہو جانے کے بعد پھر اس طرح تمام مہذب دنیا میں شائع ہو جانا اُس سے زیادہ تعجب انگیز ہے۔ ایسی حالت میں بھی کہ والدین کے اختیارات سے صرف ایک اہلِ فوج کی مکسوبہ جائداد مستثنیٰ ہوئی تھی، اور والدین کو اپنی اولاد کی ذات پر وسیع اختیارات حاصل تھے۔ روما کے حقوق شہریت، اور اس کے ساتھ ساتھ اختیار

پدری کا اصول سلطنت کے ہر گوشہ میں پھیلتا جاتا تھا۔ ہر شخص خواہ آفریقہ کا رہنے والا ہو یا اسپین یا گال یا انگلستان کا جو روما کی شہریت کے حق کی عزت، عطا، خرید، یا وراثت کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا تھا وہ اپنے آپ کو روما کے ذاتی قانون کی تحت میں لے آتا تھا۔ جو اولاد اس حق کے حاصل ہونے سے قبل پیدا ہو چکی تھی اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر اپنی رضا مندی کے اس قانون کے تحت نہیں آتی تھی، لیکن جو لوگ اس کے بعد پیدا ہوتے تھے وہ اور ان کی اولاد روما کے "پسران خاندان" کی معمولی حیثیت پیدا کر لیتی تھی۔ اس کے بعد روما کی سوسائٹی کی جو ترکیب تھی اس پر بحث کرنے کی ہمیں اس کتاب میں ضرورت نہیں معلوم ہوتی، مگر شاید اتنا کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ رائے درست نہیں ہے کہ انٹونینس کارا کالا کے آئین کا تمام رعایا کو شہریت روما کا حق عطا کر دینا کوئی اہم امر نہ تھا۔ خواہ اس کی تعبیر کسی طریقہ سے کی جائے اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ اس سے اختیارات والدین کے اصول کی اشاعت میں بہت بڑی وسعت پیدا ہو گئی ہوگی، اور میرے خیال میں اس سے خاندان کے تعلقات میں جو مضبوطی پیدا ہوئی وہی اُس اخلاقی انقلاب کا باعث ہوئی جو دنیا کو دوسری شکل میں لا رہا تھا، مگر یہ ایک ایسا امر ہے جس کو لوگ عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ وہ نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔

اس مضمون کو ختم کر دینے کے قبل یہ امر قابل بیان معلوم ہوتا ہے کہ اب العائلہ (خاندان کا بزرگ) اپنے فرزندانِ زیر حفاظت کے جنایات (ٹارٹ یا افعال قابل ادائی ہرجہ) کا ذمہ دار متصور ہوتا تھا، اور اسی طرح وہ اپنے غلاموں کے اس قسم کے افعال کا بھی ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ لیکن دونوں صورتوں میں ابتداً اس کو یہ عجیب اختیار حاصل تھا کہ وہ خاطیوں کو نقصان کے کامل ایفا میں حوالے کر کے خود بری الذمہ ہو جائے۔ اس ذمہ داری کی جو اولاد

کی طرف سے عائد ہوتی تھی، اور والدین اور اولاد زیر حفاظت کے ایک دوسرے پر دعوے نہ کرسکنے کی توضیح بعض مقننین نے اس طرح کرنا مناسب خیال کیا ہے کہ باپ اور ابن العائلہ (فرزند خاندان) "ایک ذات" سمجھے جاتے تھے۔ توریث کی فصل میں میں یہ بتاؤنگا کہ یہ "ایک ذات" ہونا کس معنی میں اور کہاں تک درحقیقت قابل قبول ہے۔ اس موقعہ پر صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ بزرگ خاندان کی یہ ذمہ داری، اور دوسرے قانونی واقعات جن پر آیندہ بحث ہوگی اب العائلہ کی ان ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو ان حقوق کے معاوضہ میں تھیں جو اسے حاصل تھے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر اسکو اپنے رشتہ داروں کی ذات اور جائداد پر اختیار حاصل تھا، تو اس مالکانہ اختیار کے ساتھ یہ ذمہ داری بھی لگی ہوئی تھی کہ وہ تمام ارکان خاندان کی بسر برد کا مشترکہ سرمایہ سے انتظام کرے۔ اس ذمہ داری کی نوعیت کو سمجھنے میں جو دقت پیش آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے دماغ سے موجودہ تصورات کامل طور سے نہیں نکال سکتے۔ یہ کوئی قانونی فرض نہ تھا، کیونکہ قانون کا قدم اس وقت تک خاندانوں کی حدود میں نہیں آیا تھا۔ اسے اخلاقی بھی کہنا صحیح نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ تصور بعد کی دماغی ترقی کا نتیجہ ہے، مگر ہمارے مقصد کے لئے اسے "اخلاقی فرض" سے موسوم کرنا کافی ہے، بشرطیکہ ہم اس سے ایسا فرض مراد لیں جس کا اتباع نیم دانستہ طور سے کیا جاتا تھا اور جس کی تعمیل میں بہ نسبت صریح احکام کے فطرت اور عادت کو زیادہ تر دخل تھا۔

"اختیار پدری" اپنی معمولی شکل میں نہ کبھی مستقل بالذات آئین ہوا اور نہ میری رائے میں ہوسکتا تھا۔ ایسی حالت میں اس کے قدیم زمانہ میں عام طور سے رائج رہنے کے ثبوت کو کامل نہیں کہہ سکتے مگر اسی حالت میں کہ تنہا اس مسئلہ پر غور کیا جائے لیکن قدیم قانون

کے دوسرے ایسے شعبوں پر غور کرنے سے، جن کا انحصار نہ علانیہ اور بادی النظری بلکہ پوشیدہ اور مخفی طور سے جو ہر شخص کو نظر نہیں آسکتا اسی اصول پر تھا، اس کے ثبوت میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور سے قرابت یا اس معیار کو لے لو جس کے ذریعہ سے قدیم "اصول قانون" میں باہم رشتہ داریاں جانچی جاتی تھیں۔ اس موقع پر پھر ہمارے لئے دو رومی اصطلاحات (Agnatic) "یک جدی قرابت داروں" اور (Cognatic) "رشتہ داروں" کا استعمال موجب آسانی ہوگا۔ زمانۂ حال کے خیالات کے لحاظ سے صرف یک جدی قرابت کا تصور قریب الفہم ہے: یہ وہ تعلق ہے جو دو منکوحہ اشخاص کی نسل میں شریک ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، خواہ وہ اشتراک نسل ذکور کے ذریعہ سے ہو یا اناث کے ذریعہ سے محض رشتہ داری (Agnatic) اس سے بالکل مختلف ہے: اس سے بہت سے ایسے لوگ خارج ہو جاتے ہیں جنھیں اس زمانہ میں ہم اپنا قرابت دار سمجھتے ہیں؛ اور بہت سے ایسے لوگ شامل ہو جاتے ہیں جنھیں ہم کبھی اپنا رشتہ دار نہیں قرار دے سکتے ہیں۔ یہ قدیم زمانہ کے وہ تعلقات ہیں جو ایک خاندان کے مختلف اراکین میں قائم ہوتے تھے۔ ان کے اور زمانۂ حال کی رشتہ داریوں کے حدود ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔

پس یک جدی قرابت دار وہ سب لوگ ہیں جو ایک مورث اور اس کی زوجہ کی نسل میں ہونے کا دعوے کر سکتے ہیں، یا اگر قانون روما کی صحیح اصطلاح کے لحاظ سے کہا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ یک جدی قرابت دار وہ سب لوگ ہیں جو ایک ایسے شوہر اور زوجہ کی نسل سے ہوں جن کا نکاح بطریق جائز عمل میں آیا ہو۔ اس طور سے "یک جدی ہونا" ایک اضافی اصطلاح ٹھہرتی ہے۔ اور اس سے جس درجہ تک شرکت خون کا اظہار ہوتا ہے وہ اس نکاح پر منحصر ہوتا ہے جو اس حساب کے آغاز کا نقطہ قرار دے دیا

جائے۔ اگر ماں اور باپ کے نکاح سے حساب شروع کیا جائے تو یک جدیوں میں صرف بھائی اور بہنیں شریک ہو سکیں گی، اگر دادا اور دادی کے نکاح سے حساب کریں تو چچا، پھپیاں، اور ان کی اولاد شامل ہو جائے گی، اور اگر اسی عمل کو اوپر بڑھاتے چلے جائیں تو یک جدی قرابت داروں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا جائے گا۔ زمانۂ حال کے آدمی کو ان قرابتوں کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں پیش آ سکتی۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ "رشتہ داروں" (Agnates) میں کون لوگ شامل ہیں؟ سب سے اول قابل لحاظ یہ امر ہے کہ اس میں وہ سب یک جدی لوگ شریک ہیں جن کے تعلقات صرف بذریعہ ذکور قائم ہوتے ہیں۔ ان کا شجرہ اس طرح قائم ہوتا ہے کہ باری باری سے خاندان کے ہر عورت کو لیتے ہیں اور اس میں اس کی تمام اولاد کو، خواہ وہ از قسم ذکور ہو یا اناث، شامل کرتے جاتے ہیں؛ اگر ایسے شجرہ کی مختلف شاخوں پر نظر ڈال کر ہم ہر عورت کے نام پر ٹھہر جائیں اور اس شاخ کو وہیں چھوڑ دیں، تو جو لوگ ان عورتوں کی اولاد کو خارج کر دینے کے بعد باقی رہ جاتے ہیں وہ سب "رشتہ دار" ہیں، اور ان کے باہمی تعلقات "رشتہ داری" کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ میں اس عمل کے متعلق جس کے ذریعہ سے "یکجدی" اور "رشتہ داروں" میں عموماً تمیز کی جاتی ہے کسی قدر اور لکھنا مناسب خیال کرتا ہوں، کیونکہ اس سے اس مشہور قانونی مقولہ کی تشریح ہوتی ہے کہ "عورت خاندان کی خاتم ہے"۔ شجرہ کی جس شاخ میں عورت کا نام آ جاتا ہے وہیں وہ شاخ ختم ہو جاتی ہے اس عورت کی کوئی اولاد، قدیم خیالات کے لحاظ سے، خاندانی قرابت داروں میں نہیں شریک کی جاتی۔

قدیم قوانین کے نظام میں، جن سے ہم بحث کر رہے ہیں، اگر نظام مذکور ایسا ہے کہ اس میں تبنیت کا طریقہ جاری ہے تو

ہمیں ان سب لوگوں کو بھی، خواہ وہ ذکور ہوں یا اناث، ایک جدی قرابت داروں میں شریک کرنا پڑے گا جو اس مصنوعی طریقہ سے خاندانی دائرہ کو وسیع کر کے اس میں شامل کر لئے گئے ہیں۔ مگر ان لوگوں کی اولاد اسی حالت میں یک جدی متصور ہوگی جبکہ وہ ان شرائط کی تکمیل کریگی جو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس شمول اور خروج کے کیا اسباب ہیں؟ رشتہ داری کا جو تصور ایسا وسیع ہو کہ اس کے ذریعہ سے خاندان میں بربنائے تبنیت غیر لوگ بھی شریک ہو جائیں، وہ ایسا تنگ کسطرح ہو جاتا ہے کہ خاندان کے اناث ارا کین کی اولاد بھی اس میں شامل نہیں ہو سکتی؟ ان سوالات کے حل کے لئے ہم کو پھر اختیار پدری کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ یک جدی قرابت کی بنیاد والدین کا ازدواج نہیں، بلکہ باپ کا اختیار ہے۔ تمام ایسے اشخاص جو ایک والدین کے تحت ہوں، یا قبل ازیں رہ چکے ہوں، یا رہ سکتے اگر ان کے آبا و اجداد اپنے اختیارات کے استعمال کے زمانہ تک زندہ رہتے، وہ سب باہمی یک جدی قرابت دار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قدیم خیال کے مطابق قرابت اختیار پدری تک محدود ہے۔ جہاں سے پدری اختیار شروع ہوتا ہے وہیں سے قرابت شروع ہوتی ہے؛ اور اسی بنا پر متبنیٰ قرابت داروں میں داخل ہو جاتے ہیں؛ اور جہاں اختیار پدری ختم ہو جاتا ہے وہیں قرابت داری بھی ختم ہو جاتی ہے اور اسی بنا پر ان لڑکوں کے جنھیں باپ اپنے حد اختیار سے خارج کر دیتے ہیں تمام حقوق زائل ہو جاتے ہیں؛ اور یہیں سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ لڑکی کی اولاد کیوں اس قدیم قرابت کے دائرہ سے باہر رہتی ہے۔ اگر لڑکی ازدواج سے پہلے مر گئی ہے تو اس کی کوئی اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر اس کا ازدواج ہوا تو اس کی اولاد بجائے لڑکی کے باپ

کے، لڑکی کے شوہر کے باپ کے زیر اختیار ہو گی اور اس طور سے لڑکی کے خاندان سے علحدہ ہو جائے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر لوگ اپنے آپ کو اپنی ماں کے قرابت دار وں کے قرابت دار کہتے تو قدیم سوسائٹی کی ترکیب ہی بگڑ جاتی؛ اور نتیجہ یہ نکلتا کہ ایک شخص کو دو مختلف اختیار پدری کے تحت رہنا پڑتا، اور چونکہ ہر اختیار پدری کے معنی ایک جداگانہ حکومت کے تھے اس لیئے جو شخص دو اختیار پدری کے تحت رہتا اس کو ایک ہی وقت میں دو مختلف احکام کی پابندی کرنی پڑتی۔ جب تک کہ خاندان کی حیثیت حکومت درحکومت یعنی ایک ایسی جماعت کی تھی جو ریاست جمہوری میں رہ کر اپنا انتظام ان آئین سے چلاتی ہے جن کا منبع والدین تھے، اس وقت تک قرابت کا یک جدی قرابت داروں تک محدود رکھنا ایک ضروری امر تھا، تاکہ خانگی عدالت میں اختلاف قوانین نہ ہونے پائے۔

والدین کے حقیقی اختیارات کا خاتمہ ان کی موت کے ساتھ ہو جاتا ہے، مگر قرابت ایک ایسا سانچہ ہے جس کے نشانات اس کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اصول قانون کی تاریخ کے متجسس کو قرابت کے مسئلہ میں دلچسپی لینی پڑتی ہے۔ قدیم قوانین کی بہت کم یادگاریں ایسی ہیں جن میں اختیار پدری کا پتہ چلتا ہے، مگر یک جدی قرابت کے قدیم وجود کے تقریباً ہر جگہ نمایاں آثار نظر آتے ہیں۔ ہندی یورپین نسلوں کی اقوام کے اصلی قوانین بہت کم ایسے ہیں جن کی قدیم ترین ترکیب سے وہ خصوصیات نہ ظاہر ہوتے ہوں جن کا تعلق صاف طور سے یک جدی قرابت سے ہے؛ مثلاً دھرم شاستر میں جو خاندانی اتباع کے قدیم خیالات سے مملو ہے قرابت صرف یک جدی قرابت تک محدود کر دی گئی ہے۔ اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہندوؤں

کے شجروں میں عام طریقہ سے عورتوں کے نام بالکل ترک کردئے جاتے ہیں۔ جن قوموں نے سلطنت روما کو درہم برہم کر دیا ان کے قوانین میں بھی رشتہ داری کی نسبت یہ خیالات اس قدر غالب ہیں کہ اس سے یہی قیاس ہوتا ہے کہ وہ ان کے قدیم رواج کے اجزا تھے، اور ہمارا گمان یہ ہے کہ اگر بعد کے قانون روما کا اثر موجودہ زمانہ کے خیالات پر نہ پڑا ہوتا تو وہ خیالات اور زیادہ زور کے ساتھ یورپ کے زمانۂ حال کے اصول قانون میں پائے جاتے۔ مگر روما کے ملکی عہدہ داروں نے بہت جلد یک جدی قرابت کو فطری رشتہ داری قرار دے کر اپنے نظام قانونی کو قدیم خیالات سے پاک کردینے کی کوشش کی۔ انہیں کے خیالات ہم تک پہنچے ہیں، لیکن اب تک یک جدی قرابت کے آثار موجودہ زمانہ کے اکثر قواعد توریث بعد از موت میں پائے جاتے ہیں۔ کاروبار سلطنت میں عورتوں اور اُن کی اولاد کی محرومی (جو عام طور سے سالی فرانک کے رسم و رواج کی طرف منسوب کی جاتی ہے) کی تہ میں بھی فی الحقیقت یہی یک جدی قرابت ہے۔ اور خاندانی معافیات (Allodial property) کی توریث کا قاعدہ جو جرمنی کے قدیم قانون میں تھا وہی اس کا ماخذ معلوم ہوتا ہے۔ انگریزی قانون کے اُس عجیب و غریب قاعدہ کی تشریح بھی اسی یک جدی قرابت کے اصول سے ہوئی جس کی رو سے سوتیلے بھائی ایک دوسرے کی اراضی کے وارث نہیں ہوسکتے تھے۔ یہ قاعدہ حال ہی میں منسوخ ہوا ہے۔ نارمنڈی کے رواج کے مطابق یہ قاعدہ صرف برادران اخیافی، یعنی ان بھائیوں سے جو ایک باپ سے نہیں بلکہ ایک ماں سے ہوں متعلق تھا، اس محدود حالت میں وہ صاف طور سے اصول قرابت یک جدی کا ایک نتیجہ ہے جس کی رو سے برادران اخیافی مطلق ایک دوسرے کے رشتہ دار نہیں متصور ہوتے۔ جب یہ مسئلہ انگلستان پہنچا، تو انگلستان کے

مقننین نے جو اس کے اصول سے ناواقف تھے ایسے سوتیلے بھائیوں سے یعنی ایک باپ کی اولاد سے جو مختلف بیبیوں کے بطن سے ہو، متعلق کر دیا۔ قانون کے مفروضہ فلسفہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں اس لاطائل اور طویل سوفسطہ سے زیادہ کوئی چیز حیرت انگیز نہیں ہے جس کے ذریعے سے بلیک اسٹون نے سوتیلے بھائیوں کی محرومی کے وجوہ قائم اور بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

میرے نزدیک اس امر کا ثابت کرنا کچھ دشوار نہیں ہے کہ خاندان جو والدین کی حکومت پر مبنی ہے تمام ذاتی قوانین کی جڑ ہے۔ اور ان قوانین کے مختلف اجزا میں سب سے اہم جزو وہ ہے جو عورتوں کی حیثیت سے متعلق ہے۔ یہ امر قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ قدیم "اصول قانون" میں اگرچہ عورت کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ یک جدی قرابت کے حقوق اپنی اولاد پر منتقل کرے، مگر وہ خود یک جدی قرابت کے سلسلہ میں منسلک رہتی ہے۔ عورت کا تعلق اس خاندان سے جس میں وہ پیدا ہوئی بہ نسبت اس کے مرد رشتہ داروں کے زیادہ تر سخت، قوی، اور دیرپا ہوتا تھا۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ قدیم قوانین صرف خاندانوں کا لحاظ کرتے ہیں؛ جس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہیں کہ وہ صرف ایسے ہی اشخاص کا لحاظ کرتے ہیں جو اختیارات پدری کو کام میں لاتے ہیں، اور صرف یہی ایک اصول ہے جس کی بنا پر یہ حق باپ کے فوت ہو جانے کے بعد بیٹے یا پوتے کو اس خیال سے عطا کیا جاتا ہے کہ ان میں یہ پوشیدہ قابلیت موجود ہوتی ہے کہ وہ ایک جدید خاندان قائم کریں اور ایک جدید اختیار پدری کا مرکز قرار پائیں۔ چونکہ عورت میں یہ قابلیت نہیں ہوتی اس لئے وہ اس آزادی کی مستحق نہیں قرار پا سکتی جو اس قابلیت کا لازمی نتیجہ ہے۔ قدیم قوانین نے اس لحاظ سے ایک خاص ترکیب ایسی رکھی ہے جس سے عورت زندگی بھر خاندان کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ قدیم ترین روما کے قانون میں یہ آئین "عورت کی دوامی ولایت"

کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی رو سے ایک عورت اگرچہ اپنے والد کے فوت ہوجانے کی وجہ سے اس کے اختیار سے خارج ہوجاتی ہے، مگر تمام عمر اپنے قریب ترین ذکور رشتہ داروں یا اپنے باپ کے نامزد کردہ اولیا کی ولایت میں رہتی ہے۔ دوامی ولایت کے اصول کو اختیار پدری کی ایک مصنوعی توسیع کے سوا کچھ اور نہیں کہا جا سکتا، وہ ایسے وقت میں بھی قائم رہتا ہے جبکہ دوسرے مقاصد کے لحاظ سے اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ دستور اس وقت تک بجنسہٖ جاری ہے، اور اس کا عمل اس سختی کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات ایک ماں خود اپنے بچوں کی ولایت میں آجاتی ہے۔ یورپ میں اسکینڈینیوا کی قوموں میں بھی عورتوں کے متعلق ایسا ہی قانون تھا جو حال ہی میں منسوخ ہوا ہے۔ روما کی مغربی سلطنت پر حملہ آور قوموں کے ملکی آئین میں بھی عام طور سے اس کا رواج تھا، اور مغربی دنیا میں جو خیالات ان کی وجہ سے شائع ہوئے ان میں سب سے زیادہ مانع ترقی مجموعی طور سے ان کا خیال متعلقہ ولایت تھا۔ مگر قانون روما نے نشو و نما پاکر اس کو اپنے نظام قانونی سے بالکل خارج کردیا۔ اگر ہمارے ہاتھ میں صرف جسٹینین کے تالیفات ہوتے تو ہمیں اس کے متعلق کسی قسم کا علم ہی نہیں ہوسکتا تھا، لیکن گیئس کی قلمی تالیف کے دستیاب ہوجانے سے اس کا پتہ ایسے دلچسپ موقعہ پر ملتا ہے جبکہ اصول مذکور بالکل بے اعتبار ہوچکا تھا اور فنا ہوجانے کے قریب تھا۔ یہ ممتاز مقنن خود اس رائے کی مخالفت کرتا ہے جس میں عورتوں کی دماغی کمزوری اس اصول کی تائید میں عام طور سے پیش کی جاتی تھی۔ اس کی تصنیف کا بڑا حصہ ان مختلف ترکیبوں کے بیان سے، جن میں سے بعض میں غیر معمولی ذہانت صرف کی گئی تھی، مملو ہے جو روما کے مقننین نے اس غرض سے نکالی تھیں کہ عورتیں قدیم قواعد کے اثر سے محفوظ رہ سکیں۔ قانون فطرت کی رہنمائی سے مقننین نے بظاہر اس وقت قانون نصفت میں عورتوں اور مردوں کی مساوات کو تسلیم

کرلیا تھا۔ جن قیود کو وہ توڑنا چاہتے تھے وہ انتقال جائداد کے قیود تھے، کیونکہ کوئی عورت بغیر اپنے ولی کی باضابطہ رضامندی کے اپنی کوئی جائداد کسی کے نام منتقل کرنے کی مجاز نہ تھی۔ عورت کی ذات پر اختیار کا مسئلہ بظاہر اس سے قبل ہی باطل اور منسوخ ہو چکا تھا۔

قدیم قانون میں عورتیں اپنے قریب ترین یک جدی اعزہ کے زیر اختیار تھیں، زمانۂ حال کے قوانین کی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ شوہروں کے ماتحت کر دی گئی ہیں۔ اس تبدیلی کی تاریخ قابل لحاظ ہے۔ اس کا آغاز روما کی قدیم تاریخ سے ہوتا ہے۔ روما کے دستور کے مطابق ازدواج کی تین صورتیں تھیں: ایک وہ تھی جس میں مذہبی رسوم ادا ہوتے تھے، اور بقیہ دو میں بعض ملکی ضوابط کی پابندی کی جاتی تھی۔ مذہبی ازدواج "کانفریئیشن" (Confarreation) اور سول ازدواج کی اعلیٰ قسم "کوایمپشن" (Coemption) اور ادنیٰ قسم "یوسس" (Usus) کہلاتی تھی۔ ان تینوں شکلوں میں شوہر کو اپنی زوجہ کی ذات اور اس کی جائداد پر بعض ایسے اختیارات حاصل ہو جاتے تھے جو ان اختیارات سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہوتے تھے جو زمانۂ حال کے کسی نظام قانونی کی رو سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ اختیارات شوہروں کو کس حیثیت سے حاصل ہوتے تھے؟ نہ بہ حیثیت شوہر بلکہ بہ حیثیت باپ کے۔ ازدواج کی تینوں شکلوں میں عورت قانونی طور سے اپنے زوج کی دختر متصور ہوتی تھی، اور اس کے دائرہ "اختیار پدری" میں آجاتی تھی۔ جب تک یہ اختیار قائم رہتا تھا اس پر "اختیار پدری" کی تمام ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں، اور ان کے خاتمہ کے بعد بھی ان سے نجات حاصل نہیں ہوتی تھی۔ عورت کی تمام جائداد قطعی طور سے شوہر کی ہو جاتی تھی، اور شوہر کے مرجانے کے بعد بھی وہ اس شخص کی ولایت میں رہتی تھی جسے اس کا شوہر اپنا وصی مقرر کر جاتا تھا۔ ازدواج کی متذکرۂ بالا تینوں قدیم قسمیں رفتہ رفتہ متروک ہوتی گئیں، یہاں تک کہ روما کے انتہائی عظمت کے زمانہ میں ان کی جگہ ادنیٰ قسم کے

سول ازدواج کی ایک تبدیل شدہ شکل رائج ہوگئی، اگرچہ یہ بھی بظاہر ایک قدیم شکل تھی، مگر اُس وقت تک بے وقعتی کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھی سول ازدواج کی، جو اس زمانہ میں اس قدر رائج تھی، اصطلاحی ترکیب کی تشریح کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُس کی حیثیت قانوناً اس سے زیادہ نہ تھی کہ عورت کو اس کے خاندان کے لوگ عارضی طور سے مرد کے سپرد کردیتے تھے۔ اِس سے خاندان کے اختیارات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، اور عورت انھیں لوگوں کی ولایت میں رہتی تھی جن کو اس کے والدین نے مقرر کردیا تھا، اور ان کا اعلیٰ اختیار اہم معاملات میں شوہر کے ادنیٰ اختیار سے بڑھا ہوا ہوتا تھا۔ پس روما کے قانون مابعد کے رجحان کا نتیجہ یہ ہوا، جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوچکا ہے، کہ رومی عورتیں، خواہ وہ منکوحہ ہوں یا غیر منکوحہ، ذاتی اور مالی لحاظ سے زیادہ تر آزاد ہوگئیں، ان کے اولیا کے اختیارات سلب ہوگئے اور نکاح کی جو شکل رائج ہوگئی اس سے شوہروں کو اس قدر اختیارات حاصل نہیں ہوتے تھے جو اولیا کے اختیارات کی کمی کو پورا کرسکیں۔ لیکن عیسویت نے ابتدا ہی سے اس غیر معمولی آزادی کے دائرہ کو تنگ کرنا شروع کردیا۔ جدید مذہب کے اختیار کرنے والوں نے، ابتدا میں ڈھلتی ہوئی بت پرست دنیا کی مروجہ بداخلاقیوں کو دور کرنے کے لئے، مگر بعدہٗ محض رہبانیت کے جوش میں، ان ناخوش گوار ازدواجی تعلقات کو، جن سے بدتر شاید ہی کبھی مغربی دنیا میں رائج ہوئے ہوں، ناپسندیدہ نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ روما کے اس آخری قانون میں، جس پر عیسائی قیصروں کا اثر پڑا، صاف طور سے ان آزاد اصول کی مخالفت کے آثار پائے جاتے ہیں جو عہد انٹنی کے بڑے بڑے مقننین نے قائم کئے تھے۔ جو مذہبی خیالات اِس زمانہ میں شائع ہیں اُن سے اس امر کی تشریح ہوتی ہے کہ زمانۂ حال کے "اصول قانون" نے، جو وحشیوں کے غلبہ کی گرما گرمی، اور روما کے "اصول قانون" اور پدر سری حکومت کے مراسم کے

اختلاط سے بن کر تیار ہوا ہے، کیوں اس قدر کثیر مقدار میں عورتوں کی حیثیت کے متعلق ایسے قواعد اختیار کر لئے ہیں جو مخصوص طور سے ایک غیر مکمل تمدن کے لئے موزوں ہیں۔ اس بدنظمی کے زمانہ میں جس سے موجودہ تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، اور جس وقت تک جرمنی اور اسکوٹینیا کے نوآباد لوگوں کے قوانین اہل روما کے "اصول قانون" مروجہ صوبجات پر ایک بالائی تہ کی طرح چھائے رہے، ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ سربرآوردہ قوموں کی عورتیں مختلف بے اصول ولایت کی بلا میں مبتلا ہیں۔ اور جو شوہر بجز اپنے خاندان کے کسی دوسرے خاندان سے زوجہ انتخاب کرتا ہے ایسے حق ولایت کی دست برداری کے معاوضہ میں زوجہ کے رشتہ داروں کو ایک رقم دینی پڑتی ہے۔ جب ہم آگے بڑھ کر اس زمانہ تک پہنچتے ہیں کہ ان دونوں قانونی نظاموں سے مل کر زمانۂ وسطیٰ کے قوانین تیار ہوتے ہیں، اس وقت ان قواعد میں جو عورتوں کے متعلق ہیں دونوں قانونی نظاموں کے آثار صاف طور سے نظر آتے ہیں۔ البتہ روما کے "اصول قانون" کو اس درجہ تک تفوق حاصل ہے کہ غیر منکوحہ عورتیں (بہ استثناء بعض مقامی قواعد کے) عام طور سے خاندان کی غلامی سے آزاد ہیں۔ مگر منکوحہ عورتوں کی حیثیت پر وحشیوں کے قدیم اصول کا اثر باقی ہے۔ اور شوہر اپنے ازدواجی تعلق کی بنا پر وہ اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے جو ایک زمانہ میں زوجہ کے ذکور قرابت داروں کو حاصل تھے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ اب اس کو ان حقوق کے حصول کے لئے کوئی رقم نہیں دینی پڑتی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے جنوبی اور مغربی یورپ کا موجودہ قانون اپنی اہم خصوصیت، یعنی غیر منکوحہ اور بیواؤں کو بالمقابلہ آزادی دینے اور منکوحہ عورتوں پر ناقابلیت کا بھاری بوجھ ڈالنے کے لحاظ سے، ممیز اور جدا ہونا شروع ہوتا ہے۔ ازدواج کی وجہ سے جو ماتحتی عورتوں پر عائد ہوتی تھی اس میں ایک عرصۂ دراز کے بعد کمی ہونی شروع ہوئی۔ یورپ کی عود کرنے والی بربریت سے نجات دلانے والوں

میں سب سے قوی اور خاص ذریعہ ان مقامات میں ہمیشہ مجموعہ قوانین جسٹینین ہی ثابت ہوا ہے، جہاں کہیں اس کا مطالعہ اس جوش کے ساتھ کیا گیا ہے جس کا پیدا کر دینا خود اس کا خاصہ تھا۔ اس مجموعہ نے پوشیدہ مگر کامل طور سے ان مراسم کی بیخ کنی کر دی جن کی صرف تعبیر کا وہ مدعی تھا۔ مگر قانون مذکور کے وہ حصے جو منکوحہ عورتوں کے متعلق تھے عموماً قانون روما نہیں، بلکہ مذہبی قانون، کی روشنی میں پڑھے جاتے تھے، جو ملکی قانون سے کسی معاملہ میں اس قدر مختلف نہیں ہے جتنا کہ ازدواجی تعلقات میں ہے۔ یہ ایک ایسا امر تھا جس سے بظاہر کوئی چارہ نہ تھا، کیونکہ کوئی سوسائٹی جس کو تھوڑا سا بھی عیسوئیت سے لگاؤ ہو اس امر کو گوارا نہیں کر سکتی کہ منکوحہ عورتوں کی اس ذاتی آزادی کو، جو روما کے قانون وسطیٰ میں انھیں حاصل تھی، برقرار رکھے۔ منکوحہ عورتوں کی وہ ناقابلیت جس کا تعلق ملکیت سے تھا ان کی ذاتی ناقابلیت سے بالکل جداگانہ بنیاد پر تھی۔ مذہبی قوانین کے شارحین نے اپنے اصولی رجحان کی بنا پر مقدم الذکر ناقابلیت کو زندہ اور قائم رکھنے کی کوشش کی، اور اسی نے تمدن کو سخت نقصان پہنچایا۔ ملکی اور مذہبی اصول میں اکثر تصادم ہوئے مگر ہمیشہ مذہبی اصول ہی غالب رہے۔ فرانس کے بعض صوبجات میں طبقۂ امرا کے نیچے درجہ کی منکوحہ عورتوں کو اپنی جائداد کے متعلق وہی تمام اختیارات حاصل تھے جو ان کو روما کے قانون نے دیئے تھے، اور اسی مقامی قانون کی بڑی حد تک نپولین کے کوڈ میں پیروی کی گئی تھی۔ مگر اسکاٹ لینڈ کے قانون سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاص توجہ اہل روما کے مقننین کے اصول کی طرف مبذول تھی وہ دوامی طور سے منکوحہ عورتوں کی ناقابلیت کو دور کر دینے میں کامیاب نہ ہوئی۔ جو قانونی نظام منکوحہ عورتوں کے حق میں بہت کم نرم ہیں وہ وہی ہیں جنھوں نے کلیتہً مذہبی قوانین کی پابندی کی ہے، یا جن پر یورپ کی تہذیب کا اثر اس قدر دیر میں پڑا کہ وہ اپنے نظام قانونی کو بیکار اور فضول مراسم سے پاک و صاف نہ کر سکے۔ ڈنمارک اور سویڈن

کے قوانین، جو صدیوں سے عورتوں کے حق میں نہایت سخت رہے ہیں، اب بھی بہ نسبت یورپ کے دوسرے ممالک کے قوانین کے منکوحہ عورتوں کے حق میں زیادہ مفید نہیں ہیں۔ عورتوں کے مالکانہ حقوق کا مزاحم سب سے زیادہ خود انگلستان کا عمومی قانون ہے جس کے اہم اصول زیادہ تر مذہبی قوانین سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اس قانون کے اُس جزو کو دیکھ کر جس میں منکوحہ عورتوں کی حیثیت بتائی گئی ہے انگلستان کا باشندہ اُس اہم آئین کے سمجھنے اور اس کے متعلق ایک تصور قائم کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے جس پر اس فصل میں بحث کی گئی ہے۔ میرے نزدیک قدیم "اختیارات پدری" کے عمل اور نوعیت کے اظہار کے لئے اس سے بہتر کوئی ترکیب نہیں ہوسکتی کہ جو اختیارات انگلستان کے خالص قانون عمومی کی رو سے شوہروں کو حاصل ہیں وہ پیش نظر رکھے جائیں، اور اس پر غور کیا جائے کہ ہر قسم کے حقوق، فرائض، اور چارہ کاریں جہاں نصفت یا موضوعہ قوانین کا اثر نہیں پڑتا، زوجہ کس طرح اور کس درجہ تک کامل قانونی ماتحتی میں رکھی گئی ہے۔ اولاد زیر اختیار کے متعلق جو فرق روما کے قدیم اور قانون مابعد میں ہے وہی فرق انگلستان کے عمومی قانون کے قواعد اور ان قواعد میں ہے جو چانسری کی عدالت زوجہ کے نسبت نافذ کرتی ہے۔

اگر ہم زوجہ اور اولاد کی ولایت کے اصلی ماخذ سے قطع نظر کر کے اس مضمون پر عام الفاظ میں بحث کریں تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ قدیم قوانین میں عورتوں کے حقوق ملتوبیہ کے مفروضہ کو انتہائی طوالت دی گئی ہے۔ برخلاف اس کے جو قواعد ذکور یتامیٰ کی ولایت کے متعلق قرار پائے ہیں ان میں وہ عیب (اختصار) نظر آتا ہے جو بالکل اس کے متضاد ہے۔ ان قوانین میں اولاد ذکور کی ولایت کا زمانہ غیر معمولی طور سے جلد ختم ہوجاتا ہے۔ روما کے قدیم قانون کی رُو سے۔ جسے ان قوانین کا ماخذ اور نمونہ کہنا چاہیئے، بیٹا جو اپنے باپ یا دادا کے انتقال کے بعد" اختیارات پدری" سے خارج ہوجاتا تھا اس عمر تک زیر ولایت رکھا جاتا تھا جو

عام مقاصد کے لئے (۱۵) سال کی قرار دی جا سکتی ہے۔ اس عمر کو پہنچ کر وہ اپنی ذات اور جائداد دونوں کے متعلق پورے طور سے آزاد ہو جاتا تھا۔ اس لئے نابالغی کا زمانہ نامناسب طور سے اُسی قدر مختصر نظر آتا ہے جس طرح عورتوں کی ناقابلیت کا زمانہ بیجا طور سے طویل کر دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حالات میں جن میں ولایت کی یہ دو شکلیں ابتداً پیدا ہوئیں اختصار اور طوالت کو کوئی دخل نہ تھا، اور نہ اُن میں سے کوئی شکل کسی عام یا خاص آسانی کے خیال سے قائم کی گئی تھی۔ ابتدا میں اولاد ذکور کی ولایت کا نہ یہ منشا تھا کہ سن بلوغ تک ان کی حفاظت کی جائے، اور نہ عورتوں پر ولایت کے قیام کا یہ مقصد تھا کہ ان کی حالت کمزوری میں مدد کی جائے۔ باپ کے فوت ہو جانے کے بعد بیٹے کے آزاد ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں یہ قابلیت موجود تھی کہ وہ ایک خاندان کا بانی ہو کر ایک جدید "اختیار پدری" کا سلسلہ قائم کرے۔ چونکہ عورت میں یہ قابلیت موجود نہ تھی اس لئے وہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لحاظ سے یہ سمجھنا چاہئے کہ اولاد ذکور کی ولایت کا منشا یہ تھا کہ والدین کی اطاعت کا ایک نشان اس وقت تک کے لئے قائم رہے جبتک کہ لڑکے میں خود باپ ہونے کی قابلیت نہ پیدا ہو جائے؛ گویا یہ "اختیار پدری" کی اس وقت تک کے واسطے ایک توسیع تھی جب تک کہ لڑکے کی جسمانی تکمیل نہ ہو جائے۔ حد بلوغ کو پہنچنے پر اس کا خاتمہ ہو جاتا تھا، اور یہی اس اصول کا مقتضیٰ بھی تھا۔ لیکن اس میں یتیم لڑکے کے لئے تکمیل عقل اور اس کا قابلِ کار ہونا لازم نہ تھا، اور اس لئے کوئی عام آسانی پیدا نہ ہوتی تھی۔ اہالی روما نے اس نقص کو اپنی تمدنی ترقی کی ابتدا ہی میں دریافت کر لیا تھا۔ رومیوں کے وضع قوانین کی قدیم ترین یادگار "قانون لی لای ٹوریا یا پلیٹوریا" (Lex Laetoria or Plaetoria) ہے جس کی رو سے تمام آزاد مرد جو سن و سال اور حقوق کے لحاظ سے کامل تھے عارضی طور سے اولیاء کی ایک جدید جماعت کے ماتحت کر دئے جاتے

تھے جو "کیوریٹر" کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ ان لوگوں کے ہر فعل اور معاہدہ کے جواز کے لئے کیوریٹر کی منظوری ضروری ہوتی تھی؛ جب یہ نوجوان (۲۶)، سال کی عمر کو پہنچ جاتے تھے اس وقت یہ قانونی نگرانی باقی نہیں رہتی تھی؛ قانون روما میں صرف اسی عمر یعنی (۲۵) سال کے متعلق الفاظ "میناریٹی" اور "مجارٹی" مستعمل ہوئے ہیں۔ زمانۂ حال کا اصول قانون مستقل طور سے صرف ایک سادے اصول، یعنی نابالغ کی جسمانی اور دماغی عدم پختگی کی حالت میں حفاظت کو، پیش نظر رکھتا ہے؛ اور یہ نگرانی فطری طور سے سن شعور کو پہنچ جانے پر ختم ہوجاتی ہے۔ مگر اہل روما نے جسمانی کمزوری، اور دماغی ناقابلیت کی حالت میں، حفاظت کے سلئے دو مختلف انتظام کئے تھے، جوکہ اصول اور ترکیب دونوں میں ایک دوسرے سے جدا تھے۔ زمانۂ حال کی ولایت کے تصور میں یہ دونوں امور جمع ہیں۔

قانون متعلق بہ اشخاص میں ایک اور ایسی فصل موجود ہے جس کو ہم اپنے مقصد کے لئے اس موقع پر مفید طور سے پیش کرسکتے ہیں۔ مکمل قانونی نظاموں میں جو قواعد آقا اور غلام کے متعلق ہیں ان سے صاف طور سے اس کے آثار نہیں پائے جاتے کہ یہ ابتدائی حالت تمام قدیم سوسائیٹوں میں یکساں تھی۔ اس اختلاف کے بعض وجوہ ہیں۔ غلامی بجائے خود ایک ایسا دستور ہے جس کو انسان ہر زمانہ میں خواہ اُس نے اخلاقی احساسات میں کتنی ہی کم ترقی کی ہو، اور خواہ وہ کتنا ہی کم فکر و خوض کا عادی ہو، نفرت اور حیرت کی نظر سے دیکھتا رہا ہے۔ قدیم جماعتوں کو جو پشیمانی خود بخود اس فعل سے ہوتی تھی اس کا اظہار اس خیالی اصول کے اختیار کرنے سے ہوتا ہے جو اس دستور کی حمایت، یا کم از کم جواز کے لئے مقرر کرلیا گیا تھا۔ یونانیوں نے اپنی قدیم تاریخ میں اس دستور کو بعض قوموں کی دماغی کمزوریوں پر محمول کیا تھا جس کا فطری نتیجہ حالت غلامی میں رہنا تھا۔ اہل روما نے بھی اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس کا ماخذ وہ فرضی معاہدہ بنالیا تھا جو فاتح اور مفتوح کے درمیان میں ہوتا تھا،

جس کی رو سے فاتح اپنے دشمنوں سے دوامی خدمت لینا قبول کرتا تھا، اور مفتوح اس معاوضہ میں وہ زندگی حاصل کرتا تھا جو جائز طور سے معرض ضبطی میں آچکی تھی۔ یہ رائیں نہ صرف غلط بلکہ صاف طور سے اس مقصد کے اظہار کے لئے بھی جو پیش نظر تھا ناکافی تھیں، لیکن باوجود اس کے مختلف طریقہ سے ان کے قوی اثرات پڑتے تھے۔ ان سے آقا کے ضمیر کو اطمینان، اور غلام کی تذلیل میں نہ صرف دوام بلکہ زیادتی ہوتی ہوگی۔ ان کا فطری رجحان یہ ہوگا کہ جو ابتدائی تعلق غلامی کو خاندان کے دوسرے تعلقات سے تھا وہ بالکل نظر سے پوشیدہ ہوجائے۔ اس تعلق کا اظہار اگرچہ صاف طریقہ سے نہیں ہوتا مگر قدیم قوانین کے بعض حصوں، اور خصوصاً اس بے مثل نظام قانونی یعنی قدیم روما کے قانون سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

امریکہ کی ریاستہائے متفقہ میں اس امر کی تحقیقات میں بہت کچھ محنت اور علم سے کام لیا گیا ہے کہ آیا سوسائٹی کے ابتدائی مدارج میں غلام خاندان کا ایک مسلمہ رکن سمجھا جاتا تھا یا نہیں؟ ایک معنی میں اس کا جواب یقینی طور سے اثبات میں دیا جاسکتا ہے۔ قدیم قوانین اور اکثر قدیم تاریخیں اس امر کی شاہد ہیں کہ غلام بعض صورتوں میں اپنے آقا کے وارث اور عام جانشین قرار پاتے تھے، اور اس معنی خیز دستور سے، جیسا کہ میں فصل وراثت میں بیان کروں گا، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مخصوص صورتوں میں خاندان کی نیابت اور حکومت پر غلام فائز ہوسکتے تھے۔ امریکہ میں اس مضمون پر جو مباحث ہوئے ان میں بظاہر یہ مان لیا گیا تھا کہ اگر غلامی قدیم خاندان کی ایک رسم تسلیم کرلی جائے تو اس سے زمانۂ حال کی حبشیوں کی غلامی کا اخلاقی جواز نکل آئے گا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کہنے کے کیا معنی ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں غلام خاندان میں شامل تھے؟ اس کہنے کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ ان کی حیثیت ان بدترین خیالات کا ثمرہ نہ تھی جو انسان کے دل میں آسکتے ہیں۔ محض اپنی خوشی اور راحت کے لئے دوسرے

شخص کی جسمانی قوت کو کام میں لانے کی خواہش فی الحقیقت غلامی کی بنیاد ہے۔ اور وہ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی فطرت ہے۔ جب ہم غلاموں کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ وہ قدیم زمانہ میں خاندان کے رکن تھے تو ہم ان لوگوں کے مقصد کو پیش نظر نہیں رکھتے جنھوں نے ان کو خاندان میں لاکر رکھایا رہنے دیا تھا؛ بلکہ ہمارا عام مقصد صرف اس تعلق سے ہوتا ہے جو ان کو خاندان کے دوسرے ارکان کی طرح اپنے آقا سے ہوتا ہے۔ یہ اس عام مقولہ کا نتیجہ ہے، جیسے ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ انسان کے ابتدائی خیالات اس قابل نہ تھے کہ وہ باہمی انفرادی تعلقات کی بنیاد کو خاندان کے تعلقات سے جدا کر کے سمجھ سکیں خاندان بطور خاص ان لوگوں سے مرکب ہوتا تھا جو پیدا ہوتے تھے دوسرے درجہ میں وہ لوگ تھے جو ذریعہ تبنیت اس میں شامل ہو جاتے تھے۔ ان کے علاوہ ایک تیسری جماعت وہ تھی جو صرف بزرگ خاندان کے زیر حکومت ہونے کی وجہ سے شریک خاندان سمجھی جاتی تھی، اور یہ غلام تھے۔ جو لوگ خاندان میں پیدا ہوئے تھے یا بذریعہ تبنیت اس میں داخل ہو گئے تھے یہ لوگ غلاموں سے اس یقین کی بناء پر بڑھے ہوئے تھے کہ معمولی سلسلہ واقعات میں وہ بزرگ خاندان کی حکومت سے ایک دن آزاد ہو کر خود ان اختیارات کے استعمال کے قابل ہو جائیں گے لیکن غلام اس قدر ادنی حیثیت میں نہ تھے کہ وہ خاندان کے دائرہ سے باہر سمجھے جائیں یا وہ حقیر اور بیجان اشیا کے مساوی متصور ہوں۔ اس کا ثبوت صاف طور سے میرے نزدیک ان کثیر آثار سے ملتا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں وہ آخری درجہ میں قابل وراثت قرار پاتے تھے۔ اس امر کے متعلق کوئی قیاس قائم کرنا خطرہ سے خالی نہیں کہ ابتدائے تمدن میں پدرسری حکومت کے اندر غلاموں کی ایک جگہ معین ہو جانے سے ان کی حیثیت میں کیا فرق آیا ہوگا۔ قیاس غالب یہی ہے کہ بیٹا عملی طور سے غلام کے ساتھ منضم کر دیا گیا ہوگا، بظاہر

یہ اس قیاس کا کمتر امکان ہے کہ غلام ان مہربانیوں میں شریک ہو جو آخر آخر میں بیٹوں کے ساتھ کی جانے لگی تھیں۔ مگر ترقی یافتہ قوانین کے متعلق یہ امر ایک حد تک یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں غلامی کی اجازت دی گئی ہے ان میں غلام ان قانونی نظاموں میں زیادہ تر آرام سے ہیں جن میں ان کی قدیم حالت پیش نظر رکھی گئی ہے بہ نسبت ان قانونی نظاموں کے جن میں اُن کی ملکی تندیلی کا کوئی جدید اصول قرار دے دیا گیا ہے۔ غلاموں کے لئے یہ امر نہایت اہم ہے کہ "اصول قانون" انھیں کس نظر سے دیکھتا ہے۔ قانون روما کے اس روز افزوں رجحان کو، کہ غلام مثل دوسرے اسباب خانہ داری کے ہیں، قانون فطرت نے روک دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان قوانین اور آئین میں جن پر روما کے "اصول قانون" کا گہرا اثر پڑا ہے غلاموں کی حالت نا قابل برداشت طور سے خراب نہیں ہے۔ اس کی کافی شہادت موجود ہے کہ امریکہ کی ان ریاستوں میں جنھوں نے لوئیسیانہ کے رومی نما قوانین کو اپنے اصول قانون کی بنیاد قرار دیا، حبشیوں کی حالت اکثر اہم امور میں اس وقت تک بہت بہتر تھی جب تک کہ اصلی قانون کے الفاظ کو اُن جدید ایکٹوں نے چھپا نہیں دیا تھا، جو نہ بہ اتباع ان آئین کے جو انگلستان کے عمومی قانون پر مبنی ہیں، بلکہ بر بنائے خوف جاری کئے گئے تھے۔ ان کی موجودہ تعبیر کے لحاظ سے غلاموں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس لئے وہ مثل دوسرے اسباب خانہ داری کے متصور ہوتے ہیں۔

147

ہم نے قدیم قانون اشخاص کے ان تمام اجزا سے بحث کر لی جو اس کتاب کے مقاصد کے لئے ضروری تھے اور ہمیں امید ہے کہ اس سے "اصول قانون" کی ابتدائی حالت کے متعلق ہمارے جو خیالات تھے وہ زیادہ تر متعین اور واضح ہو گئے ہوں گے۔ حکومتوں کے ملکی قوانین کا آغاز پدر سری خاندان کے حکمران کے الہامی احکام سے ہوتا ہے؛ اور غالباً یہی الہام (Themistes) ان غیر ذمہ دارانہ احکام کی ایک ترقی یافتہ شکل تھی، جو

اس سے بھی قدیم تر تمدن میں ہر ایک خاندان کا بزرگ اپنی بیویوں، بچوں اور غلاموں کو دیتا ہوگا۔ لیکن حکومتوں کے قائم ہو جانے کے بعد بھی، قوانین کا استعمال نہایت محدود رہا۔ بہر حال خواہ ان کی الہامی حیثیت قائم رہی یا وہ ترقی کر کے رسم و رواج یا مجموعہ احکام کی حیثیت میں آ گئے، ان کا نفاذ انفراد قوم پر نہیں، بلکہ خاندانوں پر ہوتا تھا۔ قدیم اصول قانون" اگر ایک غیر کامل یا ناقص تشبیہ جائز رکھی جائے تو، قانون بین الاقوام کی طرح ہے، جو بجائے خود کہیں قائم نہیں ہے۔ مگر ان بڑی بڑی جماعتوں کے، جو تمدن کی عنصر ہیں، درمیانی فاصلوں اور فضاؤں کو بھر دیتا ہے۔ ایسے تمدنوں میں، واضعان قوانین کے قوانین اور عدالتوں کے اختیارات صرف خاندان کے بزرگ پر موثر ہوتے ہیں۔ خاندان کے دوسرے ارکان کے لئے خاندان کا علدرآمد ان کا قانون اور والدین اس کے واضع ہوتے ہیں۔ مگر ملکی قانون کا دائرہ، جو ابتدا میں بہت تنگ تھا، روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اس ابتدائی آئین میں مفروضات، نصفت، اور وضع قوانین، جو قانونی تبدیلیوں کے ذرائع ہیں، باری باری سے داخل ہوتے جاتے ہیں، اور ترقی کے ہر درجہ میں ذاتی حقوق، اور اس سے زیادہ جائداد کے معاملات، خانگی عدالت سے نکلکر عام عدالتوں میں آنے لگتے ہیں، اور حکومت کے احکام رفتہ رفتہ دوسرے حکومتی معاملات کی طرح خانگی معاملات میں بھی موثر ہوتے جاتے ہیں۔ اور اس خود مختار بادشاہ کو جو ہر گھر میں تخت نشین تھا یہ اختیار نہیں رہتا کہ وہ ان احکام کو پس پشت ڈال سکے۔ قانون روما کی تاریخ میں ہمیں قدیم آئین کے انہدام، اور ان کے مصالحہ اور مواد سے جدید آئین کے قیام کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، ان میں سے بعض آئین بجنسہ بلا کسی ردوبدل کے موجودہ دنیا تک پہنچے ہیں۔ اور بعض کو جو تاریک زمانہ کی وحشت کے ہاتھوں تباہ اور برباد ہو گئے تھے نوع انسان نے پھر زندہ کر لیا ہے۔ جب ہم اس

148

"اصول قانون" کی آخری ترتیب کی نوبت پر پہنچتے ہیں جس کا عمل میں لانے والا جسٹینین تھا، تو ہمیں متروک آئین کا پتہ بجز اس حصہ کے جو زندہ والدین کے وسیع اختیارات سے متعلق تھا اور کہیں نہیں ملتا ۔ دوسرے حصوں میں آسانی، سادگی، اور تناسب کے خیالات، جن کے جدید ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا، ان قدیم اور بدمزہ خیالات کے قائم مقام ہوگئے ہیں جو قدما کے ضمیر کو مطمئن کردینے کے لئے کافی تھے ۔ ہر معاملہ میں جدید اخلاق نے اس طرز عمل کے قواعد اور ان کی وجہ قبولیت کو بدل دیا، جو قدیم آئین کے مطابق تھے ۔ اور انھیں سے پیدا ہوئے تھے ۔

149

وہ تحریک جو ترقی کرنے والی جماعتوں میں شروع ہوئی ایک حیثیت سے مسلسل تھی ۔ اس کو ہمیشہ یہ امتیاز حاصل رہا کہ وہ آہستہ آہستہ خاندانی انحصار کو مٹاتی اور اس کی جگہ شخصی ذمہ داری کو قائم کرتی گئی ۔ جن افراد کا ملکی قوانین میں لحاظ کیا جاتا ہے ان میں مسلسل بجائے خاندانوں کے اشخاص قائم ہوتے گئے ۔ اس ترقی کی رفتار مختلف سوسائیٹوں میں مختلف رہی ہے ۔ ایسی سوسائیٹوں کی حالت پر غور کرنے سے جو بالکل جمود کی حالت میں نہیں ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم دستوروں میں جو انحطاط شروع ہوا وہ کافی خوض اور فکر کرنے کے بعد شروع ہوا ہے ۔ خواہ اس کی رفتار کیسی ہی رہی ہو، مگر جو تبدیلی ہوئی اس کے خلاف یا اس کا روکنے والا کوئی امر پیش نہیں آیا ۔ جو ظاہری تعویق ہوئی اس کی بنیاد وہ قدیم خیالات اور رسوم تھے جو بالکل ایک بیرونی ذریعہ سے داخل ہوگئے تھے ۔ اس امر کا دریافت کرلینا کچھ دشوار نہیں ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ کیا تعلقات تھے جنھوں نے رفتہ رفتہ ان باہمی حقوق اور فرائض کو نیست و نابود کردیا جو محض خاندانی تعلقات پر قائم تھے ۔ یہ صرف معاہدہ کے تعلقات تھے ۔ تاریخ کے اس نقطہ اور حالت سے شروع کرکے جس میں انسان کے تمام تعلقات اس کے خاندانی تعلقات تک محدود تھے، ہم نے تمدن کی ایک ایسی شکل کی طرف آہستہ آہستہ

150

قدم بڑھایا ہے جس میں یہ سب تعلقات انسان کے آزاد معاہدہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس بارے میں مغربی یورپ نے بڑی ترقی کی، غلامی کا دستور بالکل مفقود ہو گیا، اور اس کی جگہ نوکر اور آقا کے تعلقات بربنائے معاہدہ قائم ہو گئے۔ عورتوں پر ولایت کا جو بار تھا (اگر ولایت سے بجز شوہروں کے دوسروں کی ولایت مراد لی جائے) وہ بھی اُٹھ گیا۔ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد سے نکاح کے وقت تک جو تعلقات وہ قائم کرے وہ بربنائے معاہدہ متصور ہونے لگے۔ اسی طرح موجودہ یورپ کے تمدنی قوانین میں فرزند زیر اختیار کا کوئی وجود باقی نہ رہا۔ اگر کسی ملکی وجوب کا تعلق بالغ فرزند اور اس کے والدین کے درمیان میں باقی رہ گیا ہے تو وہ وہی ہے جس کو قانون جائز رکھتا ہے۔ اس کے جو ظاہری استثناء ہیں وہ اسی نوعیت کے ہیں جن سے قاعدہ کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ بیٹا جو سن شعور کو نہ پہنچا ہو یا جو یتیم زیر ولایت ہو، یا جو شخص مجنون ثابت ہو چکا ہو، ان سب کی قابلیت اور ناقابلیت کا تصفیہ قانون اشخاص سے کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ مختلف نظامہائے قوانین میں اس کی وجہ مختلف اصطلاحی الفاظ میں بیان کی گئی ہے مگر مقصد سب کا ایک ہے۔ مقننین کا کثیر گروہ اسی اصول پر متفق ہے کہ جس قوم کے لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ان پر نگرانی کی بظاہر صرف یہی ایک وجہ ہے کہ وہ اپنے فوائد کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے ناقابل ہیں، دوسرے الفاظ میں وہ اس شئے سے معرا ہیں جو معاہدہ کرنے میں سب سے مقدم ہوتی ہے۔

اس قانون ترقی کے اظہار کے لئے جو اصول قائم کیا جا سکتا ہے اس میں لفظ (Status) حیثیت کا استعمال مفید طریقہ سے ہو سکتا ہے۔ اس کی صحت کی نسبت خواہ کوئی رائے قائم کی جائے اگر میرے نزدیک وہ کافی طور سے متعین ہے۔ "حیثیت" کی ہر شکل جس سے قوانین اشخاص میں بحث کی جاتی ہے ان اختیارات اور حقوق سے پیدا

ہوئی ہے جو قدیم زمانہ میں خاندان کے ہاتھ میں تھے اور ان کا اثر ابتک چلا آتا ہے۔ پس اگر "حیثیت" کا لفظ بہترین مصنفین کے اتباع میں صرف ذاتی حالات کے متعلق استعمال کیا جائے، اور ایسے حالات کے متعلق کام میں نہ لایا جائے جو معاہدہ کے قریب یا بعید نتائج ہوں، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ترقی کرنے والی جماعتوں کی رفتار کا رخ "حیثیت" سے "معاہدہ" (From Status to Contract) کی طرف رہا ہے۔

152

فصل ششم

وصیتی توریث کی قدیم تاریخ

"اُصول قانون" کی دریافت میں اگر مورخانہ طریقہ کو ان دوسرے طریقوں پر جو انگلستان میں رائج ہیں مرجح ثابت کرنے کی کوشش کی جائے، تو اس مقصد کے لئے بطور تمثیل کے قانون کا کوئی جزو وصیتی جز سے بہتر نہیں متصور ہوسکتا۔ اس کی یہ قابلیت بربنائے اس کی طوالت تواتر اور تسلسل کے ہے۔ اس کی تاریخ کی ابتدا میں ہم اپنے آپ کو ایسے ابتدائی تمدن میں گھرا ہوا پاتے ہیں جس کے قدیم تصورات کو ذہن میں لانا بھی دشوار ہے۔ اُس کی ترقی کی دوسری حد پہ ہمارے سامنے وہ قانونی تصورات آتے ہیں، جو دراصل قدیم تصورات ہیں، گر زمانۂ حال کے اصطلاحات کے لباس میں پوشیدہ ہیں۔ یہاں ایک دوسری دشواری پیش آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہمیں اس امر کا یقین نہیں آتا کہ جو امور ہمارے روزمرہ دماغی ذخیرہ کے اجزا ہیں ان کے تجزیہ اور امتحان کی کوئی ضرورت ہے۔ ان دو حدود کے درمیان میں قانون وصیت کی رفتار ترقی صاف طور سے نظر آتی ہے۔ طریقہ جاگیرداری (Feudalism)

کے شیوع کے وقت بھی اس میں اس قدر درہمی اور برہمی نہ ہونے پائی جس قدر قانون کے دوسرے اجزا کی تاریخ میں پڑگئی تھی۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ قدیم اور جدید تاریخ کی علیحدگی یا یوں کہو کہ سلطنت روما کے زوال سے جو تفرقہ "اصول قانون" کی تمام شاخوں میں پڑگیا اس کی نسبت ضرورت سے زیادہ مبالغہ کیا جاتا ہے۔ اکثر مصنفین کو تو کاہلی نے اس کی اجازت نہ دی کہ وہ اس الجھاؤ کو، جو پرآشوب چھ سو برس کے اینچ پینچ سے بڑھ گیا تھا، سلجھا کر سلسلۂ تعلق کو دریافت کریں۔ دوسرے دریافت کرنے والے جو فطرتاً استقلال اور محنت سے بے بہرہ نہ تھے، اپنے ملک کے نظام قانونی پر بیجا فخر کے باعث اس پر آمادہ نہ ہوئے کہ یہ اقرار کریں کہ وہ اہل روما کے "اصول قانون" کے زیر بار منت تھے۔ لیکن ان غیر مفید رجحانات کا قانون وصیت پر بہت کم اثر پڑا۔ وحشی قومیں مسلمہ طور سے وصیت کے تصور سے معرا تھیں۔ معتبر مصنف اس امر پر متفق ہیں کہ ان مجموعہ قوانین میں جن میں ان کے اصلی اوطان یا ان مقامات کے رسوم درج ہیں جہاں وہ بعدہٗ منتقل ہوکر سلطنت روما کے گردوپیش آباد ہوئے وصیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر جب وہ لوگ اہل روما کے صوبوں کے لوگوں میں مل جل گئے تو انھوں نے اصول وصیت شاہی قانون سے ابتدا میں جزاً مگر بعدہٗ کلاً اختیار کرلیا۔ اس عاجلانہ اختیار میں کلیسائی اثر کو بڑا دخل تھا۔ وصیت ناموں کے درج رجسٹر کرنے، اور محفوظ رکھنے کے، جو حقوق زمانۂ اصنام پرستی کے بعض مندروں کو حاصل تھے وہ بہت جلد کلیسا کے ہاتھ میں آگئے، اور یہی خانگی وصیتیں تھیں جن کی وجہ سے، اس قدیم زمانہ میں بھی، مذہبی ادارات کا قبضہ دنیوی جائدادوں پر ہوگیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ صوبوں کی ابتدائی مذہبی کانفرنسوں میں ان لوگوں پر ہمیشہ لعنت ملامت کی جاتی تھی جو وصیت کی عظمت کے قائل نہ تھے۔ انگلستان میں منجملہ اور اثرات کے یقیناً خاص کلیسائی اثر تھا جس نے قانون وصیت کی تاریخ

ہیں وہ وقفہ نہیں پڑنے دیا جس کا وجود تاریخ مذکور کے دوسرے حصوں میں پورے طور سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک قسم کی وصیتوں کے متعلق مذہبی عدالتوں کو اختیارات دیدیٔے گئے تھے، جن پر عدالت ہائے مذکور بعض اوقات بلا سمجھے بوجھے قانون روما کے اصول نافذ کرتی تھیں۔ اور اگرچہ عمومی اور چانسری کی عدالتیں مذہبی عدالتوں کے فیصلہ جات کی پابندی پر مجبور نہ تھیں، مگر وہ ان مسلمہ قواعد کے پرزور اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں جو دوسری قریب کی عدالتوں میں برتے جاتے تھے۔ پس انگلستان کے وصیتی قانون توریث متعلقہ اشخاص نے وہ تبدیل شدہ شکل اختیار کرلی تھی جس کی رُو سے روما کے باشندوں کا متروکہ تقسیم ہوتا تھا۔

اس امر کا ثابت کرنا کچھ دشوار نہیں ہے کہ اس مضمون پر تاریخ کا لحاظ رکھ کر نظر ڈالنے، اور بغیر تاریخ کی مدد کے اپنے ابتدائی تصورات کے تجزیہ کی کوشش کرنے سے، ہم جن نتائج کے نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص جو وصیت کے معمولی یا قانونی تصور سے شروع کرتا ہے وہ اس کا قائل نہ ہوگا کہ اس میں چند خصوصیات کا پایا جانا لازم ہے، مثلاً یہ کہ وصیت کا عمل لازمی طور سے وفات کے بعد ہوتا ہے، اور وہ ایسے لوگوں سے جن کے حق میں کی جاتی ہے عموماً بطور راز کے پوشیدہ رکھی جاتی ہے، اور قابل انفساخ ہے، یعنی دوسری وصیت کے ذریعہ سے منسوخ ہوسکتی ہے۔ لیکن میں یہ ثابت کرسکوں گا کہ ایک زمانہ ایسا تھا جس میں وصیت کے لئے ان خصوصیات کا پایا جانا لازم نہ تھا۔ وہ عقود انتقال (Testaments) جن سے ہماری وصیت (Will) براہ راست پیدا ہوئی ہے، عمل میں آنے کے ساتھ ہی موثر ہوجاتے تھے۔ وہ نہ راز سمجھے جاتے تھے، اور نہ قابل تنسیخ تھے۔ انسان کے تحریری ارادوں سے جس قدر اس کی جائداد کی تقسیم مابعد الموت متاثر ہوئی،

155

شاید ہی کوئی دوسرا قانونی عمل اس قدر مرکب تاریخی اثرات سے متاثر ہوا ہوگا۔ وصیت نے آہستہ آہستہ اور بتدریج وہ خصوصیات حاصل کئے ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اس کے اسباب اور وہ واقعات جو اس کی پیدایش کے باعث ہوئے اتفاقی کہے جا سکتے ہیں، یا کم از کم ایسے ہیں جن سے ہمیں اس وقت بجز اس کے کوئی تعلق نہیں کہ ان کا اثر قانون کی تاریخ پر پڑتا ہے۔

اُس زمانہ میں جب کہ قانونی اصول موجودہ زمانہ سے زیادہ تھے، (اگرچہ عموماً وہ خام اور فضول تھے، مگر انھوں نے اصول قانون کو اس بدتر اور ذلیل حالت میں آجانے سے بچالیا، جس سے ہم ناواقف نہیں ہیں، اور جس میں کلیات کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا، بلکہ قانون محض مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی سمجھا جاتا ہے) وصیت کے بعض خصوصیات کی جن کا صریحی اور ظاہری احساس فطری طور سے ہوتا ہے، یہ کہہ کر تشریح کرنے کا طریقہ رائج تھا کہ وہ فطری طور سے اس میں شامل ہیں۔ اگر مزید صراحت سے کہا جائے، تو یہ کہ وہ وصیت میں بربنائے قانون فطرت شریک ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ تمام خصوصیات کی ابتدا تاریخ کے زمانہ کی ہے، اور جس اصول سے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے وہ ہماری روزمرہ کی گفتگو میں موجود ہے اور اس کو ہم باوجود علم کے رفع نہیں کر سکتے، اس رائے کا پابند رہ سکتا ہے۔ میں اس کی توضیح ایک ایسے امر سے کرنا چاہتا ہوں جو سترھویں صدی کے قانونی ادب میں بہت زیادہ عام تھا۔ اس زمانہ کے متقنین کا عام طور سے یہ قول تھا کہ وصیت کا اختیار بجائے خود فطری ہے، اور یہ حق قانون فطرت سے ملا ہے۔ ان کی تعلیم، اگرچہ بادی النظر سے ہر شخص اس کا تعلق نہ دریافت کر سکے، فی الحقیقت ان لوگوں کی رائے کا خلاصہ ہے جو اس امر کے قائل ہیں کہ جائداد کو بعد موت تقسیم کرنے کا حق مالکانہ حق کا ایک لازمی اور ضروری نتیجہ ہے۔ اصطلاحی "اصول

156

قانون" کے ہر پڑھنے والے کو اس اصول سے واقفیت کا موقع ملا ہوگا جسے مقننین کی ہر جماعت نے مختلف الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ یہ "اصول قانون" کے اس جز کے معقولات (Rationale) میں" توریث بربنائے وصیت (Extestamento) کو وہ طریقہ انتقال قرار دیتا ہے جو متوفی کی جائداد کو سب سے پہلے اختیار کرنا چاہیئے" اور اس کے بعد توریث بلا وصیت (Abintestato) سے بحث کرتا ہے" اور اس کو مقنن کا ایک شاذ انتظام قرار دیتا ہے جو اس فرض کے ادا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے جو مالک متوفی بے پروائی" یا شومئ قسمت کی بنا پر خود نہ کر سکا تھا۔ یہ مختلف رائیں اس مجمل اصول کی مفصل شکلیں ہیں" کہ وصیتی تقسیم قانون فطرت کا ایک آئین ہے۔ اس امر کا یقین کے ساتھ بیان کرنا کہ موجودہ زمانہ میں جب فطرت اور اس کے قوانین پر غور کیا جاتا ہے تو تصورات کا تسلسل کس طور سے قائم ہوتا ہے نہایت مشکل ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حق وصیت قانون فطرت سے ہے ان کا یا تو یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ عالمگیر ہے" یا یہ کہ قومیں اصلی اور فطری رجحان کی وجہ سے ہمیشہ اس کی منظوری کے لئے آمادہ رہتی ہیں۔ پہلی صورت اگر صاف طریقہ سے پیش کی جائے تو اس کی تائید ایسے زمانہ میں ہونی میرے نزدیک دشوار ہے جب کہ نپولین کے مجموعہ قانون" اور ان قانونی نظاموں نے جو اس کے نمونہ پر بکثرت تیار ہو گئے وصیت کے اختیار میں بہت سی مزاحمتیں عائد کر دی ہیں۔ دوسری صورت کے متعلق یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ قانون کی ابتدائی تاریخ کے مسلمہ واقعات کے خلاف ہے" اور عام طور سے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر ملک کے تمدن میں اصول قانون اس حالت میں رہ چکا ہے کہ اس میں وصیتی اختیارات کے استعمال کی اجازت نہ تھی یا یوں کہو کہ اس کا تصور ہی نہ تھا۔ قبل اس کے کہ قانونی ترقی اس درجہ پہ پہنچی کہ محض مالک کی مرضی بعض شروط کے ساتھ

157

قریب کے رشتہ داروں کے دعاوی پر مرجح متصور ہونے لگی۔
وصیت کا تصور تنہا اور دوسرے امور سے جداگانہ نہیں قائم ہوسکتا۔ وہ سلسلہ تصور کی ایک کڑی ہے، جس کو اس سلسلہ میں مقدم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ بجائے خود وصیت نامہ ایک ایسی دستاویز ہے جس کے ذریعہ سے موصی اپنی مرضی کا اظہار کرتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس دستاویز کے متعلق بحث کریں، میرے خیال میں بعض ابتدائی امور ایسے ہیں جن پر غور کیا جانا ضرور ہے مثلاً یہ کہ وہ کیا ہے، اور متوفی کی وفات کے بعد کس قسم کا حق، کس کی طرف، اور کس طرح منتقل ہوتا ہے؛ اور متوفی کس طرح اس کا مجاز قرار پایا کہ وہ بعد وفات کے اپنی جائداد تقسیم کرسکے۔ وہ مختلف تصورات جن سے وصیت مرکب ہے اصطلاحی زبان میں یکجا کرکے اس طرح ظاہر کیئے جاسکتے ہیں، کہ وصیت نامہ ایک ایسی دستاویز ہے جس کے ذریعہ سے انتقال وراثت کا تعین کیا جاتا ہے۔ وراثت ایک عام جانشینی کی شکل ہے۔ عام جانشینی سے مراد مجموعہ حقوق اور فرائض کی جانشینی ہے۔ اس ترتیب کو الٹ کر ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ عام جانشینی اور توریث کس کو کہتے ہیں، اور عام جانشینی کی کی کون سی شکل ہے جو وراثت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ اور دو سوال ایسے ہیں، جن کو اگرچہ ان سوالات سے زیادہ تعلق نہیں ہے جن کو میں نے پیش کیا ہے، لیکن وصیت کے مضمون پر بحث کی تکمیل کے لیئے ان کا حل ہوجانا بھی ضرور ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ وراثت میں موصی کی مرضی کو کس طرح دخل ہوا، اور اس دستاویز کی کیا نوعیت ہے جس کے ذریعہ سے ایسا دخل دیا جانے لگا۔

158

پہلے سوال کا تعلق "یونیورسٹاس جورس" (Universitas juris) یعنی "مجموعہ حقوق اور فرائض" سے ہے۔ "یونیورسٹاس جورس" حقوق اور فرائض کا وہ مجموعہ ہے جس کو یکجا اور باہم کرنے والا صرف یہی ایک واقعہ ہے کہ وہ ایک زمانہ میں ایک شخص کی ذات میں جمع تھے، گویا وہ ایک مخصوص

شخص کے قانونی لباس تھے۔ وہ اس طرح ترکیب نہیں پائے تھے کہ کسی جگہ سے فرائض اور کسی جگہ سے حقوق لے لئے گئے ہوں، بلکہ وہ ایک ہی مخصوص شخص کے تمام حقوق اور فرائض لے کر بنے تھے۔ جو تعلق کہ جائداد کے مختلف حقوق، حق راہ، حق ہبہ بالوصیت، فرائض تعمیل خاص، دیون، وجوب، اور ادائے ہرجہ کے فرائض اور حقوق کو اس طرح باہم ملاتا ہے کہ وہ "یونیورسٹاس جورس" بن جاتے ہیں، وہی "واقعہ" ان سب کے ایک ایسے شخص کی ذات میں جمع ہوجانے کا باعث ہوتا ہے جو ان کے استعمال کے قابل ہو۔ بغیر اس "واقعہ" کے حقوق اور فرائض کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔ "یونیورسٹاس جورس" کی اصطلاح قدیم نہیں ہے، اس تصور کے لئے "اصول قانون" قوانین روما کا ممنون ہے، اور اس کا سمجھنا کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ اس کا مفہوم ذہن نشین کرنے کے لئے ہمیں ایک تصور کے تحت میں ان تمام قانونی تعلقات کو لانا چاہئے جو ہم میں سے ہر ایک کو دنیا کے بقیہ لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ تعلقات، خواہ ان کی نوعیت اور ترکیب کچھ ہی کیوں نہ ہو، مجموعتاً "یونیورسٹاس جورس" کو بناتے اور قائم کرتے ہیں۔ اس تصور کے قائم کرنے میں غلطی کا بہت کم امکان رہ جائے گا اگر ہم یہ امر پیش نظر رکھیں کہ اس میں فرائض اسی قدر ہیں جسقدر کہ حقوق ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے فرائض ہمارے حقوق سے بڑھے ہوئے ہوں۔ ایک شخص اپنی حیثیت سے زیادہ کا قرض دار ہوسکتا ہے، اس صورت میں اگر اس کے مجموعی قانونی تعلقات کا زرنقد میں تخمینہ کیا جائے تو وہ دیوالیہ کہلائے گا، مگر با ایں ہمہ ان تمام حقوق اور فرائض کی بنا پر جو اس کی ذات میں جمع ہیں وہ "جورس یونیورسٹاس" سے خارج نہیں سمجھا جاسکتا۔

151

اس کے بعد "عام توریث" (Universal succession) کا مسئلہ قابل غور ہے۔ "عام توریث" ایک مجموعۂ حقوق اور فرائض کی جانشینی ہے

اس کا وقوع اس حالت میں ہوتا ہے۔ جب کہ ایک شخص کو دوسرے شخص کا قانونی جامہ پہنا دیا جاتا ہے، اور اسی وقت سے وہ دوسرے شخص کے تمام حقوق اور ذمہ داریوں کا حامل ہو جاتا ہے۔ عام توریث کی صحت اور تکمیل کے لئے یہ امر لازم ہے کہ انتقال حسب اصطلاح قانون "دفعہ واحد" (Unoictu) میں واقع ہو۔ یہ امر بآسانی ذہن میں آسکتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے تمام حقوق اور فرائض مختلف اوقات میں حاصل کرلے، مثلاً مختلف اوقات میں بذریعہ خرید، یا مختلف حیثیتوں سے یعنی جزاً بطور وارث اور جزاً بطور خریدار اور جزاً بطور موہوب لۂ کے، اگرچہ یہ جملہ حقوق اور ذمہ داریاں ملکر ایک شخص کی کل قانونی حیثیت کا مجموعہ ہو جائیں گی، مگر اس طرح کا انتقال "توریث عام" نہیں متصور ہوگا۔ حقیقی "توریث عام" کے لیئے یہ امر لازم ہے کہ جملہ حقوق اور ذمہ داریاں ایک ہی وقت اور ایک ہی حیثیت سے منتقل الیہ کی طرف منتقل ہوں۔ اصول قانون میں "توریث عام" کا تصور "مجموعہ حقوق و فرائض" کی طرح مستقل ہے، اگرچہ انگلستان کے نظام قانونی میں ان مختلف حیثیتوں کی وجہ سے جن کے ذریعہ سے حقوق حاصل ہوتے ہیں، اور سب سے زیادہ اس تفریق کی بنا پر جو جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں کی جاتی ہے، یہ تصور بہت دھندلا ہوگیا ہے، مگر کارروائی دیوالیہ میں مفوض الیہ کا شخص دیوالیہ کی کل جائداد پر قابض ہوجانا "توریث عام" ہے، اگرچہ مفوض الیہ کی حیثیت سے وہ صرف اسی قدر قرضہ ادا کرتا ہے جتنا اثاثہ اس کے ہاتھ آتا ہے۔ یہ ابتدائی تصور کی ایک تبدیل شدہ شکل ہے۔ اگر ہم میں یہ رائج ہوتا کہ کسی شخص کی کل جائداد اس شرط کے ساتھ سپردگی میں لی جاتی کہ اس کا کل قرضہ ادا کیا جائے گا، تو یہ بعینہ اس توریث عام کی شکل ہوتی جو قدیم ترین قانون روما میں بتائی گئی ہے۔ جب روما کا کوئی باشندہ کسی شخص کو جو والدین کی زیر حفاظت نہ ہوتا تھا بطور متبنی کے لیتا تھا تو

160

وہ متبنیٰ کی تمام جائداد کا مالک اور اس کی تمام ذمہ داریوں کا حامل ہو جاتا تھا۔ قدیم روما کے قانون میں توریث عام کی اور بھی مختلف شکلیں تھیں۔ مگر سب سے اہم اور مستقل تر وارث کی وراثت تھی جو ہمارا خاص بحث ہے۔ یہ مورث کی وفات پر واقع ہوتی تھی، اور اس کا عام جانشین اس کا وارث ہوتا تھا، جو کہ اسی وقت سے متوفی کے تمام حقوق اور ذمہ داریوں کا مالک اور مستوجب ہو جاتا، اور شخص متوفی کا قانونی جامہ پہن لیتا تھا۔ غالباً اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے کہ وارث (Haeres or heir) کی مخصوص حیثیت وہی رہتی تھی، خواہ اس کے حق میں وصیت کی گئی اور خواہ وہ بغیر وصیت کی جائداد کا مالک ہوا ہو۔ لفظ وارث کا اطلاق دونوں حالتوں میں یکساں طور پر ہوتا تھا کیونکہ وراثت پہنچنے کے طریقہ کو وارث کی قانونی حیثیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ متوفی کا عام جانشین، خواہ وہ وصیت کے ذریعہ سے ہو یا بلا وصیت، اس کا وارث ہوتا تھا، لیکن یہ ضرور نہ تھا کہ وہ تنہا ہو، ممکن ہے کہ چند اشخاص جن کو قانون بطور فرد واحد کے تصور کرتا ہے وراثت میں وارث کے ساتھ شریک ہوں۔

161

اب ہم توریث کی معمولی تعریف کریں گے جس طرح قانون روما میں کی گئی ہے، جس سے ناظرین ہر جداگانہ لفظ کے پورے زور کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔ ایک شخص متوفی کی تمام قانونی حیثیت کی جانشینی کا نام توریث ہے۔ اصل تصور یہ تھا کہ اگرچہ متوفی کا خارجی وجود ضایع ہو جاتا ہے، مگر اس کا قانونی وجود باقی رہتا ہے، اور وہ بلا کم و کاست اس کے وارث یا ورثا کی ذات میں جذب ہو کر (جہاں تک کہ قانون کا تعلق ہے) چلتا رہتا ہے۔ خود ہمارا قانون بقدر متوفی کے ذاتی اثاثہ کے اس کا قائم مقام وصی یا مہتمم ترکہ کو مقرر کر کے، اس اصول کی توضیح کرتا ہے جس سے یہ تصور پیدا ہوا، اگرچہ اس سے وجہ کا اظہار نہیں ہوتا۔ خود بعد کے قانون روما میں متوفی اور اس کے وارث کی حیثیت میں ایسا قریبی تطابق چاہا جانے لگا

162

تھا جو انگلستان کی قائم مقامی کی خصوصیات میں داخل نہیں ہے۔ اور قدیم "اصول قانون" میں تو تمام تر زور تسلسل جانشینی ہی پر دیا جاتا تھا۔ اگر وصیت نامہ میں متوفی کے تمام حقوق اور ذمہ داریوں کے فوراً وارث یا ورثا پر منتقل ہو جانے کا انتظام نہ ہوتا تھا، تو وہ وصیت بالکل بے اثر قرار پاتی تھی۔

زمانہ حال کے قانون وصیت میں، زمانہ مابعد کے قانون روما کی طرح، سب سے اہم امر موصی کے ارادے اور نیت کی تعمیل ہے۔ روما کے قدیم قانون میں ایسی ہی احتیاط عام توریث کے عطا میں کی جاتی تھی۔ ان دونوں قواعد میں سے ایک قاعدہ ہمیں معقول اور مطابق عقل معلوم ہوتا ہے، اور دوسرا مثل ایک بے معنی وہم کے نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کے بغیر پہلے کا وجود ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ایسا ہی یقینی ہے جس طرح اس قسم کا کوئی اور مسئلہ ہو سکتا ہے۔

اس ظاہری اختلاف کی توضیح، اور اس سلسلۂ خیالات کو جس کے اظہار کی ہم کوشش کر رہے تھے، صاف طور سے ذہن نشین کرنے کے لئے ہمیں اس تحقیق کے نتائج سے مدد لینے کی ضرورت پڑے گی جو ہم ابتدائی فصل میں کر چکے ہیں۔ ہم اس خصوصیت سے واقف ہیں جو تمدن کی ابتدائی حالت کو ممیز کرتی ہے، جس میں انسان کی انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ خاص گروہ کے ایک رکن ہونے کی حیثیت سے بحث کی جاتی ہے۔ ہر شخص سب سے پہلے ایک شہر کا باشندہ ہے اور اس کے بعد بہ حیثیت باشندہ ہونے کے ایک جماعت کا رکن ہے، خواہ وہ جماعت امرا کی ہو، یا غربا، یا خواص، یا عوام، یا اس ذات (Caste) کی جو بد قسمتی سے بعض قوموں کی ارتقا میں بگاڑ پڑ جانے سے قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ ایک قبیلہ کا، اور سب سے آخر میں اپنے خاندان کا ایک رکن ہے۔ موخر الذکر اس کا سب سے تنگ اور محدود ذاتی تعلق کا دائرہ ہے اگرچہ یہ امر بظاہر عجیب نظر آتا ہے، مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ کبھی بذات خود منفرد ہستی نہیں متصور ہوتا تھا۔ اس کی ہستی اس کے خاندان میں ضم ہو کر

163

گم ہو جاتی تھی ۔ میں ابتدائی تمدن کی اس تعریف کا جو میں پہلے کر چکا ہوں اس موقع پر پھر اعادہ کرتا ہوں ۔ ابتدائی تمدن کے افراد اشخاص نہیں بلکہ انسانوں کے وہ گروہ ہوتے تھے جو حقیقی یا خیالی قرابت کے سلسلہ میں منسلک سمجھے جاتے تھے ۔

انھیں غیر ترقی یافتہ تمدنوں میں ہمیں پہلی مرتبہ توریث عام کے آثار نظر آتے ہیں ۔ زمانۂ حال کے انتظام تمدن سے مقابلہ کرکے، ہم قدیم تمدنوں کی نسبت بہ آسانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مختلف ایسی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتوں سے مرکب تھے جو ایک دوسرے سے بالکل جدا تھیں، اور جن میں سے ہر ایک پر حکومت کا ایک ہی حاکم حق رکھتا تھا ۔ اگرچہ بزرگ خاندان، جس کو ابھی تک پدر سری خاندان کے سردار کے نام سے موسوم کرنا ٹھیک نہ ہوگا، ایسے وسیع اختیارات رکھتا تھا، مگر اس میں شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کے ذمہ ایسے ہی وسیع فرائض بھی تھے ۔ اس کا خاندان پر حکومت کرنا اسی خاندان کے فائدہ کے لئے تھا ۔ اور اگر وہ کسی جائداد پر قابض تھا تو وہ اس پر اپنی اولاد اور رشتہ داروں کے امین کی حیثیت سے قابض تھا ۔ اس کی نہ کوئی جداگانہ ایسی حیثیت تھی اور نہ ایسے حقوق تھے جو اس چھوٹی سی جمہوری حکومت کے تعلقات سے جس پر وہ حکمران تھا علٰحدہ سمجھے جاسکیں ۔ حقیقتاً خاندان ایک باضابطہ جماعت تھی اور وہ اس جماعت کا نمایندہ، یا یوں کہو کہ اس کا باضابطہ عہدہ دار تھا ۔ اسی کو حقوق حاصل تھے، اور اسی کے ذمہ فرائض تھے ۔ لیکن وہ سب فرائض اور حقوق، اس کے ہم شہروں اور نیز قانون کی نظر میں، اسی طرح اس کے تھے جس طرح اس کل جماعت کے تھے ۔ اب ایک لحظہ کے لئے ان نتائج پر غور کرو جو ایسے نمایندہ کے فوت ہو جانے سے ظاہر ہوں گے ۔ قانون اور سول مجسٹریٹ کی نظر میں اس خانگی حکمراں کی موت ایک غیر موثر واقعہ ہوگا فرق صرف اتنا ہوگا کہ خاندان

164

کے نمایندے، اور اس شخص کا جو خانگی انتظام کا ذمہ دار تھا نام تبدیل ہوجاتا اور جو فرائض اور حقوق خاندان کے بزرگ کے تھے وہ بلا فصل اس کے جانشین کے متعلق ہوجائیں گے۔ کیونکہ حقوق اور فرائض مذکور فی الحقیقت خاندان کے تھے اور خاندان کی حیثیت ایک جماعت کی تھی جو کبھی نہیں مرتی۔ دائنوں کو جدید بزرگ خاندان کے متعلق ایسے چارہ کار کا حق حاصل رہے گا جو ان کو قدیم بزرگ خاندان کے مقابلہ میں حاصل تھا، کیونکہ ذمہ داری اس خاندان کی تھی جو ہنوز موجود ہے، اور اس وجہ سے اس ذمہ داری میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اسی طرح جو حقوق خاندان کے تھے وہ بزرگ خاندان کے فوت ہوجانے کے بعد بھی باقی رہینگے؛ البتہ اس جماعت کے دعویدار کو کسی قدر تبدیل شدہ نام کے ساتھ دعویٰ دائر کرنا ہوگا، اگر اس قدر قدیم زمانہ کی بابت ہم یہ اصطلاحی اور ٹھیک الفاظ استعمال کرنے کے مجاز متصور ہوں۔

اس امر کے سمجھنے کے لئے کہ جماعت نے کس طرح بتدریج اور آہستہ آہستہ وہ حالت پیدا کی جو اس وقت ہے، اور کن غیر محسوس طریقوں سے وہ تعلقات جو ایک شخص کو اپنے خاندان، اور ایک خاندان کو دوسرے خاندان کے ساتھ ہوتے تھے، ان تعلقات سے مبدل ہو گئے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہوتے ہیں؛ ہمیں "اصول قانون" کی کامل تاریخ پر نظر ڈالنی پڑے گی۔ اور ہمیں یہ نظر آئے گا کہ اس کامل تبدیل کے بعد بھی، جبکہ مجسٹریٹ بڑی حد تک بزرگ خاندان کے قائم مقام ہوگئے تھے، اور خاندانی عدالتوں کی جگہ دیوانی عدالتوں نے لے لی تھی، حقوق اور فرائض کا جو انتظام ان عدالتوں سے عمل میں آتا تھا اس میں منسوخ شدہ حقوق کی جھلک نظر آتی تھی اور اس کا ہر جزو اپنے رنگ سے رنگا ہوا تھا۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ عام جانشینی کا حق (Universitas juris) جسے قانون روما نے وصیتی یا غیر وصیتی توریث میں سب سے مقدم قرار دیا تھا، قدیم تمدن کا الیانشان

165

تھا جسے انسانی دماغ جدید حالت سے جدا نہ کر سکا تھا، اگرچہ اس کو جدید حالت سے کوئی صحیح یا مناسب تعلق نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک متوفی شخص کے قانونی وجود کو اس کے وارث یا ورثاء کی ذات میں کھینچ کر لانا، بلا کم و کاست خاندان کی ایک خصوصیت ہے جو ایک فرضی اصول کی بنا پر ایک شخص کی ذات کی طرف منتقل کر دی جاتی ہے۔ باضابطہ جماعتوں کی توریث لازمی طور سے عام توریث ہونی چاہیئے، اور خاندان ایک باضابطہ جماعت تھی۔ جماعتیں مرتی نہیں۔ جماعت کے کسی رکن کے مر جانے سے مجموعی جماعت کے وجود میں کوئی فرق نہیں آتا، اور نہ اس کے قانونی حقوق، کاروبار، یا اس کی ذمہ داریوں پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ روما کے عام توریث کے تصور میں جماعت کے انھیں سب خصوصیات کا ایک منفرد باشندہ کی ذات میں منتقل کر دیا جانا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی جسمانی موت کا کوئی اثر اس کی قانونی حیثیت پر نہیں پڑنے دیا جاتا۔ بظاہر اسی اصول پر کہ اس کی حیثیت جہاں تک ممکن ہو خاندان کی حیثیت سے جدا نہ ہونے پائے، جو اپنی مجموعی حیثیت کی وجہ سے جسمانی موت کے ناقابل ہے۔

میرے نزدیک یورپ کے دوسرے ممالک کے اکثر مقننین کو اُن مختلف تصورات کی نوعیت کے سمجھنے میں بڑی دقت پیش آئی ہے جس سے "توریث عام" مرکب ہے اور "اصول قانون" کے فلسفہ میں شاید ہی کوئی ایسا مضمون ہو جس کے متعلق ان کے خیالات اور آرا اس قدر ناقابل قدر ثابت ہوئے ہوں۔ مگر انگلستان کے قانون کے پڑھنے والوں کو خیال زیر بحث کے تجزیہ کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت کے پیش آنے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ خود ہمارے قانون میں ایک فرضی اصول ایسا موجود ہے جس سے اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے، اور جس سے تمام مقننین بخوبی واقف ہیں انگلستان کے مقننین، جماعتوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، مجموعی

166

جماعت، اور انفرادی جماعت (Corporation Aggregate and Corporation Sole)
مجموعی جماعت تو وہ ہے جس پر حقیقی جماعت کا اطلاق ہوتا ہے
مگر انفرادی جماعت ایک شخص ہے، جو ایک سلسلہ کے لوگوں میں ایک
رکن ہوتا ہے، اور اس میں ایک مفروضہ اصول کی بنا پر وہ تمام اوصاف
جمع سمجھے جاتے ہیں جو ایک جماعت کے لئے مخصوص ہیں۔ انفرادی
جماعت کی مثال پادشاہ یا ایک حلقہ کا پادری ہے، جس کی صراحت
کی زیادہ ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اس موقع پر حیثیت یا خدمت
اس مخصوص شخص سے جداگانہ سمجھی جاتی ہے جو وقتاً فوقتاً اس پر مامور
ہوتا ہے، اور چونکہ یہ حیثیت دوامی ہوتی ہے اس لئے وہ اشخاص
جو اس خدمت پر مامور ہوتے ہیں مسلسل ایک جماعت کی اہم خصوصیت
یعنی دوام سے متصف متصور ہوتے ہیں۔ قدیم روما کے قانون
میں ایک شخص کا تعلق اس کے خاندان کے ساتھ بعینہٖ ایسا ہی تھا
جیسا کہ انگلستان کے قانونی نظام میں انفرادی جماعت کا تعلق مجموعی
جماعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ خیالات کا ماخذ اور تسلسل بعینہٖ یکساں
ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قانون روما کے وصیتی اصول کے اغراض
کے لئے ہر باشندہ ایک انفرادی جماعت تھا، تو نہ صرف توریث کا
تصور صاف ہو جائے گا، بلکہ اس مفروضہ کا ماخذ بھی ہمیشہ پیش نظر
رہے گا۔ ہمارے یہاں یہ علوم متعارفہ سے ہے کہ پادشاہ انفرادی
جماعت ہونے کی وجہ سے کبھی نہیں مرتا۔ اس کی حیثیت اور جگہ فوراً
اس کا قائم مقام لے لیتا ہے اور انتظام مملکت کے تسلسل میں کوئی وقفہ
نہیں واقع ہونے پاتا۔ رومیوں میں بھی یہ عمل اسی طرح فطری اور
آسان متصور ہوتا تھا، اور حقوق اور فرائض کے انتقال میں موت اسی
طرح نظر انداز کر دی جاتی تھی؛ اور موصی کا وجود اس کے وارث یا ورثا
میں بدستور قائم رہتا تھا۔ ان کے نزدیک قانوناً شخص مذکور وہی ہوتا
تھا، اگر کوئی شخص اپنے وصیت نامہ میں اس اصول کو کہ اس کا حقیقی

167

وجود اس کے بعد فوت وجود سے جداگانہ ہے تعبیری طور سے بھی توڑ دیتا تھا، تو قانون ایسی ناقص دستاویز کو نامنظور کرکے میراث اس قریب تر رشتہ دار کو دلواتا تھا، جس کی حیثیت وراثت قانون سے پیدا ہوتی تھی، نہ کہ کسی ایسی دستاویز سے جس کا غلط طور سے مرتب ہوجانا امکانی امر تھا۔

جب کوئی روما کا باشندہ بلاوصیت یا ایسی وصیت کرکے مرجاتا تھا جو جائز نہ ہوتی تھی تو اس کی اولاد یا اس کے رشتہ دار اس ترتیب سے وارث ہوتے تھے جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ جو شخص یا اشخاص اس کے وارث ہوتے تھے وہ نہ صرف متوفی کے قائم مقام ہوتے تھے، بلکہ اس اصول کے مطابق جس کا ذکر اوپر ہوچکا اس کی تمدنی زندگی اور قانونی وجود کے سلسلہ کو جاری رکھنے والے سمجھے جاتے تھے۔ جب سلسلۂ وراثت بذریعۂ وصیت کے قائم ہوتا تھا اس وقت بھی نتیجہ یکساں رہتا تھا، اگرچہ شخص متوفی اور اس کے ورثا کے ایک ذات شمار کئے جانے کا اصول ہر قسم کی وصیت یا وصیتی قانون کی ہر شکل سے بہت پہلے کا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس خطرہ کا بھی تذکرہ کردیا جائے جو اسی قدر زور کے ساتھ ہمارے دل میں آتا جائے گا جس قدر گہرے ہم اس مضمون میں جائیں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ آیا کسی طرح بھی "وصیت" کا ظہور پذیر ہونا ممکن تھا اگر توریث عام کے ساتھ یہ قابل لحاظ تصورات نہ قائم ہوئے ہوتے؟ قانون وصیت ایک ایسے اصول کا نفاذ ہے جس کی توضیح مختلف فلسفیانہ قیاسات سے کی جاسکتی ہے جو بظاہر ایسے ہی معقول نظر آتے ہیں جیسے کہ وہ بلا ثبوت ہیں؛ یہ اصول موجودہ تمدن کے ہر جز میں دائر و سائر ہے، اور اس کی تائید مصلحت عام کی وسیع تر بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس تنبیہ کا جس قدر اعادہ کیا جائے کم ہے، کہ اصول قانون کے مسائل میں جو امر سب سے زیادہ غلطی کا باعث ہوتا ہے وہ یہ خیال ہے کہ ان اسباب

ہیں جو اس وقت کسی موجودہ آئین کے قائم رکھنے کے محرک ہیں، اور ان خیالات میں جو ابتدا اس آئین کے پیدا ہونے کے باعث ہوئے، لازمی طور سے کوئی مشترکہ جز ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ روما کے قدیم قانون وراثت میں وصیت کا تصور انسان کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے وارث کی ذات میں متصل ہو جانے کے مسئلہ سے اس طرح ممزوج اور مخلوط ہے کہ ان کا ایک دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہے۔

وراثت عام کا تصور، اگرچہ اصول قانون میں مضبوطی کے ساتھ قائم ہو چکا ہے، مگر ایسا نہیں ہے کہ وہ خود بخود ہر واضع قانون کے دماغ میں آ گیا ہو۔ اس وقت جہاں اس کا وجود پایا جاتا ہے، وہاں یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ وہ قانون روما سے آیا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ وصیت اور وصیتی ہبہ کے بہت سے قواعد بھی آ گئے ہیں، جن کو زمانہ حال کے قانون پیشہ اصحاب بغیر اس علم کے کہ ان کو اصل اصول سے کیا تعلق ہے کام میں لاتے ہیں۔ لیکن خالص قانون روما میں یہ اصول کہ "متوفی وارث کی ذات میں موجود رہتا ہے اور گویا موت واقع ہی نہیں ہوئی" بلا کسی شک و شبہ کے وہ مرکز ہے جس کے گرد تمام قانون وراثت، جو وصیتی ہو یا غیر وصیتی، گردش کرتا ہے۔ اس حاوی اصول پر قانون روما کا اس قدر بے دھڑک سختی کے ساتھ عمل کرانا خود ظاہر کر رہا ہے کہ یہ اصول کسی ایسے امر سے پیدا ہوا جو اہل روما کے ابتدائی تمدن میں موجود تھا، جس کا ثبوت قیاس کے حدود سے بہت آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ روما کے آغاز وصیت کے زمانہ کے بہت سے اصطلاحی الفاظ اتفاق سے ابھی تک محفوظ ہیں۔ کیئس میں وہ ترکیب اور تجویز جس کے ذریعہ سے وارث عام بنایا جاتا تھا، اور اس شخص کا قدیم نام بھی موجود ہے جو بعدہٗ وارث کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے علاوہ بارہ لوحوں میں وہ مشہور فقرہ بھی پایا جاتا ہے جس میں وصیت کا اختیار صاف طور سے تسلیم کیا گیا ہے، اور بلا وصیتی توریث کے متعلق جو احکام تھے وہ بھی

169

محفوظ ہیں۔ ان سب قدیم فقرات میں ایک نمایاں خصوصیت پائی جاتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ موصی سے وارث کو پہنچتا تھا وہ خاندان تھا، یعنی ان حقوق اور فرائض کا مجموعہ جو والدین میں پائے جاتے اور ان کی اس حیثیت سے پیدا ہوتے تھے۔ مادی جائداد کا تین جگہ مطلق ذکر نہیں ہے۔ البتہ دو جگہ اس کی صراحت خاندان کے متعلقات کے طور سے ہوئی ہے۔ پس ابتدائی وصیت نامہ یا اس کی کارروائی (کیونکہ ابتدا میں وصیت نامہ غالباً تحریری نہ ہوتا تھا) ایک ایسی دستاویز تھی جس کے ذریعہ سے خاندان کا انتقال عمل میں آتا تھا۔ یہ اس امر کے اعلان کا ایک طریقہ تھا کہ موصی کے بعد کون شخص سردار قبیلہ قرار پایا۔ جب وصیت ناموں کا اصلی مقصد سمجھ میں آگیا، تو پھر ان کا تعلق "سکرا" (Sacra) یعنی خاندانی مراسم سے جو قدیم مذاہب اور قوانین کی عجیب یادگار ہیں، سمجھ میں آجانا کچھ دشوار نہیں رہتا۔ یہ ان مراسم کی رومی شکل تھی جن کا وجود ہر ایسے تمدن میں پایا جاتا ہے جس نے اپنے آپ کو کلیتہً قدیم مراسم سے علحدہ نہیں کرلیا ہے۔ یہ "سکرا" قربانیاں اور وہ رسمیں ہیں جن کے ذریعہ سے خاندان کی قرابت اور بھائی بندی کی یاد قائم رکھی جاتی ہے؛ اور جو اس کی مداومت کی ضامن اور شاہد ہوتی ہیں۔ ان کی نوعیت خواہ کچھ ہو، اور خواہ یہ امر صحیح ہو یا نہ ہو کہ ان کا تعلق ہر صورت میں کسی قدیم خیالی بزرگ خاندان کی پرستش سے ہوتا ہے، یہ مسلم ہے کہ وہ ہر جگہ خاندانی تعلقات کی عظمت اور توقیر کی توثیق کے لیے کام میں لائی جاتی ہیں۔ اور اس لئے ایسے موقع پر کہ خاندان کے وجود کا سلسلہ اس کے بزرگ یا سردار کے بدل جانے سے معرض خطر میں آجاتا ہے، وہ نمایاں طور سے ممیز اور اہم نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانی حکمران کے فوت ہوجانے کے ضمن میں ان کا ذکر زیادہ تر سننے میں آتا ہے۔ ہندوؤں میں متوفی کی جائداد کا حق وراثت اس کے کریا کرم کرنے کے فرض کے ساتھ ملحق ہے۔ اگر یہ رسمیں ٹھیک طور

176

سے نہیں ادا کی جاتیں، یا صحیح شخص ادا نہیں کرتا، تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ متوفی اور شخص پس ماندہ میں کوئی تعلق قائم نہیں ہوا، ایسی صورت میں نہ قانون وراثت نافذ ہو سکتا، اور نہ متوفی کی جائداد کا کوئی شخص وارث ہو سکتا ہے۔ ایک ہندو کی زندگی کا ہر اہم واقعہ اِن مراسم کا محرک اور ان سے متعلق ہوتا ہے۔ اگر وہ شادی کرتا ہے تو اس کی یہی غرض ہوتی ہے کہ اولاد پیدا ہو تاکہ اس کے مرنے کے بعد مراسم مذکور ادا کئے جا سکیں اگر اولاد نہیں ہوتی، تو دوسرے خاندان سے گود لینا اس کا اہم ترین فرض ہے، تاکہ حسب بیان شارح دھرم شاستر وہ متوفی کا "پنڈ پانی اور کریا کرم کر سکے"۔ سسرو کے زمانہ میں رومی "سکرا" (خاندانی مراسم) کی وسعت کچھ اس سے کم نہ تھی، وہ بھی توریث اور تبنیت پر حاوی تھا۔ کوئی تبنیت اس وقت تک عمل میں نہ آسکتی تھی جب تک کہ اس خاندان کے جہاں سے لڑکا لیا جاتا تھا پورے مراسم ادا نہ کر لیئے جاتے تھے، اور نہ کبھی وصیت کے ذریعہ سے متوفی کی کوئی جائداد تقسیم ہو سکتی تھی جب تک کہ ان مراسم کے اخراجات ٹھیک حصوں میں شرکائے وراثت سے وصول نہ ہو جاتے تھے۔ 171

اُس وقت کے قانون روما میں جب کہ ہمیں یہ مراسم آخر مرتبہ نظر آتے ہیں، اور ہندوؤں کے موجودہ قانون میں جو فرق ہے اس سے ہمیں بہت کچھ معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کے قانون میں مذہبی جز بہت غالب ہو گیا ہے، قانون اشخاص کی تمامتر، اور قانون اشیا کی بڑے درجہ تک بنیاد خاندانی قربانیوں پر قائم ہے۔ ان میں حد سے زیادہ وسعت ہوتی گئی، اور یہ رائے ایک حد تک معقول معلوم ہوتی ہے کہ بیوہ کا اپنے متوفی شوہر کے ساتھ ستی ہو جانا، جو ہندوؤں میں تاریخی زمانہ تک جاری تھا، اور جس کا پتہ دوسری ہندی یورپی قوموں میں بھی ملتا ہے، قدیم "سکرا" پر ایک قسم کا اضافہ تھا۔ اور یہ اس خیال کا اثر تھا کہ تمام صدقات میں بہترین صدقہ انسانی جان ہے،

جو ہمیشہ قربانی کے ساتھ ملحق رہا ہے۔ برخلاف اس کے اہل روما میں قانونی اور مذہبی فرائض باہم مخلوط نہ رہے۔ "سکرا" کو مذہبی شکل میں لانا قانون ملک کے لحاظ سے لازم نہ رہا، بلکہ وہ مذہبی پیشواؤں کے دائرۂ اختیار میں آگیا۔ جو خطوط سسرو نے اٹیکس (Atticus) کو لکھے ہیں اور جن میں جا بجا ان مراسم کا حوالہ ہے، ان کے دیکھنے کے بعد اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ توریث پر ایک ناقابل برداشت بار تھے، چونکہ ترقی کی وہ منزل جہاں سے قانون مذہب سے جدا ہوجاتا ہے گزر گئی ہے، اس لیئے ہم آیندہ کے اصول قانون میں ان کا مطلق وجود نہ پانے کے لیئے آمادہ ہیں۔

172 ہندوؤں کے قانون میں حقیقی وصیت کا کہیں پتہ نہیں۔ اس کی جگہ تبنیت ہے۔ اختیار وصیت اور قابلیت تبنیت میں جو تعلق ہے، اور ان دونوں کی عمل آوری میں جس وجہ سے مراسم خاندانی کے ادا کیئے جانے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ یہاں سے ظاہر ہوجاتی ہے وصیت اور تبنیت دونوں حالتوں میں خاندان کے تسلسل میں تفرقہ اور خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، لیکن بظاہر دونوں تجویزیں اسی غرض سے ہیں کہ جب کوئی ایسا قرابت دار موجود نہ ہو جو اس سلسلہ کو جاری رکھ سکے تو وہ سلسلہ کلیتہً منقطع نہ ہونے پائے۔ ان دونوں تجویزوں میں سے تبنیت، یعنی فرضی قرابت کے قیام نے قدیم اقوام کے بڑے حصہ میں رواج پایا۔ ہندوؤں نے قدیم دستور پر اتنا ضرور اضافہ کیا کہ بیوہ کو ایسی حالت میں تبنیت کا اختیار دے دیا جب کہ اس کے شوہر نے یہ عمل کسی وجہ سے ترک کر دیا ہو۔ بنگال کے مقامی دستوروں میں اختیار وصیت کے کچھ غیر نمایاں نشانات ضرور پائے جاتے ہیں۔ لیکن وصیت کے ایجاد کا اعزاز خاص طور سے اہل روما کا حصہ ہے، جس کو معاہدات کے بعد انسانی تمدن کے تبدیل کر دینے میں بڑا دخل رہا ہے۔ جو کام موجودہ زمانہ میں ان سے لیئے جاتے ہیں انکو وصیت

کی قدیم شکل سے متعلق کرنے میں ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ابتداءً وصیت جائداد متوفی کی تقسیم کا ذریعہ نہ تھی، بلکہ منجملہ اور طریقوں کے خاندان کی نمایندگی کو جدید سردار کی طرف منتقل کرنے کی ایک صورت تھی۔ وارث یقیناً جائداد کا مالک ہوتا تھا، مگر اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ خاندان کی حکومت کے انتقال کے ساتھ مشترکہ جائداد پر تصرف کا اختیار بھی اس کی طرف منتقل ہوجاتا تھا۔ وصیت کی تاریخ میں ابھی ہم اس منزل سے بہت دور ہیں جس میں وہ جائداد کو دورہ اور گردش میں رکھنے کی ترغیب اور حقوق مالکانہ میں نرمی پیدا کرکے قوموں کی حالت بدل دینے میں بڑا کارآمد ذریعہ ثابت ہوئی۔ روما کے آخری عہد کے مقننین بھی یہ نہیں سمجھے تھے کہ اختیار وصیت کے ساتھ اس قسم کے نتائج کو کوئی تعلق ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ اہل روما وصیت ناموں کو جائداد اور خاندان کی تقسیم، یا دوسرے مختلف اقسام کے اغراض پیدا کرنے کے ذرائع نہیں تصور کرتے تھے، بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے ذریعہ سے خاندان کے ارکان کے لئے بہتر انتظام ہوتا ہے جو بلا وصیتی توریث کے قواعد پر عمل کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہمیں یہ شبہ کرنے کی یقیناً گنجائش ہے کہ اہل روما کے تصورات وصیت نامہ لکھتے وقت ان تصورات سے بالکل جدا تھے جن سے ہم اس زمانہ میں آشنا ہیں۔ تبنیت اور وصیت کو خاندان کے اجرا کا ایک ذریعہ سمجھنے کا یہ نتیجہ تھا کہ اہل روما کے خیالات شاہی توریث کے متعلق غیر معمولی طور سے نرم تھے۔ یہ امر صاف طور سے نظر آتا ہے کہ قدیم شہنشاہوں کی یکے بعد دیگرے جانشینی معقول طور سے باضابطہ متصور ہوتی تھی، اور باوجود ان تمام واقعات کے جو پیش آئے، تھیوڈوسیس (Theodosius) اور جسٹینین (Justinian) سے شہزادوں کا اپنے آپ کو قیصر اور اگسٹس کے خطابوں سے مخاطب کرنا بیجا یا نامعقول نہیں

173

متصور ہوا۔
ابتدائی جماعتوں کے واقعات پر روشنی پڑنے کے بعد، سترھویں صدی کے مقننین کی اس رائے سے کہ توریث بلا وصیت کو وصیتی توریث پر تقدم حاصل ہے، جسے وہ مشتبہ قرار دیتے تھے، انکار کرنا محال ہوجاتا ہے۔ اس مسئلہ کے طے ہوجانے کے بعد یہ دلچسپ سوال پیش آتا ہے کہ ابتداءً وصیت کی ہدایتوں کے ذریعہ سے کسطرح اور کن حالات میں خاندان پر اختیارات کے منتقل ہونے، اور موت کے بعد تقسیم جائداد کا عمل شروع ہوا۔ اس سوال کے حل کرنے میں جو دقت پیش آتی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ قدیم جماعتوں میں وصیت کے اختیارات بہت شاذ تھے۔ یہ امر بھی مشتبہ ہے کہ آیا وصیت کے صحیح اختیار سے کوئی ابتدائی تمدن بھی بجز رومیوں کے واقف تھا۔ اس کی ابتدائی شکلیں جا بجا نظر آتی ہیں، مگر ان کا بڑا حصہ اس شبہ سے خالی نہیں کہ وہ رومیوں سے اخذ کی گئی ہیں۔ اتھینیا (یونان کا پائے تخت) کی مروجہ وصیت یقیناً اسی ملک کی تھی، مگر وہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ناکامل اور بے ربط تھی۔ شاہی روما کے وحشی فاتحوں کے ان قوانین میں جو ہم تک پہنچے ہیں جس وصیت کی اجازت ہے وہ یقیناً اہل روما کی ہے۔ جرمنی میں ان وحشیوں کے قوانین (Leges Barbarorum) کے متعلق بڑی چھان بین ہوئی ہے، جس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہر نظام قانونی کے وہ اجزا جو بطور دستور اس قوم کے اصلی اوطان میں جاری تھے ان اجزا سے علیحدہ کردئے جائیں جو قانون روما سے اتفاقی طور سے مستعار لے لئے گئے ہیں۔ اس عمل نے یہ امر بالکل صاف کردیا کہ مجموعہ قوانین کے قدیمی اور اصلی اجزا میں وصیت کا کہیں پتہ نہیں چلتا، جو کچھ قواعد وصیت کے متعلق ہیں وہ اہل روما کے اصول قانون سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اسیطرح (جہاں تک میں نے سنا ہے) یہودیوں کے فقہا کے قوانین میں جو کچھ

174

تھوڑا بہت وصیت کے متعلق ہے وہ اہل روما کے میل جول کی وجہ سے ہے۔ وصیت کی ایک شکل جس کا تعلق رومیوں یا یونانیوں سے نہیں ہے، اور جو ایک درجہ تک ملکی سمجھی جا سکتی ہے وہ ہے جو بربنائے رسم ورواج بنگال میں تسلیم کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ صرف انگریزی اور ہندوستانی مقننین کی ایجاد ہے، اس کی حیثیت بھی ایک غیر کامل اور ابتدائی وصیت سے زیادہ نہیں متصور ہوگی۔ 175

جس قدر اور جس قسم کی شہادت اس بارہ میں دستیاب ہوتی ہے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ابتداءً وصیت اسی وقت نافذ ہوتی تھی جب کہ ایسے لوگ موجود نہ ہوتے تھے جو کہ حقیقی یا فرضی شرکت خون کی بنا پر وراثت کے مستحق ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے جب اتھینیا کے باشندوں کو پہلی مرتبہ قوانین سولن (Solon) کی رو سے وصیت کرنے کا اختیار دیا گیا تو وہ اپنی نرینہ اولاد کے سلسلہ کے لوگوں کو محروم کر دینے سے ممنوع کر دئے گئے تھے۔ اسی طرح بنگال کی وصیت کا اثر وراثت پر اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ وہ خاندان کے خاص خاص قابل ترجیح دعاوی کے خلاف نہ ہو۔ یہودیوں کے اصلی قوانین میں وصیت کے حق کا کہیں پتہ نہیں چلتا، ان کے زمانۂ مابعد کے اصول فقہ کی رو سے جو قانون موسوی کی فرد گذاشتوں (Casus Omissi) کی اصلاح کے دعویدار ہیں، وصیت کا نفاذ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ وہ رشتہ دار جو قانون موسوی کے لحاظ سے وارث قرار پا سکتے ہیں غیر موجود یا مفقود الخبر ہوں۔ جرمنی کے قدیم مجموعہ قوانین میں اصول وصیت جن شرائط کے ساتھ مشروط ہیں اور جو ان مجموعوں کے اجزا قرار پا چکے ہیں وہ بھی قابل لحاظ ہیں اور اسی نتیجہ کی طرف منجر ہوتے ہیں۔

اکثر ان جرمنی قوانین کی جس شکل میں کہ وہ ہم کو پہنچے ہیں، یہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ وہ علاوہ خاندانی مشترکہ جائداد (Allod) کے مختلف نوع اور اقسام کی ماتحت جائدادیں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ غالباً ان میں

سے ہر ایک اہلِ روما کے ایک جداگانہ اصول کو قدیم ٹیوٹانی دستوروں کے قالب میں ڈھال لینے سے پیدا ہوئی ہے ۔ جرمنی کی قدیم یا مشترکہ خاندانی جائداد قرابت داروں کے لئے مخصوص ہے۔ وہ وصیت کے ذریعہ سے منتقل نہیں ہوسکتی ہے اور اس کا انتقال مابین زندہ اشخاص کے بھی مشکل ہے ۔ ہندوؤں کے قانون کی طرح قدیم جرمنی قانون بھی نرینہ اولاد کو ان کے باپوں کے ساتھ شریک اور مالک جائداد قرار دیتا ہے اور خاندانی اوقاف (موروثی جائداد) بغیر خاندان کے تمام ارکان کی رضامندی کے علیحدہ نہیں کئے جاسکتے۔ مگر دوسری قسم کی جائداد جو موروثی جائداد کی نسبت زمانۂ حال کی اور ادنیٰ قسم کی ہو (جائداد مکسوبہ) وہ اس سے زیادہ تر آسانی کے ساتھ منتقل ہوسکتی ہے، اور اس کے انتقال کے قواعد بہت زیادہ نرم ہیں۔ ایسی جائداد کی وارث عورتیں اور ان کی اولاد بظاہر اس اصول پر ہوسکتی ہے کہ جائداد مذکور سلسلۂ ذکور کے مقدس دائرۂ قرابت سے باہر واقع ہے ۔ یہی اور اسی قسم کی جائداد تھی جس پر ابتدا ان وصیتوں کا جو اہل روما سے اخذ کی گئی تھیں نفاذ ہوتا تھا۔

176

اہل روما کی وصیت کی قدیم تاریخ میں مسلمہ واقعہ کی جو قیاسی توضیح کی جاتی ہے اس کی مزید تائید ان چند تفصیلات سے بھی ہوتی ہے ۔ اس امر کے متعلق کافی شہادت کا موجود ہونا بیان کیا جاتا ہے کہ رومی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں وصیتوں کی تعمیل (Comitia Calata) باشندگان روما کے شرفاء کی مجلس میں اس وقت ہوتی تھی جب کہ مجلس مذکور خانگی معاملات پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوتی تھی ۔ اسی طریقۂ تعمیل کی بنا پر یہ مقولہ عہدہ داروں میں پشتہا پشت زبان زد رہا کہ تاریخ روما کے ایک عہد میں ہر وصیت کی حیثیت ایک باضابطہ مجریہ قانون کی ہوتی تھی مگر ایسی توضیح کی طرف توجہ کرنے کی احتیاج نہیں معلوم ہوتی جس میں یہ نقص موجود ہو کہ اس سے ایک قدیم مجلس کی کارروائی میں ضرورت سے زیادہ

177 باضابطگی کا اظہار ہوتا ہو مجلس مذکور میں وصیت کی تعمیل کا جو قصہ ہے اس کی صحیح تفسیر اہل روما کے قانون توریث بلا وصیت میں تلاش کرنی چاہیئے۔ اہل روما کے قدیم "اصول قانون" کے وہ قواعد جن کا تعلق قرابتداروں کی باہمی وراثت سے تھا، جب تک کہ دیوانی عہدہ داروں کے مجریہ قوانین (Edictal law of the Praetor) سے غیرمتاثر رہے، حسب ذیل تھے:— اول۔ اولاد صلبی جو علاحدہ نہ کردی گئی ہو وارث ہوتی تھی۔ اولاد صلبی کے نہ ہونے کی صورت میں اس کی جگہ قریب کا ایک جدی رشتہ دار لیتا تھا یعنے وہ قریب کا شخص یا جماعت جو متوفی کے ساتھ ایک بزرگ خاندان کی حکومت میں رہتی تھی۔ اس کے بعد تیسرا اور اخیر درجہ وہ تھا جس میں وراثت اغیار (Gentiles) یعنی متوفی کی قوم (Gens or House) کے جملہ اشخاص کو پہنچتی تھی۔ قوم، جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں، خاندان کی ایک فرضی توسیع تھی جس میں روما کے تمام شریف باشندے جو ایک ہی نام سے موسوم ہوتے تھے، اور جو اسی بنا پر یک جدی خیال کئے جاتے تھے، شریک تھے۔ یہ شرفا کی مجلس جو (Comitia Curiata) کے نام سے موسوم تھی واضع آئین و قوانین تھی، اور اس میں تمام خاندانوں کے نمایندے شریک ہوتے تھے، وہ اہل روما کی نمایندہ مجلس تھی، اور اس مفروضہ پر قائم تھی کہ حکومت کا انفرادی اور اصلی جز خاندان (Gens) ہے۔ اس سے جو نتیجہ لازمی طور سے نکل سکتا ہے وہ یہی ہے کہ اس مجلس کا وصیتوں کو تسلیم کرنا اغیار (Gentiles) کے حقوق سے تعلق رکھتا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ آخر میں وہ لوگ اپنے حقوق وراثت سے محروم نہ رہ سکیں۔ یہ تمام ظاہری بے ترتیبی اس وقت رفع ہوجاتی ہے جب 178 یہ فرض کرلیا جائے کہ وصیت کا کرنا اسی وقت جائز تھا جب کہ موصی کے رشتہ داران بعید (Gentiles) معلوم نہ ہوسکتے تھے، یا وہ لوگ اپنے حقوق سے دست بردار نہ ہوجاتے تھے، اور نیز یہ کہ روما کی عام مجلس شرفاء میں ہر وصیت اس غرض سے پیش ہوتی تھی کہ وہ لوگ جنھیں اس

تقسیم سے نقصان پہنچا ہو اگر چاہیں تو اس کو منسوخ کرا دیں یا اس کے لفافہ کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار کریں، جس کی بنا پر یہ قیاس کیا جاسکے کہ وہ اپنے حقوق عودی سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ بارہ الواح کی اشاعت کے چند روز قبل ہی اس تنسیخ کے اختیار میں بہت کچھ کمی ہو گئی ہو، یا وہ کبھی کبھی اور بطور شاذ کام میں لایا جاتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مجلس کے اختیارات کا مفہوم اور آغاز بیان کر دینا اس کی تدریجی ترقی اور انحطاط کے پتہ چلانے سے بہت زیادہ آسان ہے۔

وہ وصیت جس سے اس زمانہ کے تمام وصیت ناموں کا پیدا ہونا ظاہر ہوتا ہے وہ وصیت نہیں ہے جس کی تعمیل "مجلس کلاٹا" (Comitia Calata) میں ہوتی تھی، بلکہ ایک دوسری وصیت ہے جو اس کے مقابلہ کے لئے تجویز ہوئی تھی، اور جس کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ اسے منسوخ کر کے خود اس کے قائم مقام ہو جائے۔ اس ابتدائی رومی وصیت کو ایسی تاریخی عظمت حاصل ہے، اور اس سے قدیم خیال پر اس قدر روشنی پڑتی ہے کہ میرا اسے بہ مجبوری کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا قابل معافی متصور ہوگا۔

جب قانون کی تاریخ میں اختیار وصیت پر ہماری نظر پہلی مرتبہ پڑتی ہے تو ہمیں اسی کے آثار نظر آتے ہیں کہ اہل روما کے دوسرے اہم آئین کی طرح یہ آئین بھی شرفا اور عوام کے مابین باعث نزاع رہا ہے۔ اس سیاسی مقولہ کا اثر کہ "عام شخص کسی خاندان کا رکن نہیں ہو سکتا" یہ تھا کہ روما کی مجلس شرفا (Comitia Curiata) میں عوام داخلہ سے قطعاً ممنوع تھے۔ بعض محققین نے اسی بنا پر یہ رائے قائم کی ہے کہ عوام میں سے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنی وصیت شرفا کی مجلس میں پڑھ یا پڑھوا سکے، اور اس لحاظ سے وہ وصیت کے اختیار سے کلیتہً محروم ہو گیا تھا۔ دوسرے محققین اس توضیح پر مطمئن ہو گئے

179

ہیں کہ مجوزہ وصیت کو ایک ایسی بیگانہ مجلس ہیں پیش کرنا جس ہیں موصی کا کوئی نمایندہ نہ ہو سختی سے خالی نہ تھا۔ ان دونوں ہیں سے خواہ کوئی رائے صحیح ہو، بہر حال وصیت کی ایک ایسی صورت رائج ہو گئی جس ہیں ایسی تجویز کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو کسی ناپسندیدہ فرض سے جان بچانے کے لئے نکالی گئی ہو۔ وصیت زیر بحث ایک انتقال مابین اشخاص زندہ تھا یعنی موصی کے گھر اور جائداد کا، کامل اور ناقابل تنسیخ طور سے اس شخص کی طرف منتقل کردینا جس کو وہ چاہتا تھا کہ اس کا وارث ہو۔ قانون روما کے صریح قواعد کے لحاظ سے ایسے انتقال کی اجازت ضرور ہوگی، لیکن جب مقصد یہ ہوتا ہوگا کہ اس کا نفاذ بعد وفات کے ہو اس وقت یہ بحث پیش آتی ہوگی کہ آیا بغیر مجلس شرفا کی باضابطہ منظوری کے ایسا انتقال وصیتی مقاصد کے لئے جائز متصور ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس بارہ ہیں باشندگان روما کے دو فریقوں میں اختلاف تھا، تو اس کو دوسرے اسباب رشک و حسد کے ساتھ ساتھ "دس ارکان کی عظیم عدالت" نے جو بطور سمجھوتے کے قائم ہوئی تھی، رفع کردیا۔ بارہ الواح کی یہ عبارت اسوقت تک موجود ہے کہ "خاندان کے باپ کا جس طرح اپنی جائداد کے متعلق منصوبہ ہوگا اور اس کا جو انتظام چاہے گا، وہی قانون ہوگا" اس قانون کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ عوام کی وصیت قانونی جواز کا پیرایہ اختیار کرلے۔

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ مجلس شرفا، اس کے بعد بھی کہ وہ حکومت روما کی مجلس واضعان آئین و قوانین نہ باقی تھی، صدیوں تک باضابطہ طور سے اپنے اجلاس خانگی کاموں کی آسانی کے لئے کرتی رہی ہے، اس لئے یہ سمجھنے کی گنجائش ہے کہ حکومت عشرہ کے قوانین (Decemviral Law) کے اجرا کے بعد بھی مجلس شرفا کا انعقاد وصیتوں کی تصدیق کے لئے ہوتا رہا ہوگا۔ اس کے فرائض کے

180

اظہار کے لئے غالباً یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ ریجسٹریشن کی ایک عدالت تھی، جو وصیتیں پیش ہوتی تھیں وہ کہیں درج نہیں کی جاتی تھیں صرف ارکان مجلس کے سامنے پڑھ دی جاتی تھیں جن کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان کے مضامین سے واقف ہوکر ان کو یاد رکھیں گے۔ یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ اس قسم کی وصیتیں مطلق معرض تحریر میں نہیں آتی تھیں، لیکن اگر وہ ابتداً لکھی ہوئی ہوتی تھیں تو مجلس کا فرض صرف اس قدر ہوتا تھا کہ وہ ان کو بآواز بلند پڑھوا کر سن لے، اس کے بعد یہ دستاویز یا تو خود موصی کے قبضہ میں رہتی تھی یا کسی مذہبی جماعت کی حفاظت میں رکھوا دی جاتی تھی۔ جو وصیت نامے مجلس شرفا میں تکمیل پاتے تھے ان کے مضامین افشا ہوجاتے تھے اور یہ منجملہ اور امور کے ایک سبب اس کے عوام میں ناپسند کئے جانے کا ہوگیا۔ شاہی سلطنت کے قیام کے ابتدائی زمانہ تک یہ مجلس اپنے اجلاس کرتی رہی مگر وہ محض ایک شکل ہی شکل رہ گئی تھی۔ اور اس کے موقت اجلاسوں میں بہت کم یا یوں کہو کہ مطلق وصیت ناموں کا پیش ہونا موقوف ہوگیا تھا۔

قدیم عوام کی وصیت تھی، جسے اُس وصیت کا بدل کہنا چاہئے جس کا تذکرہ ہم ابھی کرچکے ہیں، اور جس کے بعید اثرات نے موجودہ دنیا کی تہذیب میں اس قدر تبدیلی کر دی ہے۔ اُس نے روما میں وہ ہردلعزیزی حاصل کرلی جو ان وصیتوں سے مفقود ہوچکی تھی جو مجلس شرفا میں پیش ہوتی تھیں۔ اس کے تمام خصوصیات کا راز اس میں پوشیدہ ہے کہ وہ قدیم روما کے دستاویزات انتقال یا "مین سی پیم" (Mancipium) سے پیدا ہوئی، جسے بلا تامل ان دو بڑے آئین کا بانی مبانی کہنا بیجا نہ ہوگا جن کے بغیر موجودہ تمدن کا قائم رہنا سخت مشکل ہے یعنی معاہدہ اور وصیت۔ رسم "مین سی پیم" (Mancipium) جو بعد کی لاطینی تحریریں (Mancipation) ہوگئی اپنے خصوصیات کی بنا پر ہم کو تمدن کی ابتدائی حالت کی طرف لے جاتی ہے، کیونکہ وہ اگر تحریر کی ایجاد کے قبل نہیں تو

181

کم از کم اس کے رائج اور عام استعمال میں آنے سے بہت پہلے معرض ظہور آچکی تھی، اس لیے اشارات، علامتی افعال، اور رسمی فقرات، تحریر کے قائم مقام قرار پائے۔ ان طویل اور پیچیدہ مراسم کا مقصد یہ ہے کہ معاملہ کی اہمیت کی طرف فریقین کی توجہ مبذول ہو، اور وہ معاملہ گواہوں کے حافظہ پر منقش ہوجائے۔ چونکہ زبانی معاملہ بمقابلہ تحریری کے ناقص ہوتا ہے اسی وجہ سے اس تعداد اور مقدار میں گواہوں اور مددگاروں کی ضرورت محسوس ہوئی جو تعداد ہمیں زمانۂ مابعد میں معقول اور مناسب حد سے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اہل روما کے Mancipation میں سب سے پہلے فریقین یعنی بائع اور مشتری یا اگر آج کل کی قانونی اصطلاحات سے کام لیا جائے تو انتقال کنندہ اور منتقل الیہ کا موجود رہنا ضرور تھا۔ پانچ گواہوں کے علاوہ ایک عجیب شخص یعنی ترازوکش کی بھی ضرورت واقع ہوتی تھی، جو اپنے ساتھ ایک ترازو لے کر اس غرض سے آتا تھا کہ روما کے غیر مسکوک مسی سکوں کو تولے۔ جس وصیت سے ہم بحث کر رہے ہیں اور جو "وصیت معہ سکہ و ترازو" کی اصطلاح سے ایک زمانہ تک مشہور رہی وہ ایک معمولی قسم کی Mancipation تھی جس کی شکل اور الفاظ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ وصی انتقال کنندہ ہوتا تھا، پانچ گواہ اور ترازوکش موجود رہتے تھے، اور منتقل الیہ کا قائم مقام ایک شخص ہوتا تھا جو اصطلاحاً "مشتری خاندان" (Familiae emptor) کے نام سے موسوم ہوتا تھا۔ اس کے بعد "مین سی پیشن" (Mancipation) کی معمولی رسم، مقررہ اشاروں اور خاص فقرات کے ساتھ جو زبان سے ادا کئے جاتے تھے، شروع ہوجاتی تھی۔ "مشتری خاندان" فرضی طور سے قیمت ادا کرنے کی شکل بناتا اور ایک سکہ سے ترازو کو بجاتا تھا اور آخرکار موصی اس تمام کارروائی کی تصدیق مقررہ الفاظ میں جو Nuncupatio یا "اعلان معاملہ" کے نام سے موسوم تھے کرتا تھا۔ مجھے قانون پیشہ لوگوں کو یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ "اعلان معاملہ" ایک

182

ایسا فقرہ ہے جس کی معاملات وصیت میں ایک طویل تاریخ ہے۔ البتہ جو شخص "مشتری خاندان" کے نام سے موسوم ہوتا تھا اس کی حیثیت کی جانب بطور خاص توجہ کرنا ضرور ہے۔ اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ابتدا وارث ہی "مشتری خاندان" ہوتا تھا، اور موصی اسی کی طرف اپنا تمام خاندان، یعنی جملہ وہ حقوق جو وہ خاندان پر یا خاندان کے ذریعہ سے رکھتا تھا، اور اپنی جائداد، اپنے غلام، اور اپنے تمام آبائی حقوق اور اس کے ساتھ اس کے تمام فرائض اور ذمہ داریاں منتقل کر دیتا تھا۔

ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھ کر، ہم ان بعض قابل لحاظ خصوصیات کو معلوم کر سکتے ہیں، جو اس قسم کی وصیت کی ابتدائی شکلوں کو جسے "وصیت ذریعہ بیع و شری" کہنا بیجا نہ ہوگا، زمانۂ حال کی وصیت سے جدا کرتے ہیں۔ چونکہ اس وصیت سے موصی کی جائداد قطعی طور سے منتقل ہو جاتی تھی، اس لئے وہ قابلِ تنسیخ نہ تھی، وہ اختیار دوبارہ کام میں نہیں لایا جاسکتا تھا جو ایک مرتبہ کام میں آکر ختم ہو چکا ہوتا تھا۔ علاوہ اس کے وہ کوئی راز نہ ہوتا تھا۔ "مشتری خاندان" چونکہ خود وارث ہوتا تھا، اس لیئے وہ اپنے حقوق سے بخوبی واقف ہوتا تھا، اور جانتا تھا کہ وراثت کا قطعی طور سے وہی مستحق ہے۔ اس علم کو اس زبردستی اور زیادتی نے جس سے قدیم قوموں کا بہتر سے بہتر تمدن بھی خالی نہ تھا بیحد خوفناک بنا دیا تھا۔ ان وصیتوں کو انتقالات کے ساتھ جو تعلق پیدا ہوگیا تھا اس کا غالباً سب سے زیادہ تعجب انگیز نتیجہ یہ تھا کہ وراثت فوراً وارث کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔ بہت سے مدبران ملک کو یہ امر اس قدر ناقابل یقین معلوم ہوا کہ انھیں مجبوراً کہنا پڑا کہ موصی کی جائداد کا انتقال موصی کی موت کے ساتھ مشروط ہوتا ہے؛ یا اس کا آغاز ایک غیر متعینہ وقت یعنی معطی کی وفات سے ہوتا ہے۔ مگر اہل روما کے "اصول قانون" کے آخر زمانہ تک بعض

183

ایسے معاملات تھے جن میں شرط کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، اور نہ وہ وقت سے محدود یا متاثر ہوتے تھے۔ اصطلاحی زبان میں یوں کہا جاتا ہے کہ وہ شرط اور وقت (Conditio or dies) کو قبول نہیں کرتے تھے۔ "مین سی پیشن" (Mancipation) زیر بحث بھی منجملہ انہیں معاملات کے تھی، اور اس لیئے، اگرچہ ہم کو عجیب معلوم ہو، مگر مجبوراً ہم کو یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ روما کی ابتدائی وصیتیں فوراً نافذ اور موثر ہوجاتی تھیں گو کہ موصی وصیت کے بعد زندہ بھی رہے۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ ابتداً باشندگان روما اپنے وصیت نامے صرف مشروط بہ موت مرتب کرتے ہوں گے، اور جو انتظام قیام خاندان کے لیئے ایک نوجوان شخص کی طرف سے عمل میں آتا ہوگا وہ بجائے وصیت کے تبنیت کی شکل اختیار کرتا ہوگا۔ اس پر بھی ہم کو یہی باور کرنا چاہیئے کہ اگر موصی بیماری سے صحت یاب ہوجاتا ہوگا تو وہ محض اپنے وارث کی اجازت اور مرضی سے خاندان پر حکومت کرتا ہوگا۔

قبل اس کے کہ میں یہ بتاؤں کہ یہ نقائص کس طرح دور کیئے گئے اور وصیتوں میں وہ خصوصیات کس طرح پیدا ہوگئے جو عام طور سے اس زمانہ میں اُن سے متعلق سمجھے جاتے ہیں مجھے دو تین امور بیان کرنے ضرور ہیں۔ ابتدا میں وصیتوں کا ضبط تحریر میں آنا ضرور نہ تھا بظاہر وہ ہمیشہ زبانی ہوا کرتی تھیں۔ آخر زمانہ میں بھی دستاویزات استقرار ہبہ بالوصیت کو وصیت کے ساتھ جو تعلق تھا وہ اتفاقی تھا، ان کا لازمی جز نہ تھا۔ ان دستاویزات کو وصیت کے ساتھ وہی تعلق تھا جو دستاویزات

184

حق تمتع (Deedleading the uses) کو انگلستان کے قدیم قانون کے انتقال کے وقت کے نذرانوں (Fines) اور تنفیخ انتقال (Recoveries) کے ساتھ تھا، یا جو تعلق دستاویز عطیہ حقیت منتقل قابل ارث (Feoffment) کو خود ایسی حقیت کے ساتھ ہوتا تھا۔ بارہ الواح سے قبل کسی قسم کی تحریر کارآمد نہ ہوسکتی تھی، کیونکہ موصی ہبہ بالوصیت کا مجاز ہی نہ تھا۔

وصیت سے جس شخص کو فائدہ پہنچ سکتا تھا وہ صرف وارث اور شریک وارث تھا۔ الواح کے فقرات کی انتہائی عمومیت سے یہ اصول پیدا ہوا کہ وارث کو وراثت پر ان ہدایات کے ساتھ قبضہ کرنا چاہیئے جو موصی دے، دوسرے الفاظ میں اسے وراثت وصیتی ہباؤں کے ساتھ لینی چاہیئے۔ اس بنا پر تحریری وصیتی دستاویزات کو ایک جدید وقعت حاصل ہوگئی، اور اس کا امکان باقی نہ رہا کہ وارث بد دیانتی سے موہوب لہٗ کے حقوق سے انکار کرسکے، گر موصی کو اس کا اختیار آخر تک باقی رہتا تھا کہ وہ گواہوں کی شہادت پر پورا بھروسہ کرے اور زبانی ان وصیتی ہباؤں کا اعلان کرے جن کا ادا کرنا مشتری خاندان کے ذمہ قرار پایا ہو۔

"مشتری خاندان" کی اصطلاح قابل توجہ ہے۔ لفظ مشتری (Emptor) سے ظاہر ہوتا ہے کہ وصیت لفظاً ایک معاملہ بیع سمجھا جاتا تھا۔ لفظ خاندان (Familia) کا مقابلہ جب بارہ الواح کی عبارت سے کیا جاتا ہے تو اس سے بعض مفید نتائج نکلتے ہیں۔ "فیملیا" (Familia) کا لفظ مستند لاطینی میں ہمیشہ غلام کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس جگہ اور نیز قدیم اہل روما کی قانونی زبان میں اس میں وہ تمام لوگ شامل تھے جو موصی کے اختیار پدری میں رہتے تھے، اور اس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی تمام مادی جائداد خاندان کے ساتھ بطور اس کے ضمیمہ کے منتقل ہوجاتی تھی۔ جب بارہ الواح کے قانون پر توجہ کی جاتی ہے تو اس میں (Tutela vei suae) "ولایت جائداد" کے الفاظ پائے جاتے ہیں، جو اس عبارت کے بالکل خلاف ہے جس سے ہم ابھی بحث کرچکے ہیں۔ اس سے بجز اس کے کوئی دوسرا نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اس قریب زمانہ میں بھی جب کہ دس ججوں کی عدالت کا قیام ہوچکا تھا ایسے الفاظ جن سے "خاندان" اور "جائداد" کا مفہوم پیدا ہوتا تھا مروجہ زبان میں رائج تھے۔ اگر ایک

1°5

شخص کا خاندان اس کی جائداد کہا گیا ہوتا تو ہم اس کی تصریح یوں کرتے کہ اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اختیار والدین کی حد تک ہے، لیکن چونکہ دونوں الفاظ کا تبادلہ باہم دگر ہوتا ہے اس لئے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ انداز بیان ہمیں اس قدیم زمانہ کی طرف لے جاتا ہے جس میں جائداد کا مالک خاندان ہوتا تھا، اور خاندان پر باشندگان شہر کی حکومت ہوتی تھی۔ اس طور سے جماعت کے ارکان نہ اپنی جائداد کے مالک ہوتے تھے، اور نہ اپنے خاندان کے، بلکہ اپنی جائداد کے بذریعہ اپنے خاندان کے مالک ہوتے تھے۔

ایک زمانہ میں جس کا صحیح طور سے تعین کرنا کچھ آسان نہیں ہے، اہل روما کے ملکی عہدہ دار اُن وصیتوں پر عمل کرنے کے عادی ہوگئے جن کی تکمیل میں قانون کے الفاظ سے زیادہ تر ان کے مقاصد کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اتفاقی فروگذاشتیں قابل معافی قرار پاتی اور نادانستہ طور سے مسلمہ عملدرآمد کی شکل اختیار کرتی گئیں؛ یہاں تک کہ وصیت کی ایک بالکل جدید شکل پیدا ہوکر منظورہ "اصولِ قانون" میں داخل ہوگئی۔ اس جدید یا سرکاری وصیت کی تمام تر قوت کا انحصار نصفت روما (Jus Honorarium) پر تھا۔ کبھی ان سالانہ منتخب شدہ حاکموں (Praetor) میں سے کسی نے اپنے تقرری اعلان میں ایک فقرہ اس مضمون کا شریک کردیا ہوگا کہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تمام ایسی وصیتوں کو جائز قرار دے جو ان مراسم کے ساتھ تکمیل پائی ہوں، چونکہ یہ اصلاح مفید پائی گئی اس لئے اس کا اعادہ یکے بعد دیگرے اس کے جانشین کرتے رہے ہوں گے یہاں تک کہ وہ اس "اصول قانون" کا ایک مسلمہ جز ہوگئی۔ جو اس تواتر کی وجہ سے "مدامی یا مسلسل حکم" کے نام سے موسوم کی جانے لگی۔ اگر پریٹروں کی ایک جائز وصیت (Praetorian Will) پر غور کیا جائے تو صاف طور سے معلوم ہوگا کہ اس کی تشکیل بیعی وصیت (Mancipatory Testament) کی ضرورتوں پر ہوئی ہے۔۔۔ بظاہر ہر جدید

عہدہ دار (Praetor) نے بطور خود یہ قرار دے لیا ہوگا کہ وہ قدیم مراسم کو اس حد تک قائم رکھے گا جو ان کی صحت کی ضمانت' اور ان کو جعل اور فریب سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی متصور ہوں۔ بیعی وصیتوں کی تکمیل کے لئے علاوہ موصی کے سات آدمیوں کی حاضری ضروری سمجھی جاتی تھی' اسی طرح پریٹروں کی مجوزہ وصیت کے لئے سات آدمی ضروری قرار پائے' ان میں سے دو " ترازوکش" اور " مشتری خاندان" کے مماثل سمجھے جاتے تھے' مگر اب اپنی علامتی حیثیت سے علیحدہ ہو کر صرف شہادت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ کوئی علامتی رسم ادا نہ ہوتی تھی' صرف وصیت پڑھ دی جاتی تھی۔ اور اس صورت میں (اگرچہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا) موصی کے انتقالات کے متعلق شہادت محفوظ رکھنے کے لئے غالباً وصیت کا تحریری ہونا لازمی تھا۔ بہر حال جب کوئی تحریر بحیثیت کسی شخص کی آخری وصیت کے پڑھی یا پیش کی جاتی تھی تو یقین ہے کہ پریٹروں کی عدالت اسے مخصوص مداخلت کی بنا پر کبھی قبول نہ کرتی تھی جب تک کہ سات گواہوں نے علیحدہ علیحدہ اپنی مہریں اسکی پشت پر ثبت نہ کردی ہوں۔" اصول قانون" کی تاریخ میں تصدیق کے لئے مہروں کے ثبت کئے جانے کا یہ پہلا منظر ہے۔ مہروں کا استعمال صرف بندش کے لئے اس سے بہت پہلے کا ہے۔ اور بظاہر اس سے یہودی واقف تھے۔ مگر اہل روما کی مہریں جو وصیت ناموں' یا دوسری اہم دستاویزات پر ثبت ہوتی تھیں وہ نہ صرف مقر کے عطیہ یا رضامندی کی علامت تھیں' بلکہ ان کا مقصد بندش بھی تھا' اور ان کو تحریر پڑھنے کے لئے توڑنا پڑتا تھا۔ 187

اس لئے " قانون مصدرہ" (Edictal Law) موصی کے ان انتقالات کو جائز قرار دیتا تھا جن میں بجائے بیعی وصیت کے مراسم ادا کئے جانے کے سات گواہوں کی مہریں تصدیقاً ثبت ہو جاتی تھیں۔ مگر یہ عام اصول کے طور سے کہا جاسکتا ہے کہ اہل روما کی

جائداد کی خصوصیات بجز خاص خاص طریقوں کے جو قانون ملکی کے ابتدائی وقت سے چلی آتی تھیں، نا قابلِ انتقال متصور ہوتی تھیں۔ اور اس لئے حاکم اس کا مجاز نہ تھا کہ ارث کو جدھر چاہے منتقل کردے۔ وہ کسی وارث یا شریک وارث کے لئے وہ تعلق نہیں پیدا کرا سکتا تھا جو خود موصی اور اس کے حقوق اور فرائض میں قائم تھا۔ جو کچھ وہ کرسکتا تھا وہ صرف اس قدر تھا کہ جو شخص وارث کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسے عملاً متروکہ سے متمتع ہونے کی اجازت دے، اور موصی کے دیون میں جو رقم ادا کی جائے اسے قانونی برات کا مرتبہ عطا کرے۔ جب حاکم مذکور ان اغراض کے لئے اپنے اختیارات کام میں لاتا تھا تو اصطلاحی طور سے کہا جاتا تھا کہ اُس نے نصفتی قبضۂ جائداد (Bonorum possessio) عطا کیا۔ جو وارث اس مخصوص طور سے قابض بنادیا جاتا تھا وہ قانون ملکی کے لحاظ سے ہر مالکانہ حق کا مجاز تھا۔ تمام فوائد سے اسے استفادہ کی اجازت تھی، اور وہ انھیں منتقل کرنے کا بھی مجاز تھا، لیکن اسے ہر ناجائز فعل کی چارہ جوئی کے لئے، زمانۂ حال کی اصطلاح کے مطابق، قانون ملکی کی طرف نہیں، بلکہ عدالت کے شعبۂ نصفت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسے وراثت میں نصفتی ملکیت حاصل تھی تو شائد زیادہ غلط نہ ہو۔ لیکن اس تشابہ سے غلط فہمی نہ واقع ہونے کے لئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایک سال کے قبضۂ جائداد کے بعد اس پر قانون روما کے ایک دوسرے اصول کا عمل شروع ہوجاتا تھا۔ جو "حق بوجہ قدامت" (Usucapion) کے نام سے موسوم ہوتا تھا جس کی بنا پر قابض تمام متروکہ (Quiritarian) کا مالک ہوجاتا تھا۔

ہم کو قدیم ملکی قانون کی عمل آوری کا علم اس قدر کم ہے کہ ہم یہ نہیں بتاسکتے کہ جو مختلف چارہ کار عدالت پریٹری (Praetorian Tribunal) سے ادا کئے جاتے تھے ان میں سے کون زیادہ اور

188

کون کم مفید تھا۔ مگر یہ امر یقینی ہے کہ بیعی وصیت، جس کے ذریعہ سے جملہ حقوق بغیر کسی کمی کے فوراً منتقل ہوجاتے تھے، جدید وصیت سے مفقود یا مطلق زائل نہ ہوسکی۔ اور ایسے زمانہ میں جب کہ قدیم طریقوں کے ساتھ زیادہ تر تعصب نہ برتا جاتا تھا، اور جب کہ غالباً لوگ ان کے مفہوم سے پوری طرح واقف ہی نہ رہے تھے، قانون داں اصحاب کی تمام کوشش قدیم تر دستاویز (طریقہ) کی اصلاح کی طرف مصروف رہی۔ کیئس کے عہد میں جو کہ خاندان انٹنی کے قیاصرہ کا معاصر تھا بیعی وصیت کے اہم نقائص رفع کر دئے گئے تھے۔ ابتدا میں، جیسا کہ ہمیں معلوم ہوچکا ہے، مراسم کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ خود وارث کو "مشتری خاندان" ہونا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وارث کو نہ صرف فوراً حق پہنچ جاتا تھا بلکہ وہ باضابطہ طور سے اپنے حق سے واقف ہوجاتا تھا۔ لیکن کیئس کے زمانہ میں یہ اجازت ہوگئی تھی کہ کوئی غیر متعلق شخص "مشتری خاندان" کا قائم مقام ہوسکتا تھا۔ اس طور سے یہ ضروری نہ رہا کہ وارث اپنی جانشینی کے واقعہ سے مطلع ہو، اور اس کے بعد سے وصیت ناموں میں راز کی صفت پیدا ہوگئی۔ اشتراء خاندان کی رسوم میں بجائے حقیقی وارث کے غیر شخص کی قائم مقامی سے اور بھی بہت سے بعیدہ نتائج پیدا ہوئے۔ اس کے جائز قرار پا جانے کے بعد ہی اہل روما کی وصیت کے دو اجزا یا دو مراتب قرار پا گئے۔ ایک انتقال، جو صرف ایک ظاہری شکل تھی، دوسرے اعلان (Nuncupatio)۔ کارروائی کی اس موخر الذکر نوبت پر موصی کو یا تو زبانی اپنے مددگاروں سے ان امور کو بیان کرنا ہوتا تھا جو وہ چاہتا تھا کہ اس کی وفات کے بعد عمل میں لائے جائیں؛ یا وہ ایک تحریری دستاویز پیش کرتا تھا جس میں اس کی خواہشات مندرج ہوتی تھیں۔ جب تک فرضی انتقال کی طرف سے خیال بالکل ہٹ کر اعلان پر نہیں جما اور وہ معاملہ کا اصل جز نہیں سمجھا گیا، اس وقت تک یہ ممکن نہ ہوا کہ وصیت نامے قابل تنسیخ قرار پائیں۔

189

اس طور سے میں وصیت کے شجرے کو ایک حد تک قانونی تاریخ میں لے آیا ہوں۔ اس کا اصل اصول وہ قدیم وصیت ہے جو ترازو اور سکوں کے ساتھ کی جاتی تھی، اور جو انتقال یا "مین سی پیشن" پر قائم تھی۔ اس قدیم وصیت میں بہت سے نقائص تھے جو عدالت شرفا کے قوانین نے مختلف طریقوں سے رفع کردے۔ اس عرض مدت میں مقننین کی دقیق نظری نے معمولی قانونی یا بیعی وصیت میں وہی اصلاحیں اور ترقیاں کیں جو عہدہ دار اسی زمانہ میں نصفت میں کرتے رہے تھے۔ ان موخرالذکر ترقیوں کا انحصار محض قانونی طباعیوں پر تھا، یہی وجہ ہے کہ کیئس اور الپین کے زمانہ میں وصیتی قانون ہمیں ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے بعد جو تبدیلیاں ہوئیں اُن سے ہمیں واقفیت نہیں، مگر آخر کار جسٹینین کے اصول قانون کو از سرِ نو مرتب کرنے کے قبل ہم یہ پاتے ہیں کہ سلطنت روما کے مشرقی حکومت کے باشندے وصیت کی ایسی شکل اختیار کئے ہوئے ہیں جس کا نسبی شجرہ ایک طرف عدالتی وصیت اور دوسری طرف بیعی وصیت سے جا ملتا ہے۔ عدالتی وصیت کی طرح اس میں بیع کی ضرورت نہ تھی، مگر جب تک اس پر سات گواہوں کی مہر نہ ہوتی تھی وہ ناقابل نفاذ قرار پاتی تھی۔ بیعی وصیت کی طرح اس سے کل متروکہ منتقل ہوجاتا تھا، نہ صرف قبضۂ استفادہ۔ اس وصیت کے مختلف اہم خصوصیات ایسے تھے جو صریح قوانین موضوعہ سے پیدا کئے گئے تھے، اور انہیں تینوں ماخذ یعنی اعلان مجریہ حکام، ملکی قوانین، اور شاہی آئین کی وجہ سے جسٹینین نے قوانین وصیت کو اپنے زمانہ میں "قانون مثلث الماخذ" (Jus Tripertitum) کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ جدید وصیت جس کی ہم نے تفصیل کی عام طور سے رومی وصیت کہلاتی ہے۔ مگر اس کا رواج صرف روما کی مشرقی سلطنت میں تھا۔ "سوگنی" (Savigny) کی تحقیقات سے ظاہر ہے کہ

۱۹۰

مغربی یورپ میں قدیم بیعی وصیت معہ تمام آلات انتقال مثل سکہ اور ترازو کے قرون وسطیٰ تک رائج اور شائع رہی۔

فصل ہفتم

وصیتوں اور توریث (جانشینی) کے متعلق قدیم اور جدید خیالات

اگرچہ موجودہ یورپ کے قوانین وصیت کا بڑا جز وصیتی انتقال کے اُن قدیم ترین قواعد سے ملا ہوا ہے جو ایک زمانہ میں انسانوں میں رائج تھے، تاہم وصیت اور جانشینی کے متعلق قدیم اور جدید خیالات میں بڑا فرق ہے، اور میں اس فصل میں ان میں سے بعض اختلافات کو بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

ایسے زمانہ میں، جو الواح عشرہ کے زمانہ سے صدیوں قبل تھا، ہم مختلف ایسے قواعد پاتے ہیں جو اولاد کو محروم الارث کر دینے کے انسداد کے لئے اہل روما کے ملکی قانون میں اضافہ کیئے گئے تھے۔ حکام کے اختیارات کا رجحان بھی اسی مقصد کے حصول کی طرف پایا جاتا ہے، اور ہمارے سامنے ایک جدید چارہ کار بھی پیش کیا جاتا ہے، جو اپنی نوعیت میں نرالا اور جس کا ماخذ غیر یقینی ہے، اور جو "عرضی دعوائے متعلقہ وصیت ناواجب" کے

نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور جس کا مقصد اس اولاد کی وراثت کو دوبارہ قائم کر دینا ہے جس سے وہ اپنے باپ کی غیر منصفانہ وصیت کی بنا پر خارج کر دی گئی تھی۔ قانون کی اس حالت کو الواح عشرہ کی عبارت سے مقابلہ کرنے کے بعد، جس میں وصیت کے متعلق وسیع اختیارات پائے جاتے ہیں، بعض مصنفین کو قانون وصیت کی تاریخ میں بہت سے بے سروپا افسانے داخل کر دینے کی ترغیب ہوئی۔ اُن کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کو محروم الارث کر دینے کی کارروائیاں دفعتاً بکثرت بزرگان خاندان کی طرف سے عمل میں آنے لگیں، اور اس جدید عمل سے عامہ خلائق کے اخلاق پر برا اثر پڑنے لگا، اور حکام نے والدین کی اس بداخلاقی کو روکنے میں جس جرأت کا اظہار کیا وہ پسندیدہ نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ یہ قصہ اگرچہ خاص واقعات متعلقہ کے لحاظ سے بے بنیاد نہیں ہے، لیکن اکثر اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے قانونی تاریخ کے اصول کی سخت غلط فہمی کا اظہار ہوتا ہے۔ جو قانون الواح عشرہ میں درج ہے اس کی توضیح اُس زمانہ کے خیالات کے لحاظ سے ہونی چاہیئے جس میں وہ نافذ ہوا۔ قانون مذکور اس رجحان کی اجازت نہیں دیتا جس سے اختلاف کرنے کی ضرورت زمانۂ مابعد نے محسوس کی، بلکہ اس مفروضہ پر چلا ہے کہ ایسا کوئی رجحان موجود ہی نہ تھا، یا شاید یوں کہنا بہتر ہوگا کہ وہ ایسے رجحان کے وجود کو ممکن ہی نہ سمجھتا تھا۔ یہ امر بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ اہل روما محروم الارث کر دینے کا اختیار فوراً آزادی کے ساتھ کام میں لانے لگے تھے۔ یہ فرض کر لینا تمام دلائل اور صحیح تاریخ فہمی کے بالکل خلاف ہوگا کہ خاندان کی غلامی کا وہ جوا جو ہمارے علم میں ایسے مقامات میں جہاں وہ سب سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے نہایت صبر کے ساتھ اُٹھایا جاتا ہے، اُس معاملہ میں گردن سے

192

اتار کر پھینک دیا جائے گا جس میں ہمارے زمانہ میں بھی اس کا قائم رہنا بجز نظر استحسان کے اور کسی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ بارہ الواح کے قانون میں وصیت کی اجازت اسی صورت میں دی گئی تھی جس میں وصیت کا کیا جانا ممکن سمجھا جاتا تھا، یعنی اولاد اور قریب کے رشتہ داروں کے موجود نہ ہونے کی صورت میں۔ اس میں اولاد کے سلسلۂ مستقیم کے لوگوں کو محروم الارث کر دینے کی کوئی ممانعت نہ تھی، کیونکہ ایسی صورت کے لئے کسی امتناعی قاعدہ کے بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی جس کی طرف اس زمانہ کے کسی مقنن کا ذہن منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ جب رفتہ رفتہ اہل خاندان کی محبت ابتدائی ذاتی فرائض میں داخل نہ رہی تو کبھی کبھی اولاد کو محروم الارث کر دینے کی کوشش کی جانے لگی۔ لیکن حکام کی مداخلت اس بری عادت کی عمومیت کی بنا پر شروع نہیں ہوئی، بلکہ یقینی طور سے اس کا پہلا محرک یہ ہوا کہ اس قسم کا غیر فطری خیال شاذ اور نادر، اور اس زمانہ کے مروجہ اخلاق کے خلاف تھا۔

روما کے قانون وصیت کے اس جز سے جن امور کا اظہار ہوتا ہے وہ بالکل دوسری قسم کے ہیں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اہل روما کبھی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وصیت خاندان کو محروم الارث کر دینے، یا متروکہ کو غیر مساوی طور سے تقسیم کرنے کا، ایک ذریعہ ہے۔ جوں جوں اصول قانون میں وسعت ہوتی گئی اُن قواعد کی تعداد اور سختی میں اضافہ ہوتا گیا جو اس غرض سے وضع کئے جاتے تھے کہ وصیت ان اغراض کے لئے کام میں نہ لائی جا سکے۔ یہ قواعد مجموعی طور سے اہل روما کے مستقل خیالات کے مطابق تھے، کسی مخصوص شخص کے اتفاقیہ احساسات کے تغیر و تبدل کا کوئی اعتبار نہ تھا۔ اس سے ظاہر ہو گا کہ اختیار وصیت کی زیادہ تر قدر اور وقعت اس بنا پر تھی کہ اس سے خاندان کے لئے انتظام کر جانے اور متروکہ کو منصفانہ اور مساویانہ طور سے تقسیم کرنے میں مدد ملتی تھی، جس کی امید وراثت بلا وصیت کی صورت میں نہیں کی جا سکتی تھی۔ اگر وہ

اندازہ جو اس بارہ میں عام خیالات کی نسبت قائم کیا گیا ہے صحیح ہے تو اس سے ایک حد تک اس امر کی تشریح ہوجاتی ہے کہ اہل روما میں بلا وصیت مرجانا کیوں ہمیشہ سخت ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ وصیت کے حق سے محروم ہوجانے سے بڑھ کر کوئی دوسری مصیبت نہیں سمجھی جاتی تھی' اور دشمن کے حق میں اس سے سخت تر کوئی بد دعا نہیں متصور ہوتی تھی کہ وہ بغیر وصیت کے مرجائے۔ ہمارے زمانہ کے احساسات کی جو شکلیں ہیں ان میں سے کوئی شکل اس کے مماثل موجود نہیں ہے یا یوں کہو کہ اگر موجود ہے تو اس کی شناخت آسان نہیں رہی ہے' ہر زمانہ میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی جائداد کے منتقل الیہ کو پہلے سے متعین کرلے' بجائے اس کے کہ وہ اپنا یہ فرض قانون پر چھوڑ جائے۔ لیکن اہل روما کو جو شغف وصیت کے ساتھ ہے وہ اپنی شدت کی بنا پر تو ہم سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ اسے اس خاندانی فخر سے بھی کوئی تعلق نہیں جو محض طریقۂ جاگیرداری کا نتیجہ تھا' اور جس کی بنا پر ایک خاص قسم کی جائداد تنہا ایک نمایندہ کے ہاتھ میں آجاتی تھی۔ اس سے جو غالب نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ وراثت بلا وصیت کے قواعد میں کوئی ایسا امر تھا جس کی بنا پر اس سختی کے ساتھ وصیتی تقسیم کو قانونی تقسیم پر ترجیح دی جاتی تھی۔ لیکن اس میں جو مشکل پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب اہل روما کی بلا وصیتی وراثت کے اس قانون پر نظر ڈالی جاتی ہے جو جسٹینین کے اس مجوزہ طریقہ توریث سے جسے زمانۂ حال کے مقننین نے عام طور سے اختیار کرلیا ہے' صدیوں قبل نافذ رہ چکا ہے' تو اس میں کوئی امر بطور خاص ایسا نظر نہیں آتا جو نامناسب یا غیر منصفانہ کہا جاسکے۔ برخلاف اس کے جو طریقۂ تقسیم اس میں بتایا گیا ہے وہ اس قدر منصفانہ اور معقول ہے' اور اس طریقہ سے جس پر موجودہ تمدن عام طور سے مطمئن ہے اس قدر کم مختلف ہے' کہ یہ سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ اس کے ناپسند کیے جانے کے کیا اسباب ہوئے ہوں گے' خصوصاً ایسے اصول قانون کی تحت

124

میں جس نے ان اشخاص کے حقوق وصیت نہایت مختصر اور محدود کردئیے تھے جن کے ذمہ اولاد کی پرورش تھی۔ اس صورت میں جو توقع کی جا سکتی تھی وہ یہ تھی، جیسا کہ اس وقت فرانس میں ہو رہا ہے، کہ خاندان کے بزرگ عام طور سے اپنے آپ کو وصیت کی زحمت سے محفوظ رکھیں گے، اور اپنے متروکہ کو قانون کے سپرد کردیں گے کہ وہ جس طرح چاہے اس کے ساتھ عمل کرے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ اگر اس بلاوصیتی وراثت کے پیمانہ پر جو جسٹینین کے زمانے سے پہلے نافذ تھا بغور و تامل نظر ڈالی جائے تو شاید یہ معما حل ہو جائے۔ اُس وقت کے قانون نافذہ کا تار و پود دو مختلف اجزا سے مرکب تھا، کچھ قواعد روما کے ملکی قانون (Jus Civile) سے لے لئے گئے تھے، اور کچھ اعلانات مجریہ حکام سے ماخوذ تھے۔ قانون ملکی، جیسا کہ میں دوسری ضمن میں بیان کر چکا ہوں، یکے بعد دیگرے صرف تین طبقوں کے لوگوں کو وارث قرار دیتا ہے۔ یعنی غیر علیحدہ کردہ اولاد، قریب تر کے یک جدی رشتہ دار، اور اغیار کو۔ حکام نے ان تین طبقوں کے درمیان میں اور مختلف قسم کے رشتہ داروں کو داخل کردیا تھا۔ جن کو ملکی قانون مطلق تسلیم نہیں کرتا تھا، بالآخر اعلانات اور قوانین ملکی سے مل ملاکر ورثاء کی ایک ایسی فہرست مرتب ہو گئی جو اس فہرست سے جو زمانۂ حال کے مجموعہ ہائے قوانین میں پائی جاتی ہے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔

یہاں جو امر یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں ایک وقت ضرور ایسا ہوگا جس میں صرف ملکی قوانین کی رُو سے بلاوصیتی توریث کا تصفیہ ہوتا ہوگا، اس وقت حکام کے مجریہ اعلانات (Edict) کا یا تو وجود ہی نہ ہوگا یا ان کی پوری طور سے تعمیل نہ ہوتی ہوگی۔ ہمیں اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، کہ حکام کے اعلانات کو ابتدا میں سخت مزاحمتوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہوگا، اور قیاس غالب یہی ہے کہ عام خیالات اور قانونی رائے کے متفق ہو جانے کے بعد بھی جو تبدیلیاں وقتاً فوقتاً اعلانات مذکور کے ذریعہ سے ہوتی رہتی تھیں وہ کسی خاص اصول

کی تحت میں نہ تھیں، بلکہ مختلف مجسٹریٹوں کے رجحان کے ساتھ بدلتی رہتی تھیں۔ بلا وصیتی توریث میں اہلِ روما جن قواعد کے اس زمانہ میں پابند تھے اُن سے پوری طور سے اس امر کی توضیح ہو جاتی ہے کہ اہلِ روما متواتر صدیوں تک کیوں بلا وصیت مرجانے کو اس قدر ناپسندیدہ اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ اُس زمانہ میں وراثت کا سلسلہ یہ تھا کہ ایک ایسے باشندۂ شہر کے فوت ہو جانے پر، جس کی کوئی وصیت یا باضابطہ وصیت نہ ہوتی تھی، اس کی غیر آزاد شدہ اولاد اس کی وارث ہوتی تھی۔ آزاد شدہ لڑکوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ اگر انتقال کے وقت اس کی صلبی اولاد میں سے کوئی زندہ نہ ہوتا تھا، تو یک جدی رشتہ داروں میں جو شخص سب سے زیادہ قریب ہوتا تھا وہ وارث ہوتا تھا۔ لیکن وراثت کا کوئی حصہ کسی ایسے رشتہ دار کو نہیں پہنچتا تھا، خواہ وہ کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو، جس کا تعلق متوفی سے ذریعہ اناث کے قائم ہوتا تھا۔ خاندان کی دوسری تمام شاخیں خارج کر دی جاتی تھیں، اور متروکہ اغیار (Gentiles) یا تمام روما کے اُن باشندوں کو پہنچتا تھا جو اسی نام سے مخاطب ہوتے تھے جس سے متوفی مخاطب کیا جاتا تھا۔ اس طور سے زمانہ زیر بحث کا ایک روما کا باشندہ اگر ایسی وصیت کی تکمیل کئے بغیر مرجاتا تھا جو قابل نفاذ ہو، تو اس کی آزاد شدہ اولاد بالکل محروم الارث ہو جاتی تھی، اور لاولد فوت ہونے کی صورت میں، اس کا قوی اندیشہ رہتا تھا کہ اس کی جائداد بالکل اس کے خاندان سے نکل کر ایسے مختلف لوگوں میں پہنچ جائے گی جن سے اس کا تعلق صرف اس رسمی مفروضہ پر ہے کہ ایک قبیلہ کے تمام ارکان ایک ہی مورث اعلیٰ کی اولاد سے ہوتے ہیں۔ یہ اندیشے بجائے خود عام رائے کی توضیح کرنے کے لئے تقریباً کافی ہیں، مگر فی الحقیقت ہم اسے پوری طرح اسی وقت سمجھ سکیں گے جب کہ یہ امر پیش نظر رکھیں کہ جو حالت ہم بیان کر رہے ہیں وہ غالباً اس وقت تھی جب کہ اہلِ روما کی سوسائٹی متفرق خاندانوں کی

قدیم ترکیب کو چھوڑ کر تبدیل کی ابتدائی منزلیں طے کر رہی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اولاد کی آزادی کا باضابطہ طور سے تسلیم کرلیا جانا حکومت پدری پر پہلی ضرب تھی، لیکن قانون ابھی تک اختیار پدری کو خاندانی تعلقات کی بنیاد قرار دے کر آزاد اولاد کو حقوق رشتہ داری سے محروم اور خاندان سے بیگانہ ہی قرار دیتا تھا۔ مگر ہم ایک لحظ کے لئے بھی یہ فرض نہیں کرسکتے کہ جو حدود قانون خاندانی تعلقات پر قائم کرتا تھا ان کا کوئی برا اثر والدین کی فطری محبت پر پڑا ہوگا۔ خاندانی الفت یقیناً اسی بیحد استقلال اور مضبوطی کے ساتھ قائم رہی ہوگی جیسی کہ بزرگ خاندان کی حکومت کی حالت میں تھی، اور آزادی سے اس کا کوئی جز زائل نہ ہوا ہوگا، بلکہ قیاس بجائے زوال کے اس کے استحکام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ اختیار پدری سے خارج کردیا جانا بجائے فقدان محبت کے وجود محبت اور الطاف کا ایک نشان تھا، جو سب سے زیادہ پیارے اور قابل عزت بچے کو عطا کیا جاتا تھا۔ اگر ایسی عزیز اور باوقعت تر اولاد بغیر وصیت کے اپنی ارث سے قطعاً محروم ہوجاتی تھی، تو اس حالت کے پیدا ہونے سے جس قدر احتراز کیا جاتا ہوگا وہ محتاج توضیح نہیں ہے۔ ہم ان اسباب سے یہ نتیجہ نکال سکتے تھے کہ وصیت کی جانب جو اس قدر شور و شغب تھا اس کی وجہ وہ اخلاقی ظلم تھا جو بلاوصیتی توریث کے قواعد سے عائد ہوتا تھا۔ یہ قواعد اس موقعہ پر انہیں اصول کے خلاف پائے جاتے ہیں جو قدیم سوسائٹی کو باہم ملانے اور قائم رکھنے والے تھے۔ جو کچھ ہم کہہ آئے ہیں وہ مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ قدیم اہل روما کا قومی میلان خاندانی تعلقات کی طرف تھا، مگر سوال یہ ہے کہ خود خاندان کیا تھا۔ قانون اس کی ایک طرح تعریف کرتا تھا اور فطری محبت دوسری طرح۔ ان دونوں کے تصادم میں، وہ خیالات جس کی ہم آیندہ توضیح کرینگے پیدا ہوئے، اور انھوں نے اس آئین کی طرف رغبت دلائی، جس کے

ذریعہ سے محبت کے جذبات کو یہ اختیار حاصل ہوگیا کہ وہ اپنے منظورِ نظر لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کر سکیں۔

بنا بریں میں اہل روما کے بلا وصیت مرجانے کے خوف کو اس قدیم اور ابتدائی کشمکش کا ایک نشان سمجھتا ہوں، جو قدیم قانون اور خاندان کے متعلق ان قدیم خیالات میں، جو آہستہ آہستہ بدل رہے تھے، واقع ہو رہی تھی۔ اہلِ روما کے مجریہ قوانین کے بعض فقرات، اور مخصوص اس قانون نے جو عورتوں کی قابلیت وراثت کو محدود کرتا تھا، اس خیال کو تازہ رکھا ہوگا۔ اور عام طور سے یہی یقین کیا جاتا ہے کہ جو طریقہ امانتی ہبہ بالوصیت (Bequest in trust) جاری کیا گیا وہ انھیں ناقابلیتوں کے دور کرنے کے لئے تھا جو ان قوانین سے عائد ہوتی تھیں۔ لیکن اس خیال کا تشدد بتا رہا ہے کہ قانون اور رائے میں اس سے زیادہ تر کوئی گہری دشمنی پہلے سے چلی آتی ہے، اصول قانون میں جو ترقی حکام کے اعلانات سے ہوتی رہی اس کا اس اختلاف کو نہ رفع کرنا کچھ تعجب انگیز نہیں متصور ہوسکتا۔ ہر شخص جو رائے کی حقیقت سے واقف ہے جانتا ہے کہ خیالات لازمی طور سے ان حالات کے زائل ہو جانے پر جو اس کی پیدائش کے باعث ہوئے تھے فنا نہیں ہو جاتے۔ وہ ان حالات کے رفع ہو جانے کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہتے ہیں، بلکہ ممکن ہے کہ ان میں ایسا تشدد اور سختی پیدا ہو جائے جو فی الحقیقت ان حالتوں کی موجودگی میں نہ تھی۔

یہ خیال کہ وصیت سے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ جائداد خاندان سے نکال دی جائے، یا ایسے غیر مساوی حصوں میں تقسیم کر دی جائے جو موصی کے خیال یا اس کی صحیح عقل میں آئے، قرون وسطیٰ کے آخر زمانہ سے زیادہ تر قدیم زمانہ کا نہیں ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ طریقۂ جاگیرداری نے اپنا تسلط پوری طرح سے قائم کر لیا تھا۔ جب موجودہ "اصول قانون" اپنی ناتمام حالت میں تھا اس وقت بھی یہ بآسانی

ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص وصیت کے ذریعہ سے اپنی جائداد کامل آزادی کے ساتھ جس طرح چاہے تقسیم کردے۔ اس زمانہ میں جہاں کہیں جائداد کا انتقال وصیت کے ذریعہ سے ہوتا تھا، اور یورپ کے بڑے حصے میں منقولہ اور ذاتی جائداد وصیت ہی کے ذریعہ سے منتقل ہوتی تھی، وہاں اس وصیتی اختیار کے ذریعہ سے موصی کو شاذ ہی صورت میں اس کی اجازت ہوتی تھی کہ وہ بیوہ کے معینہ حصہ اور اولاد کے ایک متناسب سہام کے ملنے میں خلل انداز ہو سکے۔ اولاد کے سہام جیسا کہ ان کی مقدار سے ظاہر ہوتا ہے قانون روما کے اتباع سے مقرر کئے گئے تھے۔ بیوہ کے لئے جو انتظام ہوا وہ کلیسائی کوششوں کا نتیجہ تھا، کلیسا ہمیشہ بیوہ عورتوں کی طرفداری کرتا اور ان کے حالات سے دلچسپی لیتا تھا، اور وہی دو یا تین صدیوں تک نکاح کے وقت شوہروں سے اس امر کا صریح اقرار لیکر کہ وہ اپنی بیبیوں کی بسر بود کے لئے مناسب انتظام کریں گے مغربی یورپ کے رسوماتی قانون میں مہر (Dower) کے اصول کا اضافہ کرانے میں کامیاب ہوا جو غالباً اس کی سب سے مشکل اور بڑی کامیابی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو مہر آراضی کے ذریعہ سے دیا جاتا تھا، وہ اس کے مماثل اور قدیم تر طریقہ سے جس میں جائداد منقولہ کا ایک جز بیوہ اور اولاد کے لئے محفوظ کردیا جاتا تھا، زیادہ تر مستحکم ثابت ہوا۔ چند مقامی مراسم نے فرانس میں اس حق کو زمانۂ انقلاب (Revolution) تک قائم رکھا اسی قسم کے مراسم کے نشانات انگلستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بہرحال یہ اصول عام طور سے رائج ہوگیا کہ جائداد منقولہ وصیت کے ذریعہ سے بہ آزادی تمام منتقل ہوسکتی ہے، اور اگرچہ بیوہ کے دعاوی کی وقعت کی جاتی رہی مگر اولاد کے حقوق "اصول قانون" سے بالکل محو ہوگئے۔ ہمیں اس کہنے میں کوئی تردد نہیں ہوسکتا کہ اس تبدیلی میں "اصول اولاد اکبر" (Primogeniture) کو بڑا دخل تھا۔ چونکہ جاگیرات کا قانون اراضی (Feudal law of land) عملی طور سے بجز ایک فرزند کے دوسرے فرزندوں

کو محروم کر دیتا تھا اس لیئے ایسی جائداد کی مساوی تقسیم بھی جو بہ آسانی تقسیم ہو سکتی تھی ضروری اور فرض نہ سمجھی جانے لگی۔ وصیت نامے غیر مساوی تقسیم کے سب سے بڑے ذرائع تھے، اور اسی حالت کی بنا پر وہ فرق پیدا ہوا جو کہ قدیم اور جدید وصیت کے تصور میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگرچہ ہبہ کا وہ اختیار جو وصیت سے حاصل ہوتا تھا طریقۂ جاگیرداری کا ایک اتفاقی نتیجہ تھا، مگر وہ فرق بڑا فرق ہے جو ایک آزاد وصیتی انتقال، اور جاگیرات کے قانون اراضی کے طریقۂ مماثل میں پایا جاتا ہے، جس کی رو سے جائداد لازمی طور سے ایک مقررہ سلسلہ میں منتقل ہوتی ہے۔ اس صداقت کو فرانس کے واضعان مجموعۂ قوانین نے بظاہر بالکل نظر انداز کر دیا۔ اُس تمدنی نظم میں جسے درہم برہم کر دینے کا انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا، انھوں نے دیکھا کہ اولاد اکبر کا حق عام طور سے خاندانی تملیک ناموں پر قائم ہے، ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ وصیت نامے اکثر بڑے بیٹے کو وہی ترجیح دینے کے لیئے مستعمل ہوتے ہیں جو اس کے لئے صحیح تر طریقۂ توریث محدود (Strictest of entail) میں مخصوص ہے، اس لیئے انھوں نے اپنے احکام کو یقینی اور قطعی کرنے کے لیئے نہ صرف اس کو ناممکن کر دیا کہ معاہدات نکاح میں بڑے بیٹے کو ترجیح دینے کا انتظام ہو سکے، بلکہ اس خوف سے کہ والدین کی موت پر ان کا یہ اصول، کہ متروکہ اولاد میں مساوی طور سے تقسیم ہو، نہ ٹوٹنے پائے، انھوں نے وصیتی توریث کو تقریباً قانون سے خارج کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انھوں نے دائمی وراثت خاص کا ایک مختصر نظام قائم کر دیا ہے جو ہبہ بالوصیت کی کامل آزادی کو بہ نسبت یورپ کے زمانۂ جاگیرداری کے طریقہ سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہے۔ انگلستان کا قانون اراضی، جو طریقۂ جاگیرداری کا دست و بازو تھا، یقینی طور سے قرون وسطیٰ کے قانون اراضی سے بہ نسبت یورپ کے دوسرے ممالک کے قانون کے زیادہ تر مشابہ ہے۔ اور ہم لوگوں میں وصیت نامے اکثر بڑے بیٹے اور اس کی اولاد کو مدد دینے یا اس ترجیح کا اتباع

201

کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں جو جائداد غیر منقولہ کی تملیک ازدواج (Marriage settlement of real property) کی عام خصوصیت ہے۔ مگر باوجود اس کے اس ملک کی رائے اور خیالات پر آزاد وصیتی توریث کا بہت بڑا اثر پڑا۔ میرے نزدیک جائداد کو خاندانوں میں محفوظ رکھنے کے متعلق جو خیالات اہل فرانس میں زیادہ تر شائع ہیں وہ بہ نسبت انگریزوں کے مروجہ خیالات کے ان خیالات سے زیادہ تر مشابہ ہیں جو دو یا تین صدی پیشتر تمام یورپ میں رائج تھے۔

اولاد اکبر کا تذکرہ ہمیں ایک ایسے مسئلہ کی طرف لے جاتا ہے جو تاریخی "اصول قانون" میں سب سے زیادہ مشکل ہے۔ غالباً یہ امر یاد ہوگا کہ میں نے اکثر "شرکاء وارث" (Coheirs) کا ذکر کیا ہے جن کو اہل روما کے قانون وراثت نے تنہا وارث (Single heir) کے مماثل قرار دیا ہے۔ اگرچہ میں نے ان اصطلاحات کی وضاحت نہیں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اہل روما کے اصول قانون کا کوئی ایسا عہد نہیں پاتے جس میں وارث یا فطری جانشین کے قائم مقام ورثاء کی ایک جماعت نہ ہو سکتی ہو۔ یہ جماعت تنہا وارث کی طرح جانشین قرار پاتی تھی اور بعدہٗ ان میں متروکہ جداگانہ قانونی کارروائی کے ذریعہ سے تقسیم ہو جاتا تھا۔ جب توریث بلا وصیت ہوتی تھی، اور اس جماعت میں متوفی کی اولاد کے سوا کوئی اور شامل نہ ہوتا تھا، تو ہر شخص متروکہ میں مساوی حصہ پاتا تھا اور اگرچہ ایک زمانہ میں ذکور کو اناث پر ایک حد تک تفوق تھا، مگر اولاد اکبر کے حقوق کا کہیں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ قدیم اور متروک تمام اصولِ قانون میں تقسیم کا یہی طریقہ تھا۔ بظاہر یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ جب تمدن شروع ہو جاتا ہے اور چند پشتیں گزر جانے سے خاندانوں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے تو یہ خیال خود بخود آتا ہے کہ جائداد مساوی طور سے یکے بعد دیگرے آنے والی پشت کے ارکان میں مساوی طور سے تقسیم ہونی چاہئے اور اولاد اکبر یا اس کے سلسلہ کے لئے مخصوص حقوق محفوظ نہ رکھے جائیں۔

اس واقعہ کو قدیم خیالات کے ساتھ جو قریبی تعلق ہے اس کے معنی خیز اشارات ان نظام ہائے قانونی میں بھی ملتے ہیں جو اہل روما کے نظام سے بھی زیادہ تر قدیم ہیں۔ ہندوؤں میں بیٹے کو پیدائش کے ساتھ اپنے باپ کی جائداد میں حق حاصل ہو جاتا ہے، جو بغیر اس کی مشترک ملکیت کے تسلیم کئے جانے کے فروخت نہیں ہو سکتی۔ لڑکا حد بلوغ کو پہنچ کر بعض اوقات اپنے والدین کی خلاف مرضی بھی جائداد کو تقسیم کرا سکتا ہے، اور اگر والدین راضی ہوں تو ایک بیٹا اپنے بھائیوں کے خلاف مرضی بھی تقسیم کرا لینے کا مجاز ہے۔ اس قسم کی تقسیم میں باپ کو بیٹوں کے مقابلہ میں بجز اس کے کوئی ترجیح نہیں ہوتی کہ اسے بجائے ایک کے دو حصّے ملتے ہیں۔ جرمنی اقوام کا قدیم قانون بھی بالکل اسی کے مماثل تھا۔ خاندانی جائداد (Allod) باپ اور بیٹوں کی مشترکہ ملک تھی، اور بظاہر عام طور سے والدین کے انتقال کے بعد بھی تقسیم نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح ہندوؤں کی جائداد خواہ اصولاً قابلِ تقسیم ہو، مگر فی الحقیقت یہ عمل شاذ ہے اور پشتہا پشت متواتر بغیر تقسیم کے گزر جاتی ہیں۔ اس طور سے ہندوستان میں خاندان کا دائمی میلان اسی طرف ہوتا ہے کہ وہ ان حالات میں جنھیں میں آیندہ بصراحت بیان کرنے کی کوشش کروں گا پھیل کر گاؤں کی برادری بن جائے۔ ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے واقع ہونے کی حالت میں متروکہ بالکل مساوی طور سے اولاد ذکور میں تقسیم ہو جاتا تھا، اور ایسی حالت میں کہ خاندان کا اتباع معرض زوال میں ہوتا ہے لوگوں میں عام طور سے یہی طریقہ رواج پا جاتا ہے۔ اور یہیں سے اولاد اکبر کی تاریخی دشواری شروع ہوتی ہے۔ جس قدر زیادہ صاف طور سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جاگیرداری کے ادارات کی ترکیب کے وقت دنیا میں اہل روما کے قانون صوبہ جات اور وحشی اقوام کے قدیم رواجوں کے سوائے کوئی اور ماخذ موجود نہ تھا جس سے ان کے ابتدائی اصول لئے جا سکیں، اسی قدر بظاہر یہ معلوم کر کے کہ نہ اہلِ روما اور نہ وحشی

203

اقوام وراثت جائداد میں اولاد اکبر یا اس کے سلسلہ کو ترجیح دینے کے عادی تھیں، ہماری پریشانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

وحشی اقوام جب روما کی سلطنت میں آکر آباد ہوئیں اس وقت ان میں اولاد اکبر کو ترجیح دینے کا طریقہ رائج نہ تھا۔ اس کی ابتدا حملہ آور سرداروں کے عطائے حق استفادہ (Beneficiary gifts) سے ہوئی۔ یہ حقوق استفادہ، جو شاذ مواقع پر ابتدا میں آکر آباد ہونے والے بادشاہ بعض لوگوں کو عطا کرتے تھے، اور جن میں شارلیمین نے بڑی وسعت پیدا کر دی تھی، روما کے صوبہ جات کی اراضی کے متعلق تھے، جس کے معاوضہ میں ان لوگوں کو فوجی خدمات ادا کرنی ہوتی تھیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی صاحب جائداد لوگ (Allodial proprietors) دور و دراز مہمات میں اپنے بادشاہ کے ساتھ نہیں جاتے تھے، اور فرانسیسی سرداروں اور شارلیمین کی تمام بڑی فوجی مہمات ان فوجوں سے انجام پائیں جو ایسے سپاہیوں سے مرکب تھیں جو ذاتی طور سے خاندان شاہی کے وابستہ، یا قابض اراضی ہونے کی وجہ سے ادائے خدمت پر مجبور تھے۔ یہ حقوق استفادہ ابتداً کسی معنی میں بھی موروثی نہ تھے۔ ان کا قیام معطی کی مرضی پر، یا زیادہ سے زیادہ معطی لہٗ کی حیات تک کے لئے ہوتا تھا، مگر باوجود اس کے ابتدا سے مستحقین استفادہ نے کوئی کوشش اس غرض کے لئے اٹھا نہ رکھی کہ ان کے حق استفادہ میں توسیع ہو اور ان کی وفات کے بعد ان کی اراضی ان کے خاندانوں میں باقی رہے۔ شارلیمین کے جانشینوں کی کمزوری سے یہ کوششیں عام طور سے کامیاب ہوتی گئیں، اور ان حقوق استفادہ نے رفتہ رفتہ موروثی حقیتوں کی شکل اختیار کر لی۔ اگرچہ یہ حقیتیں موروثی ہو گئیں مگر اس کے ساتھ یہ لازم نہ تھا کہ ان کا مالک اولاد اکبر ہی ہو۔ جن قواعد وراثت کے وہ پابند تھے ان کا تعین ان شرائط سے ہوتا تھا جو معطی اور معطی لہٗ میں قرار پا جاتی تھیں، یا ایک دوسرے پر اس کی کمزوری کے لحاظ سے عائد کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے

201

کہ ابتدائی قبضے مختلف نوعیت کے تھے، لیکن نہ اس قدر مختلف جیسا کہ بعض اوقات بیان کیا جاتا ہے۔ جو کچھ اس وقت تک بیان ہو چکا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وراثت کے ان طریقوں نے جن سے اہلِ روما اور وحشی اقوام واقف تھیں مل جل کر ایک شکل پیدا کر لی تھی؛ تاہم ان کے باہم مختلف ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ بعض صورتوں میں اولاد اکبر اور اس کا سلسلہ یقینی طور سے بمقابلہ دوسروں کے حقیت کا مالک ہوتا تھا، لیکن ایسی توریث کا عالمگیر ہونا تو درکنار عام ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ یورپ کے تمدن میں جو تبدیلی حال میں ہوئی اور جس میں جائداد کی جاگیری صورت بدل کر (رومی) "ڈومینیا" یا (جرمنی) "الوڈیل" کی شکل ہوئی تقریباً یہی واقعات پیش آئے۔ "الوڈ" یعنی خاندان کی جائدادیں کلیۃً حقیتوں (Fiefs) میں ضم ہو گئیں۔ خاندانی جائدادوں کے بڑے بڑے قابضوں نے اپنی اراضی کے بعض اجزا اپنے لواحقین میں بشرط خدمت منتقل کر کے جاگیری سرداروں کی حیثیت پیدا کر لی۔ اور چھوٹے چھوٹے قابضان جائداد نے اس خوف ناک زمانہ کے مظالم سے بچنے کے لئے اپنی جائدادیں کسی قوی سردار کے حوالے کر کے بطور ان کے عطیہ کے ان کی لڑائیوں میں خدمات انجام دینے کی شرط پر واپس لیں۔ اس عرصہ مدت میں مغربی یورپ کی آبادی کا بڑا حصہ جو غلامی یا نیم غلامی کی حالت میں تھا یعنی رومی اور جرمنی ذاتی غلام، جو روما میں "کلونی" اور جرمنی میں "لڈی" کے ناموں سے موسوم کئے جاتے تھے، جاگیری نظام میں مسلسل جذب ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان کا ایک قلیل حصہ اپنے سرداروں کے ساتھ ادنیٰ خدمات کا تعلق پیدا کر لیتا تھا، مگر ان کا بڑا حصہ ان شرائط کے ساتھ جو ان صدیوں میں ذلیل سمجھی جاتی تھیں اراضی لے کر گزر اوقات کرتا تھا۔ اس جاگیرداری کے عالمگیر نظام کے زمانہ میں جو حقیتیں پیدا ہوتی تھیں وہ ان شرائط کی طرح جو اسامی اپنے جدید سرداروں کے ساتھ کرتے تھے، یا جن کے قبول کئے جانے پر وہ مجبور کئے جاتے تھے، ایک دوسرے سے مختلف ہوتی تھیں۔

205

ان جائدادوں میں سے بعض جائدادوں کی وراثت میں حقوق استفادہ (Benefices) کی طرح اولاد اکبر کے قاعدہ کا اتباع کیا جاتا تھا۔ مگر جب تمام مغرب میں جاگیرداری نظام کا شیوع ہوگیا اس وقت یہ ظاہر ہونے لگا کہ اولاد اکبر کے اصول کو دوسرے تمام اصول پر تفوق حاصل ہے۔ اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ تمام یورپ میں شائع ہوگیا اس کی اشاعت کے خاص ذرائع وہ خاندانی تملیک نامے تھے جو فرانس میں (Pactes de famille) اور جرمنی میں (Haus Gesetze) کے ناموں سے موسوم کیے جاتے تھے، اور جن میں ہمیشہ یہ شرط ہوتی تھی کہ جو زمینیں فوجی خدمات کے معاوضہ میں دی جاتی ہیں وہ اولادِ اکبر کی طرف منتقل ہونی چاہئیں۔ اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ اس عالمگیر عملدرآمد کے سامنے قانون کو سر جھکا دینا پڑا، اور تمام رسمی قانون کے نظام میں، جو رفتہ رفتہ قائم ہوتا گیا، ان اراضی کی توریث میں جو معافی اور فوجی تھیں اولاد اکبر اور اس کے خاندان کو ترجیح دی جانے لگی۔ جو قطعات اراضی ادنیٰ خدمات کے معاوضہ میں حاصل کیے جاتے تھے (اور ابتدا میں تمام اراضی ایسی ہی تھیں جن کی بنا پر اسامیوں کو نقد رقم دینا یا خدمت کرنا لازم آتا تھا) ان میں جو طریقہ توریث بربنائے رسم ورواج جاری تھا وہ مختلف ممالک اور مختلف صوبوں میں ایک دوسرے سے بالکل جدا تھا۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ ایسی اراضی قابض کے فوت ہوجانے پر اس کی تمام اولاد میں تقسیم ہوجاتی تھی، مگر باوجود اس کے بعض حالات میں اولاد اکبر اور بعض حالات میں اولاد اصغر کو ترجیح دی جاتی تھی۔ مگر اولاد اکبر کا اصول عام طور سے ان جائدادوں کی وراثت میں برتا جاتا تھا، جو بعض لحاظ سے سب سے زیادہ اہم تھیں، اور جو انگلستان کی حقیت "سوکیج" (Socage) کی طرح سب سے بعد قائم ہوئی تھی، اور جو نہ کلیۃً معافی اور نہ کلیۃً خدمتی تھیں۔

206

اولاد اکبر کے اصول کی اشاعت کی وجہ جاگیری مصالح قرار دیئے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آخری قابض کے فوت ہوجانے کے بعد

حقیت کا بجائے مختلف لوگوں میں تقسیم ہوجانے کے، ایک مخصوص شخص کی طرف منتقل ہونا جاگیردار کی فوجی خدمات کے لئے زیادہ تر مفید اور محفوظ طریقہ تھا۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ متذکرہ بالا وجہ سے ایک حد تک اولاد اکبر کے اصول کے پسند کئے جانے کی توضیح ہوتی ہے، مگر میں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اولاد اکبر کا اصول یورپ میں بہ نسبت جاگیرداروں کے فائدہ کے زیادہ تر اسامیوں کی پسند کی وجہ سے شایع ہوا۔ جو وجوہ یہاں بیان کئے گئے ہیں ان سے اصول مذکور کی ابتدا کا متعلق پتہ نہیں چلتا۔ محض آسانی کے خیال سے قانون میں کوئی چیز داخل نہیں ہوتی، ہمیشہ اس کے متعلق کچھ خیالات پہلے سے موجود ہوتے ہیں جن کو آسانی کا احساس اپنے ساتھ لے کر کام کرتا ہے، اور بجز اس کے کچھ نہیں کرتا کہ اس کی جدید صورتیں قائم کردے، اس وقت ان ہی خیالات کا دریافت کرنا زیر بحث ہے۔

ہمیں ان کا پتہ اسی ذریعہ سے ملتا ہے جو اس قسم کے پتوں کا منبع ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں والدین کی جائداد ان کے فوت ہوجانے پر قابل تقسیم ہے، اور ان کی زندگی میں بھی مساوی طور سے ان کی اولاد ذکور میں تقسیم ہوسکتی ہے، اور اگرچہ یہ مساوی تقسیم کا اصول ہندوؤں کے قانون کے ہر شعبہ میں جاری ہے، تاہم جب کوئی سرکاری عہدہ یا ملکی اختیار، آخری قابض متوفی چھوڑ جاتا ہے، تو اس میں تقریباً ہمیشہ اولاد اکبر کی وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔ اس لئے ریاستوں کے مالک بڑے بیٹے ہی ہوتے ہیں، اور جہاں اہل دیہہ کی اس جماعت کا انتظام، جو ہندوؤں کے تمدن کی اساسی فرد ہے، کسی ایک شخص کے سپرد ہوتا ہے، تو عام طور سے باپ کے فوت ہوجانے کے بعد بڑا لڑکا ہی اس کا متکفل ہوتا ہے۔ ہندوستان میں تمام عہدوں کا رجحان اسی طرف ہوتا ہے کہ وہ موروثی ہوجائیں، اور اگر ان کی نوعیت اس کی اجازت دیتی ہو تو وہ خاندان کی قدیم ترین شاخ کے سب سے بڑے

رکن کے سلسلہ میں رہیں۔ ہندوستان کے اس سلسلۂ وراثت کو یورپ کے بعض اُن غیر مہذب تمدنی انتظامات کے ساتھ مقابلہ کرنے سے جو ہمارے زمانہ تک قائم ہیں، یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ، جب پدرسری خاندان کے سرداروں کے اختیارات نہ صرف خانگی بلکہ سیاسی بھی ہوتے تھے، تو وہ ان سرداروں کے فوت ہوجانے پر ان کی تمام اولاد میں تقسیم نہیں ہوتے تھے، بلکہ اولاد اکبر کے پیدایشی حقوق متصور ہوتے تھے۔ مثال کے طور سے ہائیلینڈ کی برادریوں کی سرداری کا معاملہ پیش کیا جاسکتا ہے جس میں اولاد اکبر کا اصول برتا جاتا تھا۔ بظاہر حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ باترتیب تمدنی جماعتوں کے قدیم نوشتہ جات سے جس خاندانی اتباع کا پتہ چلتا ہے، اس سے قدیم تر زمانہ میں بھی خاندانی اتباع کی ایک شکل موجود تھی۔ روما کے قدیم قانون میں یک جدی لوگوں کا اتحاد، اور اسی طرح کی دوسری مختلف علامتیں ایک ایسے زمانہ کا پتہ دے رہی ہیں جب کہ ایک خاندان کے شجرہ کی پیچ در پیچ شاخیں ایک جیتے جاگتے مجموعہ کی شکل میں قائم رکھی جاتی تھیں۔ اور یہ محض ایک بے سروپا قیاس نہیں ہے کہ جس زمانہ میں رشتہ داروں کا یہ مجموعہ بجائے خود ایک آزاد جماعت کا حکم رکھتا تھا، اس وقت قدیم شاخ کا سب سے بڑا رکن اس پر حکمرانی کرتا ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ ایسی کوئی جماعت ہمارے حقیقی علم میں موجود نہیں ہے۔ ابتدائی سے ابتدائی جماعتوں میں بھی خاندانی انتظامات، جہاں تک ہمیں علم ہے، حکومت در حکومت (Imperia in emperio) کی شکل میں تھے مگر ان میں سے بعض اور خصوصاً "سلٹی" برادریوں کی حالت تاریخی زمانہ تک خودمختاری کے قریب قریب تھی، جس سے ہم اس نتیجے کے نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ ایک زمانہ میں جداگانہ حکومتیں (Imperia) تھیں۔ اور سرداری کی وراثت اولاد اکبر کو پہنچتی تھی۔ زمانۂ حال کے لفظ قانون کے ساتھ جو تصورات ہیں ان سے ہمیں اپنے ذہن کو خالی رکھنا ضرور ہے۔ ہم ان خاندانی

208

تعلقات سے بحث کر رہے ہیں جو ہندوؤں کے تمدنی، اور قدیم اہل روما کے قانونی، معلومہ تعلقات سے زیادہ تر مربوط اور سخت تھے۔ اگر اہل روما کے خاندان کا باپ خاندانی جائداد کا صریح مہتم تھا، اور اگر ہندو باپ اپنے بیٹوں کے ساتھ جائداد کا مشترک مالک ہے، تو قدیم زمانہ کے پدرسری خاندانوں کے سرداروں (Patriarchal Chieftain) کا مشترکہ سرمایہ کا صرف مہتم ہونا پوری طرح سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ اولاد اکبر کی وراثت کی جو مثالیں جاگیری عطا میں ملتی ہیں وہ اس خاندانی حکومت کے طریقہ سے اخذ کی گئی ہوں جن سے فاتح قومیں واقف تھیں، اگرچہ ان کا رواج عام نہ تھا۔ بعض وحشی تر اقوام میں ان کا اس وقت بھی رائج ہونا ممکن ہے، یا یوں کہو اور یہی زیادہ تر قرین قیاس ہے کہ سوسائٹی کو قدیم طریقے چھوڑے ہوئے اس قدر کم زمانہ گزرا تھا کہ جدید قسم کی جائداد کی وراثت کے قواعد متعین کرتے وقت خود بخود بعض اشخاص کے دل میں قدیم طریقوں کا خیال آجاتا ہوگا۔ مگر ابھی تک یہ سوال حل طلب ہے کہ اولاد اکبر کی وراثت کا اصول دوسرے اصول پر رفتہ رفتہ کس طرح غالب آگیا؟ اس کا جواب جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ یورپ کی سوسائٹی کارلوونجی حکومت کے زوال کے بعد قطعی طور سے بتنزل حالت میں آگئی تھی۔ ابتدائی وحشی سلطنتوں کے زمانہ میں جس ادنیٰ درجہ تک وہ پہنچ چکی تھی اس سے بھی اس کی حالت دو ایک درجہ اور نیچے ہوگئی۔ اس زمانہ کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ شاہی اور اس کے ساتھ ملکی اختیارات میں کمزوری پیدا ہوگئی، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ بالکل مفقود ہوگئے جس سے تمام تمدنی انتظام کا شیرازہ ٹوٹ گیا تھا۔ لوگوں کو عام طور سے مجبور ہوکر اس تمدنی انتظام کی طرف واپس ہونا پڑا جو تمدنی جماعتوں کے آغاز سے قبل تھا۔ نویں اور دسویں صدی میں جاگیردار (Lord) اپنے ملتبعین (Vassals) کے ساتھ ایک پدرسری خاندان (Patriarchal house hold) کے مماثل تھا، جس کا انتخاب نہ بطریق عہد قدیم بلحاظ مناسبت اور موزونیت

بلکہ جاگیرداری کے اصول پر ہوتا تھا۔ ایسی جماعت کے لئے اولاد اکبر کی وراثت موجب قوت و استقلال تھی۔ جب تک وہ اراضی جس پر تمام انتظام کا انحصار تھا یکجا رکھی جاسکتی تھی اس جماعت میں حفاظت کی اور حملہ کی قوت باقی رہتی تھی، ایسی اراضی کو تقسیم کردینا اس مختصر جماعت کو منتفرق کردینا اور اُس عالمگیر ظلم و زیادتی کے زمانہ میں دیدہ و دانستہ دوسروں کو مداخلت کا موقع دینا تھا۔ ہمیں اس امر کے متعلق کامل یقین رکھنا چاہیئے کہ اولاد اکبر کی اس ترجیح میں دوسری اولاد کو محروم کرنے کا کوئی خیال شامل نہ تھا۔ جاگیرات کی تقسیم سے ہر شخص کا نقصان اور اس کے استحکام میں ہر شخص کا فائدہ تھا۔ اختیار کے ایک ہی شخص کے ہاتھ میں رہنے سے خاندان کی قوت بڑھتی تھی جو شخص وارث قرار پاتا تھا اس کی نسبت یہ بھی گمان نہیں ہے کہ اس کو قبضہ، استفادہ، یا مراعات میں اپنے بھائیوں یا رشتہ داروں پر کوئی تفوق حاصل ہوتا تھا۔ جاگیر کے جانشین وارث کو جو حقوق حاصل ہوتے تھے ان کا بڑے لڑکے کی اس حیثیت کے ساتھ جو انگلستان کی خاص تملیک سے پیدا ہوتی ہے مقابلہ کرنا ایک بے جوڑ بات ہوگی۔

210

میں اس سے قبل کہہ چکا ہوں کہ میری رائے میں ابتدائی جاگیری اتحاد (Feudal Confederacies) خاندان کی ایک قدیم ترکیب سے پیدا ہوا، اور اس سے قوی مشابہت رکھتا ہے۔ مگر قدیم دنیا اور ان جماعتوں میں جنھیں جاگیری نظام کے سانچے میں ڈھلنے کا موقع نہیں ملا، جو اولادِ اکبر کی وراثت کا اصول رائج تھا اس نے کبھی وہ شکل اختیار نہ کی جو بعدہٗ جاگیری یورپ میں اس کی ہوگئی تھی۔ جب رشتہ داروں کا گروہ کئی پشت ہوجانے کی وجہ سے ایک موروثی سردار کے زیر حکم نہ رہ سکتا تھا تو مشترکہ جائداد کا انھیں سب لوگوں میں مساوی طور سے تقسیم کردیا جانا ظاہر ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جاگیری دنیا میں اسی کے مطابق عمل کیوں نہ ہوا؟ اگر جاگیرداری کی ابتدائی بدنظمی کے زمانہ میں بڑا لڑکا اراضی پر تمام خاندان

کی طرف سے قابض ہوتا تھا تو جاگیری یورپ (Feudal Europe) میں امن و امان اور باضابطہ جماعتوں کے دوبارہ قائم ہو جانے کے بعد خاندان میں اس مساوی تقسیم کرا لینے کی رسم اور قابلیت نے کیوں نہ عود کیا جو اہل روما اور جرمنی دونوں میں یکساں طور سے شائع تھی؟ جن مصنفین نے جاگیرداری کے ماخذ کا پتہ لگانے میں زحمتیں اٹھائی ہیں اُن کے ہاتھ وہ کنجی نہ لگی جس سے اس مشکل کا قفل کھل سکتا۔ انھوں نے جاگیری نظام کے مادہ پر نظر ڈالی گر وہ چیز جو اُسے باہم ملانے والی تھی اُن کو نظر نہ آئی۔ اس نظام کی ترکیب کے تمام خیالات اور تمدنی اشکال یقیناً وحشیانہ اور قدیم تھے، لیکن جب عدالتوں اور مقننین سے ان کی تعبیر اور تعریف کرائی جانے لگی، تو جن اصول تعبیر سے انھوں نے کام لینا شروع کیا وہ اہل روما کے جدید ترین "اصول قانون" کے قواعد ہونے کی وجہ سے بیحد مہذب اور پختہ تھے۔ ایک پدر سری جماعت میں اولاد اکبر کو یہ حق تھا کہ وہ وراثتہً یک جدی رشتہ داروں پر حکومت اور ان کی جائداد پر پوری طرح تصرف کرے، لیکن اس سے وہ صحیح معنی میں جائداد کا مالک نہیں ہو جاتا تھا۔ ان حقوق کے مقابلہ میں اس کے فرائض یہی تھے جو ملک کے تصور میں شامل نہ تھے، نہ ان کی تعریف کی گئی تھی اور نہ کی جا سکتی تھی۔ اہل روما کے جدید ترین "اصول قانون" نے خود ہمارے قوانین کی طرح، جائداد پر غیر محدود اختیارات کو ملکیت کے مساوی تصور کیا، اور اس قسم کی ذمہ داریوں کا جن کا تصور باضابطہ قانون سے پیشتر زمانہ کا تھا نہ کوئی لحاظ کیا اور نہ ایسا ممکن تھا۔ اس مہذب اور وحشیانہ تصور کے اختلاط کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اُس نے اولاد اکبر کو میراث کا قانونی مالک بنا دیا۔ مذہبی اور "غیر مذہبی" مقننین ابتدا سے اس کی یہی حیثیت بتاتے رہے ہیں۔ پہلے تو چھوٹا بھائی اپنے رشتہ داروں کے رنج و راحت میں مساوی طور سے شریک ہوتا تھا مگر رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقہ پر اس قدر بے وقعت ہو گیا کہ اسے

۲۱۲

پادری، یا خوش نصیب سپاہی، یا کسی امیر کے گھر کا دست نگر بننا پڑا۔
یہ قانونی انقلاب بعینہٖ ویسا ہی ہے جیسا چھوٹے پیمانہ پر زمانۂ حال میں اسکاٹ لینڈ کے ہائیلینڈ کے بڑے حصہ میں واقع ہوا ہے۔ جب اسکاٹ لینڈ کے اصول قانون سے اس امر کی تشریح چاہی گئی کہ سرداروں کو اس جائداد پر جو قبیلہ کی بسر بُرد کا ذریعہ تھا کیا قانونی اختیارات حاصل تھے، تو اسکاٹ لینڈ کے اصول قانون کو اس حد سے گزرے ہوئے ایک مدت ہو چکی تھی جب کہ وہ کامل اختیارات میں ان غیر متعین شروط کا لحاظ کرسکے جو اہل قبیلہ ان پر عائد کئے جانے کے خواستگار تھے، اور بنائً علیہ اس سے چارہ نہ تھا کہ وہ متعدد اشخاص کے متروکہ کو ایک شخص کی جائداد کی صورت میں بدل دے۔

اُس طریقۂ وراثت کو جس میں ایک بیٹا یا اولاد خاندان یا جماعت پر حکومت کا وارث ہوتا ہے میں نے بغرض اختصار "وراثت اولاد اکبر" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کی وراثت کی جو چند قدیم ترین مثالیں اس وقت موجود ہیں اُن میں اولاد اکبر اُسی معنی میں جس سے ہم واقف ہیں، ہمیشہ خاندان کا نمایندہ نہیں قرار پائی ہے۔ اولاد اکبر کی وراثت کی شکل جو مغربی یورپ میں رائج ہوئی وہی ہندوؤں میں بھی قائم ہے، اور یہ سمجھنے کے لئے کافی وجوہ موجود ہیں کہ وہی معمولی شکل ہے۔ اس کے لحاظ سے نہ صرف اولاد اکبر، بلکہ سلسلہ اکبر کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اگر بڑا بیٹا موجود نہیں ہوتا، تو اس کے بڑے بیٹے کو نہ صرف اس کے بھائیوں بلکہ اس کے چچاؤں پر بھی ترجیح دی جاتی ہے۔ اگر وہ بھی موجود نہیں ہوتا تو یہی قاعدہ دوسری پشت میں جاری کیا جاتا ہے۔ لیکن جب وراثت نہ صرف خانگی بلکہ سیاسی اور ملکی اختیارات کے متعلق ہوتی ہے، اس وقت ایک مشکل پیش آتی ہے جو اسی قدر بڑھی ہوئی ہوتی ہے، جس قدر جماعت میں اتحاد کی قوت گھٹی ہوئی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ آخر سردار کے سامنے جو حکمران تھا

اس کا بڑا بیٹا فوت ہوجائے اور اس کا پوتا جو سب سے پہلے وارث قرار پانے کا مستحق ہے کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے جماعت کی حقیقی رہبری اور انتظام معاملات کے ناقابل ہو ایسی حالت میں جو کچھ منتظم جماعت میں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نابالغ وارث اس عرض مدت کے لئے کہ وہ حکومت کے قابل ہوجائے کسی کے زیر ولایت رکھا جاتا ہے۔ عام طور سے ولایت کسی قریب کے ذکور رشتہ دار کی ہوتی ہے، گر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ قدیم جماعتوں نے بعض اوقات اگرچہ وہ بہت شاذ ہیں ایسے مواقع پر طبقۂ اناث کے استعمال اختیارات کو بھی جائز رکھا ہے، جسے یقیناً ماؤں کے قابل لحاظ حقوق کی وقعت پر محمول کرنا چاہئے ہندوستان میں ایک ہندو رئیس کی بیوہ اپنے نابالغ بچے کے نام سے حکومت کرتی رہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ سلطنت فرانس کی وراثت خواہ اس کی بنا کچھ ہو یقینی طور سے سب سے قدیم ہے۔ اس میں دوسرے دعویداران ولایت پر بلکہ ماں کو ترجیح دی جاتی ہے' اگرچہ وہاں طبقہ اناث سختی کے ساتھ تخت نشینی سے ممنوع ہے۔ نابالغ وارث کو ریاست پہنچنے کی صورت میں جو دقت پیش آتی ہے اس کے دور کرنے کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے'. جو بلاارادہ زیادہ تر غیر منتظم جماعتوں کے ذہن میں آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نابالغ وارث کو بالکل چھوڑ کر سرداری پہلی پشت کے باقی ماندہ بڑے لڑکے کو دی جائے۔ کلٹی قبیلوں کی انجمنوں (Clan-associations) نے اُس زمانہ کی اکثر یادگاریں قائم رکھی ہیں جب کہ خانگی اور ملکی حیثیتیں ایک دوسرے سے سرسری طور سے ممیز نہیں ہوتی تھیں؛ ان میں یہ قاعدہ وراثت بھی ہے جسے انھوں نے تاریخی زمانہ تک پہنچا دیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں یہ ایک مسلمہ قاعدہ تھا کہ بڑے بیٹے کے نہ موجود ہونے کی صورت میں اس کے بعد کے بیٹے کو تمام پوتوں پر ترجیح دی جاتی تھی گو توریث حکومت کے وقت اس کی عمر کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ بعض مصنفین نے

214

اس اصول کی توضیح کے لئے یہ فرض کرلیا ہے کہ اس کے رواج میں آخری سردار اصل شخص یا اصل سلسلہ قرار دیا جاتا تھا اور وراثت قرابت داروں میں سے اس شخص کو پہنچتی تھی جو اس سے قریب تر ہوتا تھا، اس بنا پر چچا کو بمقابلہ پوتے کے ترجیح دی جاتی تھی کیوں کہ وہ مشترکہ اصل قریب تر ہے۔ اگر یہ بیان صرف نظام توریث کی حالت کا اظہار سمجھا جائے تو اس کی نسبت کوئی اعتراض عائد نہیں ہوتا، مگر یہ خیال کرنا سخت غلط ہوگا کہ جن لوگوں نے ابتدا میں یہ قاعدہ اختیار کیا وہ اس دلیل سے کام لے رہے تھے جس کا آغاز بظاہر اس وقت سے ہوا جب کہ جاگیری وراثت کے مسائل مقننین کی بحث میں آنے لگے۔ چچا کو پوتوں پر ترجیح دینے کی حقیقی بنیاد غیر شائستہ جماعت اور غیر شایستہ لوگوں میں اس سیدھے سادے حساب سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ ایک بچہ کے زیر حکومت رہنے سے ایک عاقل اور بالغ سردار کے ماتحت رہنا بہت بہتر ہے، اور چھوٹے بیٹے کا عاقل اور بالغ ہوجانا بڑے لڑکے کی اولاد سے پہلے زیادہ تر قرین قیاس ہے۔ اولاد اکبر کی متداولہ وراثت کے قدیم اور ابتدائی شکل ہونے کی کسی قدر شہادت ہمیں اس روایت سے بھی ملتی ہے کہ جب نابالغ وارث کو چھوڑ کر اس کے چچا کا انتخاب کیا جاتا تھا تو تمام قبیلے کی رائے لینی پڑتی تھی۔ اسکاٹ لینڈ کے میکڈانلڈس کی سوانح سے اس رسم کے وقوع کا کامل اطمینان بخش ثبوت ملتا ہے، اور آئرلینڈ کے کلٹی قدیم آثار کی جو تعبیر محققین نے حال میں کی ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے عمل کی متعدد مثالیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ہندوستان کی دیہاتی جماعتوں میں بجائے بڑے بیٹے کے قریب کے رشتہ داروں میں سے کسی "قابل تر" شخص کا منتخب کرلیا جانا غیر معروف امر نہیں ہے۔ قانون[1] اسلام کی رو سے جس نے

---

[1] اہل اسلام کا پختہ اعتقاد ہے کہ ان کا قانون (شرع) اللہ کی جانب سے ہے، دنیا کا اگر کوئی رواج شرع کے کسی جزئیہ سے مطابق نکلا تو اسلام نے اس کو باقی رہنے دیا، ورنہ اصلاح کردی۔ عمادی۔ ناظر مذہبی

غالباً عرب کا قدیم رواج قائم رکھا ہے، جائداد متروکہ تمام بیٹوں میں مساوی طور سے تقسیم ہو جاتی ہے، بیٹیوں کو نصف حصہ ملتا ہے۔ لیکن اگر تقسیم متروکہ سے پہلے اولاد میں سے کوئی شخص بال بچے چھوڑ کر مرجاتا ہے تو یہ پوتے اپنے چچاؤں اور پھپھیوں کی وجہ سے محجوب الارث ہو جاتے ہیں۔ جب[1] توریث ملکی اختیارات کی ہوتی ہے تو اولاد اکبر کا وہی اصول برتا جاتا ہے جو بظاہر کلٹی جماعتوں میں رائج تھا۔ مغرب کے دو بڑے مسلمان خاندانوں میں جس قاعدہ کا رواج یقین کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چچا بمقابلہ بھتیجوں کے مالک تخت و تاج ہوتے ہیں، اگرچہ بھتیجے بڑے بھائی کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ اگرچہ اس قاعدہ پر زمانہ حال تک مصر اور ٹرکی میں عمل ہوتا رہا ہے مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطنت ٹرکی کی وراثت کے متعلق اس قاعدہ کا استعمال ہمیشہ اشتباہ کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ سلاطین[2] ترک کے طرز عمل نے عام طور سے ایسا موقع ہی نہیں آنے دیا کہ اس قاعدہ کو کام میں لانے کی ضرورت پڑے، ممکن ہے کہ ان کا اپنے چھوٹے بھائیوں کو عام طور سے قتل کروا دینا خوفناک دعویداران تخت و تاج کو معدوم کر دینے کے علاوہ اپنی اولاد کے فائدہ کے خیال سے بھی ہو۔ یہ امر ظاہر ہے

[1] ملکی اختیارات (سلطنت) میں ازروئے شرع توریث کوئی شئے نہیں، اسلام کی جماعتِ حل و عقد کو حق ہے کہ اپنے میں سے کسی موزوں تر ذات کو فرماں روائی کے لئے انتخاب کرلے۔

عمادی۔ ناظر مذہبی

[2] سلاطین ترک کا طرز عمل، عمومیت کے ساتھ، وہ نہ تھا جس کا ادعا اس کتاب میں ہے، اگرچہ ایسی نظیریں موجود ہیں مگر تاریخ شاہد ہے کہ یہ کوئی قاعدۂ عمومی نہ تھا۔

عمادی۔ ناظر مذہبی

216

در ایسی جماعتوں میں جن میں ایک سے زیادہ بیویاں کی جاسکتی ہیں اولادِ اکبر کے اصول میں ہمیشہ ردو بدل کی گنجائش رہے گی۔ مختلف امور کو وراثت میں دخل ہو سکتا ہے مثلاً ماں کا مرتبہ یا باپ کا کسی بیوی کے ساتھ زیادہ تر محبت کرنا۔ اسی وجہ سے ہندوستان کے بعض مسلمان حکمران، بغیر اس ادعا کے کہ انھیں کوئی غیر معمولی وصیتی اختیار حاصل ہے، اس کے دعویدار ہیں کہ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی وراثت کے لئے کسی ایک بیٹے کو نامزد کریں۔ کتب مقدسہ کی مذہبی تاریخ میں حضرت اسحٰق اور ان کے بیٹوں کی جس دعا کا ذکر ہوا ہے وہ بعض اوقات وصیت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے، مگر اُسے اولادِ اکبر کی نامزدگی سے موسوم کرنا زیادہ تر مناسب ہوگا۔

فصل ہشتم

جائداد کی ابتدائی تاریخ

روما کے قانونی مجموعوں میں ملک کے مختلف اشکال اور اقسام کی تعریف کرنے کے بعد حصول جائداد کے فطری طریقوں سے بحث شروع کی جاتی ہے۔ جو لوگ اصول قانون کی تاریخ سے واقف نہیں ہیں انھیں غالباً حصولِ جائداد کے اِن فطری طریقوں میں کوئی زیادہ دماغی یا عملی دلچسپی نظر نہ آئے گی۔ جو وحشی جانور شکاری پکڑتے یا مارتے ہیں، جو زمین دریا کے غیر محسوس عمل جزر سے ہمارے کھیت میں بڑھ جاتی ہے، جو درخت ہماری زمین پر اُگتا ہے ان سب چیزوں کی نسبت رومی مقننین کہتے ہیں کہ وہ ہمارے قبضہ میں فطری طور سے آئیں۔ قدیم قانونی مصنفوں نے یقیناً یہ کہا تھا کہ اس طریقہ سے اشیا کا حصول گرد و پیش کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے مروجہ اور مسلمہ رواج کے مطابق جائز اور روا تھا۔ زمانہ مابعد کے مقننین نے ان کو قدیم قوانین ملک میں مندرج دیکھ کر اور آسان پا کر فطرت کے احکام میں شامل کر لیا۔ جو وقعت اس اصول کو دی گئی تھی وہ زمانہ حال میں روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ ابتدائی وقعت سے اس کو

کوئی مناسبت باقی نہیں رہی۔ اس اصول نے ان طریقوں کو اپنا ذریعہ حیات قرار دے لیا اور اس طور سے ان کو اس قابل کردیا کہ وہ عمل پر اپنا قومی اثر ڈال سکیں۔ ان فطری حصول جائداد کے طریقوں میں سے صرف ایک یعنے "دخل" (Occupancy) پر ہمیں توجہ کرنے کی ضرورت واقع ہوگی۔ دخل دیدہ و دانستہ اس شئے پر قبضہ کرنا ہے جو اس وقت کسی خاص شخص کی ملک نہ ہو (اصطلاحی تعریف میں اس قدر اور اضافہ ہے) اس غرض سے کہ اس کی ملکیت ہمیں حاصل ہوجائے۔ جن اشیا کو روما کے مقننین غیر مملوکہ (Res Nullius) کہتے ہیں، یعنی وہ جن کا نہ کوئی شخص اس وقت مالک ہے اور نہ کبھی تھا، ان کا تعین اسی طرح ہوسکتا ہے کہ ان کی تفصیل کردی جائے۔ ان اشیا میں جن کا کبھی کوئی مالک نہیں رہا ہے وحشی جانور، مچھلیاں، وحشی پرند، جواہرات جو پہلی مرتبہ نکالے جائیں، اور وہ زمینیں جو جدید طور سے دریافت ہوں یا جو کبھی کاشت نہ ہوئی ہوں، داخل ہیں۔ ان اشیا میں جن کا اس وقت کوئی مالک نہیں ہے جائداد منقولہ جس سے دست برداری کرلی گئی ہو، اور وہ زمینیں جو چھوڑ دی گئی ہوں، (اور سب سے اہم اور خلاف اصول) دشمن کی جائداد شامل ہے۔ ان سب اشیا میں ملکیت کے تمام حقوق اُس قابض کو حاصل ہوجاتے ہیں جو ان پر سب سے پہلے اس ارادہ سے قابض ہوجائے کہ وہ ان کو اپنا کرکے رکھے گا، اس ارادہ کا اظہار بعض صورتوں میں مخصوص افعال سے کرنا پڑتا ہے۔ میرے نزدیک اس عام شہرت کا سمجھ میں آجانا کچھ مشکل نہیں ہے جس کی بنا پر ایک عہد کے رومی مقننین نے دخل کو اس قانون کا ایک جز قرار دیا تھا جو تمام اقوام میں مشترک ہے، اور نہ اس سادگی ہی کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش آتی ہے جس کی وجہ سے دوسرے گروہ نے اس کو قانون قدرت قرار دیا۔ لیکن زمانۂ حال کی قانونی تاریخ میں اس کی جو حیثیت ہوگئی ہے اس کے قبول کرنے کے لئے ہم سابق کے خیالات کی بنا پر زیادہ تر آمادہ

نہیں ہیں۔ موجودہ زمانہ کے قانون بین الاقوام میں جو احکام 'مال غنیمت' اور جدید دریافت شدہ ممالک میں حقوق شاہی کے متعلق ہیں' ان کا ماخذ یہی رومی دخل کا اصول اور وہ قواعد ہیں جو اس کی توسیع میں قانونی مصنفین نے وضع کئے ہیں۔ انہیں سے جائداد کے آغاز کا ایک اصول پیدا ہوتا ہے' جو بہت عام ہے اور جس کے ساتھ محقق اور غور کرنے والے مقننین کی کثیر جماعت نے کسی نہ کسی صورت میں اپنے اتفاق کا اظہار کیا ہے۔

میں یہ اوپر بتا آیا ہوں کہ اہل روما کا اصول دخل ہی قانون بین الاقوام کی اس فصل کی بنیاد ہے جو مال غنیمت کے متعلق ہے۔ مال غنیمت کے قواعد اس مفروضہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ آغاز جنگ کے ساتھ ہی جماعتیں فطری حالت کی طرف عود کر آتی ہیں اور جو فطری حالت اس مصنوعی طریقہ سے پیدا کرلی جاتی ہے اس میں جہاں تک کہ فریقین جنگ کا تعلق ہے ذاتی جائداد کی ملکیت موقوف اور ملتوی ہوجاتی ہے۔ قانون فطرت پر زمانہ مابعد کے مصنفین ہمیشہ اس پر زور دیتے رہے ہیں کہ اس نظام کی رو سے جس کی توضیح وہ کررہے ہیں شخصی جائداد بعض لحاظ سے جائز اور روا قرار پاتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ مفروضہ کہ دشمن کی جائداد غیرمملوکہ ہے بالکل غلط اور سخت بدنما ہے' اور وہ اسے اصول قانون کے ایک مفروضہ کے سوائے اور کسی نام سے موسوم کرنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن جب اس کا پتہ چل گیا کہ قانون فطرت کا ماخذ بھی قانون ممالک ہی ہے تو ظاہر ہے کہ دشمن کی جائداد کس طرح غیرمملوکہ سمجھی جاسکتی اور اس قابل قرار پاسکتی ہے کہ جو شخص اس پر پہلے دخل حاصل کرے وہ اس کا مالک ہوجائے۔ یہ ایسا خیال ہے جس کا قدیم طریقہ کے جنگ آوروں کے دماغ میں بلا پس وپیش آجانا کچھ مشکل نہ تھا' خصوصاً ایسی حالت میں کہ فتح کے ساتھ ہی فاتح فوجوں میں کوئی انتظام قائم نہ رہتا تھا اور سپاہی بلا روک ٹوک لوٹ مار کے

220

لئے چھوڑ دئیے جاتے تھے۔ غالباً ابتدا میں صرف جائداد منقولہ کی نسبت اس کی اجازت ہوگی کہ وہ دخیل کی ملک ہوجائے۔ ہمیں آزاد شہادت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم اٹلی میں مفتوحہ ملک کی اراضی کے حصول کے متعلق اس سے بالکل مختلف قاعدہ جاری تھا، اور اس لئے ہمیں اس شبہ کی گنجائش نظر آتی ہے کہ اراضی کے متعلق دخل کا اصول (جو ہمیشہ ایک دقت طلب معاملہ ہے) اسی وقت سے شروع ہوا جبکہ ملکی قانون مجموعہ فطرت کی صورت اختیار کررہا تھا، اور وہ ان عام استخراجات کا نتیجہ تھا جو عہد زریں کے مقنن پیدا کررہے تھے۔ اس بارہ میں جو اصول قائم کئے گئے تھے وہ جسٹینین کے مجموعۂ قوانین (Pandects of Justinian) میں محفوظ ہیں۔ اس میں صاف طور سے بیان کیا گیا ہے کہ دشمن کی ہر قسم کی جائداد دوسرے جنگ آور فریق کے حق میں غیر مملوکہ ہے، اور دخل جس کے ذریعہ سے دخیل اس کا مالک ہوجاتا ہے قانون فطرت کا ایک قاعدہ ہے۔ بین الاقوامی اصول قانون میں جو قواعد ان حالات سے اخذ کئے گئے ہیں بعض اوقات ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بے ضرورت جنگ آوروں کے وحشیانہ عمل اور ان کی حرص وہوا کے محرک ہیں، مگر میرے خیال میں یہ الزام وہی لوگ لگاسکتے ہیں جو لڑائیوں کی تاریخ سے ناواقف اور اس امر سے بیخبر ہیں کہ ایسی حالتوں میں کسی قسم کے حکم کی تعمیل کرانا کس قدر مشکل کام ہے۔ جب اہل روما کا اصول دخل زمانہ حال کے مال غنیمت کے قانون میں داخل ہوگیا تو اس کے ساتھ اور بہت سے ماتحت قواعد بھی آگئے جو اس کی عمل آوری کو محدود اور متعین کرتے تھے۔ اگر ان لڑائیوں کا جو گروٹیس (Grotius) کی تصنیف کے مستند تسلیم کرلئے جانے کے بعد پیش آئیں قدیم لڑائیوں سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رومی اصول کے داخل ہوجانے کے بعد سے لڑائی نے زیادہ تر قابل برداشت

221

شکل اختیار کرلی ہے۔ اگر دخل کے رومی اصول پر یہ الزام عائد کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے زمانۂ حال کے قانون اقوام کے کسی جز پر بُرا اثر ڈالا، تو قانون مذکور کا ایک اور جز بھی ایسا ہے جس کی نسبت زیادہ تر معقول طریقہ سے یہ الزام عائد ہوسکتا ہے کہ جدید دریافت شدہ ممالک کے متعلق مصنفین کا اس اصول سے کام لینا جو اہل روما دریافت جواہرات سے متعلق کرتے تھے، بالکل بیجا تھا، اور اس سے وہ کام نہیں نکل سکتا تھا جس کی اس سے توقع کی جاتی تھی۔ پندرھویں اور سولھویں صدی کے مشاہیر بحری سیاحوں کی جدید دریافتوں سے اس اصول کو غیرمعمولی امتیاز حاصل ہوگیا مگر جو نزاعیں اس اصول سے پیدا ہوئیں وہ ان سے بہت بڑھی ہوئی تھیں جنھیں وہ فیصل کرسکا۔ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد سب سے زیادہ اشتباہ انھیں دو اُمور کے متعلق پیدا ہوگیا جن کے متعلق تیقن کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ یعنی جس ملک کو دریافت کرنے والا دریافت کرے اس میں اس کے بادشاہ کے حقوق کس حد تک ہیں، اور اس شاہی قبضہ کی تکمیل کے لئے کس قسم کے افعال کی ضرورت ہے۔ اس اصول سے جو بصورت یاوری بخت بیحد مفید ثابت ہوسکتا تھا یورپ کی بعض منچلی قوموں مثلاً ڈچ، انگریز اور پرتگالیوں نے فطری طور سے سخت اختلاف کیا۔ خود ہمارے اہل وطن نے اگرچہ قانون اقوام کے اس قاعدہ سے کسی وقت بھی بصراحت انکار نہیں کیا، مگر عملی طور سے کبھی اس پر راضی نہ ہوئے کہ امریکہ کے اس حصہ پر جو خلیج میکسیکو کے جنوب میں واقع ہے اسپین کے دعوے ملکیت کو تسلیم کریں، یا بادشاہ فرانس کو وادی اوہیو اور مسی سپی پر تنہا قابض اور متصرف رہنے دیں۔ ملکۂ ایلزبتھ کی تخت نشینی سے لے کر چارلس دوم کی تخت نشینی تک کوئی وقت ایسا نہ تھا جس میں یہ کہا جاسکے کہ امریکہ کے سمندروں میں کامل طور سے امن رہا، اور نیو انگلینڈ کے باشندے تو اور ایک صدی تک فرانس کے

بادشاہ کے مقبوضات پر برابر دست درازی کرتے رہے۔ اس قانونی اصول کے عمل سے جو بے ترتیبیاں پیدا ہوئیں انھیں دیکھ کر مبتقم کو بہ مجبوری پوپ الکزنڈر ششم کے اس حکمنامہ کی تعریف اور توصیف کرنی پڑی جو اس نے اس بارہ میں جاری کیا تھا، اور جس کی رو سے دنیا کے غیر دریافت شدہ ممالک آزورس سے ایکبسولیگ جانب مغرب ایک خط کھینچ کر اہالیٔ اسپین اور پرتگال میں تقسیم کر دئے گئے تھے۔ اگرچہ بنتھم کی یہ تعریف بظاہر مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے، مگر یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا پوپ الکزنڈر کی یہ تقسیم اصولاً زیادہ تر لغو تھی یا قانون عام کا وہ قاعدہ جس کی رو سے ایک برّاعظم کا نصف حصہ اس بادشاہ کے قبضہ میں آجاتا تھا جس کے ملازمین نے ان شرائط کی تکمیل کر دی ہو جو اہل روما کے اصول قانون میں ایک ایسی قیمتی شئے کے حصول ملکیت کے لئے کافی تھیں جو مٹھی میں آسکتی ہو۔

جو لوگ اس کتاب کے موضوع کی تحقیقات سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے دخل کا مسئلہ بطور خاص توجہ کے قابل ہے، کیونکہ اس سے قیاسی (Speculative) اصول قانون میں کام لے کر شخصی جائداد کے آغاز کی ایک فرضی توضیح پیدا کی جاتی ہے۔ ایک زمانہ میں عام طور سے یہ باور کیا جاتا تھا کہ دخل کے لئے جو کارروائی ضروری ہے وہ بعینہٖ اس کارروائی کے مماثل ہے جس کے ذریعہ سے اراضی اور اس کی پیداوار کو جو ایک زمانہ میں ملک مشترکہ تھی، کسی خاص شخص کی ملک میں آجانے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اُس سلسلۂ خیال کا سمجھ لینا جو اس امر کے فرض کر لینے کا باعث ہوا زیادہ مشکل نہیں ہے، بشرطیکہ ہم قانون فطرت کے قدیم اور جدید تصور کے باہمی باریک فرق کو نظرانداز نہ ہونے دیں۔ اہل روما کے مقننین نے یہ قرار دیا تھا کہ حصول جائداد کے فطری طریقوں میں سے ایک طریقہ "دخل" ہے، اور وہ یقین کرتے تھے کہ اگر انسان فطری حالت میں رہے تو دخل ہی سے اسے کام لینا پڑے گا۔ قوم

ہیں اس حالت کے کسی وقت بھی موجود ہونے کے متعلق انھیں کہاں تک یقین تھا ایک ایسا امر ہے جس کی نسبت، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، ان کے مستعملہ الفاظ سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مگر یہ امر یقینی ہے کہ ان کا یہ قیاس کہ نظام جائداد اس قدر قدیم نہ تھا جتنا کہ انسان کا وجود، ہر زمانہ میں ایک درجہ تک معقول سمجھا جاتا رہا ہے۔ زمانہ حال کے اصول قانون نے، اُن کے تمام نظریات کو بلا استثنا اختیار کر کے فطرت کی فرضی حالت پر اس قدر زور دیا کہ وہ تمام نظریات سے بہت آگے بڑھ گئی۔ اس وقت سے یہ حالت تسلیم کر لی گئی کہ زمین اور اس کی پیداوار ایک زمانہ میں غیر مملوکہ تھی، اور جو غیر معمولی تصور اصول قانون نے فطرت کے متعلق قائم کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بلا تامل یہ فرض کر لینا پڑا کہ جماعتوں کی ترتیب اور تہذیب سے پہلے انسان فی الحقیقت غیر مملوکہ اشیا کے دخل کا عامل اور عادی تھا، اور پھر بذریعہ استنباط یہ ماننا پڑا کہ دخل ہی وہ عمل تھا جس کے ذریعہ سے قدیم دنیا کی غیر مملوکہ اشیا تاریخی دنیا میں آکر ذاتی جائدادیں ہو گئیں۔ ان تمام مقننین کے نام گنوانا جنھوں نے اس رائے سے کسی نہ کسی صورت میں اتفاق کیا ہے ایک بیکار عمل ہوگا۔ اس قسم کی کوشش زیادہ تر اس وجہ سے بھی فضول ہوگی کہ بلیک اسٹون نے جسے اپنے زمانہ کے متوسط آرا کا آئینہ کہنا چاہیئے، اپنی کتاب کے دوسرے باب کی فصل اول میں ان آرا کو مختصر طور سے بیان کر دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "زمین اور وہ تمام اشیا جو اِس میں پائی جاتی تھیں خالق عالم کی عطا سے نوع انسان کی عام ملک تھیں۔ اشتراک ملک (Communion of goods) کا اصول، قدیم سے قدیم زمانہ میں بھی، صرف اشیا کی حقیقت سے متعلق رہا نہ کہ ان کے استعمال سے۔ کیونکہ قانون فطرت و عقل کی رو سے اُسی شخص کو جس نے پہلی مرتبہ ایک شئے کا استعمال شروع کیا اس شئے پر ایک قسم کی عارضی ملکیت حاصل ہو جاتی تھی اور اس کے استعمال تک قائم رہتی تھی، یا اگر زیادہ تر صحت کے ساتھ

224

کہا جائے تو اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حق قبضہ صرف اسی وقت تک قائم رہتا تھا جب تک قبضہ کا عمل قائم رہتا تھا۔ اس طور سے زمین مشترک تھی اور اس کا کوئی حصہ کسی خاص شخص کی مستقل ملک نہ تھا، مگر جو شخص کسی خاص مقام پر آرام یا سایہ وغیرہ کے لئے قابض ہوجاتا تھا وہ اس زمانہ کے لئے اس کا ایک قسم کا مالک ہوجاتا تھا اور اس کا وہاں سے بہ جبر بے دخل کردیا جانا انصاف اور قانون فطرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا، اس کے استعمال یا دخل سے دست بردار ہوجانے کے ساتھ ہی دوسرا شخص اس کا مجاز تھا کہ وہ اس پر قبضہ کرلے، جو مطلق خلاف انصاف نہیں متصور ہوتا تھا" اس کے بعد بلیک اسٹون یہ بحث کرتا ہے کہ "جب انسانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس امر کی ضرورت واقع ہونے لگی کہ زیادہ تر مستقل ملکیت کا تصور قائم کیا جائے اور لوگوں کو نہ صرف استعمال شئے بلکہ شئے مستعملہ کی ذات کا مالک قرار دیا جائے"۔

عبارت مندرجۂ بالا میں بعض الفاظ کے ابہام سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بلیک اسٹون خود اس اصول کو پوری طرح نہیں سمجھا جو اس نے کتابوں میں دیکھا تھا، یعنی یہ کہ ابتداً سطح زمین کی ملکیت ازروئے قانون فطرت، دخل کے ذریعہ سے حاصل کی گئی۔ جو حدود اس نے دیدہ ودانستہ یا غلطی سے عائد کئے اُن سے اس مسئلہ کی وہی شکل ہوگئی جو عام طور سے رائج ہے۔ اکثر مصنفین نے جو الفاظ کے صحیح استعمال میں بلیک اسٹون سے زیادہ تر مشہور ہیں، اس اصول کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آغاز کار میں سب سے پہلے دخل نے بمقابلہ تمام عالم کے بلا شرکت غیرے مگر عارضی طور سے ایک حق پیدا کیا، بعدہٗ یہی حق بلا شرکت غیرے رہنے سے مستقل ہوگیا۔ اس مسئلہ کو اس طرح بیان کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس اصول سے، "کہ فطرت کی حالت میں غیر مملوکہ اشیا دخل سے مملوکہ ہوجاتی ہیں"، وہ استنباط غیر مطابق نہ ہونے پائے جو وہ کتب مقدمہ کی تاریخ سے اخذ کرتے تھے، یعنی یہ کہ قدیم پدرسری خاندانوں

کے سرداروں (Patriarchs) نے ابتدائً ان اراضی پر مستقل طور سے قبضہ نہیں کرلیا جن پر ان کے جانوروں کے ریوڑ اور گلے چرتے تھے۔

بلیک اسٹون کے نظریہ پر جو نکتہ چینی براہِ راست کی جاسکتی ہے وہ یہی ہے کہ دریافت کیا جائے کہ قدیم تمدن کے وہ حالات جن کی تصویر انھوں نے کھینچی ہے کیا ایسے نہیں ہیں کہ کم و بیش دوسرے حالات اسی آسانی کے ساتھ ان کی جگہ قائم کئے جاسکیں۔ امتحان کے اس طریقہ کو اختیار کرکے ہم یہ سوال کرسکتے ہیں کہ آیا وہ شخص جو زمین کے ایک قطعہ پر آرام یا سایہ کے لئے دخیل (Occupied) ہوگیا۔ (بظاہر بلیک اسٹون نے اس لفظ کو انگریزی زبان کے معمولی معنوں میں استعمال کیا ہے۔) وہ اس کا مجاز ہوگا کہ وہ اس پر بغیر کسی کی دست اندازی کے قائم رہے۔ اس کا امکان یقینی طور سے موجود ہے کہ اس کا قبضہ اسی وقت تک باقی رہے گا جب تک اس میں اس قبضہ کے قائم رکھنے کی طاقت ہے، اور اس کو ہمیشہ اس امر کا کھٹکا لگا رہے گا کہ جو جدید شخص آئے گا اور اس مقام کو پسند کرے گا اور اپنے آپ کو قابض سے قوی تر سمجھتا ہوگا وہ اسے اس مقام سے بے دخل کردے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حالات کے متعلق ایسے تمام قیاسات بالکل بے نتیجہ ہیں، کیونکہ خود حالات مذکور بے بنیاد ہیں۔ بنی نوع انسان نے ابتدائی حالت میں جو کچھ کیا اس کی دریافت ممکن ہے کرنا کامیاب نہ ثابت ہو، مگر ان کے کرنے کے وجوہ تحریک کا معلوم کرلینا ناممکن ہے۔ آفرینش عالم کی ابتدا میں انسانی حالت کا جو خاکہ کھینچا جاتا ہے اس میں سب سے پہلے یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ انسان ماحول کے اس بڑے حصہ سے جس سے وہ اس وقت گھرا ہوا ہے عاری تھا، اور اس کے ساتھ ہی یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس فرضی حالت میں اس کے وہی خیالات اور رحجان تھے جو اس وقت اپنا عمل کررہے ہیں، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ان خیالات کے پیدا ہونے کے وہی حالات ہوں جن سے ہم نے ان کو عاری

228

فرض کرلیا ہے۔
سوگنی کا ایک مقولہ ہے جس کی نسبت بعض اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ آغاز جائداد کی اس رائے کا موئد ہے جو ایک حد تک اُن آرا کے مماثل ہے جن کو مختصراً بلیک اسٹون نے بیان کیا ہے۔ جرمنی کے اس بڑے محقق کی یہ رائے ہے کہ تمام جائداد کی بنیاد قبضہ مخالفانہ پر قائم ہے جسے قدامت (Prescription) اور زیادہ استوار کردیتی ہے۔ سوگنی کا یہ مقولہ صرف اہل روما کے قانون سے متعلق ہے اور اسے پوری طرح سمجھنے کے واسطے اس کی ضرورت ہے کہ جو الفاظ اُس نے استعمال کیئے ہیں ان کی توضیح اور تشریح میں مشقت شاقہ اٹھائی جائے مگر اس کا مقصد کافی صحت کے ساتھ ظاہر ہوجائے گا اگر یہ خیال کیا جائے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ اہل روما میں جائداد کے متعلق جو تصور تھا اس کی کتنی ہی تحقیقات کیوں نہ کی جائے اور اس تحقیقات میں ہم قانون کے کتنے ہی ابتدائی زمانہ تک کیوں نہ پہنچ جائیں مگر ہم ملک کے اس تصور سے کسی طرح آگے نہیں بڑھ سکتے کہ اس کا قانون ان تین اجزا سے مرکب ہے، یعنی قبضہ اور قبضہ کا مخالف ہونا، یعنی اس کا اجازتی یا ماتحت نہ ہونا بلکہ تمام دنیا کے مقابلہ میں بلاشرکت غیرے ہونا، اور قدامت یعنی ایک مدت جس میں قبضہ مخالفانہ بلاانقطاع جاری رہا۔ یہ مقولہ بگمان غالب اس سے زیادہ تر عمومیت کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے جو اس کا مصنف اس کو دینا چاہتا ہے۔ کسی نظام قانون میں ایسی تحقیقات سے، جو اس نقطہ سے آگے بڑھا دی جائے جہاں یہ مجموعی خیالات حق ملکیت کا تصور قائم کرتے ہیں، کسی صحیح اور قابل اطمینان نتیجہ نکلنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ آغاز جائداد کے عام نظریہ کی تائید کرنے کی بجائے سوگنی کا مقولہ اس کی کمزوریوں کی طرف توجہ مبذول کرانے میں بطور خاص مفید اور کارآمد ہے۔ بلیک اسٹون اور ان لوگوں کے نظریہ میں

227

جن کا وہ اتباع کرتا ہے بلا شرکت غیرے استفادہ کا طریقہ ایسا تھا جس نے ہماری قوم کے مورثوں کے دل پر حیرت انگیز اثر ڈالا۔ مگر وہ حیرت یہاں باقی نہیں رہتی۔ اس میں کوئی امر حیرت انگیز نہیں ہے کہ جائداد کا آغاز قبضہ مخالفانہ سے ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی تعجب پیدا ہوتا ہے کہ پہلا مالک ایسا قوی اور مسلح شخص تھا جو اپنی جائداد کی حفاظت کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے کیا اسباب ہوئے کہ امتداد زمانہ سے اس کے قبضہ میں وقعت پیدا ہوگئی، یہی اس عزت کا ماخذ ہے جو انسان ان چیزوں کی کرتا ہے جو فی الحقیقت ایک مدت دراز سے موجود چلی آتی ہیں۔ یہ سوالات یقیناً بے حد غور کے محتاج ہیں، مگر ہماری اس وقت کی بحث سے بالکل خارج ہیں۔

قبل اس کے کہ میں اس جانب ایما کروں جس سے ہمیں حق مالکانہ کی ابتدائی تاریخ کے متعلق مختصر اور بدرجۂ غایت غیر یقینی اطلاع مل سکتی ہے، میں اس رائے کے اظہار کی جرأت کرتا ہوں کہ ابتدائی تہذیب کے زمانہ میں دخل کا جو اثر عام طور سے خیال کیا جاتا ہے وہ حقیقت حال اور صداقت کے بالکل خلاف ہے۔ دخل، عملی اور ظاہری قبضہ کے لئے ایک سوچا اور سمجھا ہوا مفروضہ ہے، اور یہ خیال کہ اس قسم کے عمل سے غیر مملوکہ اشیا کا حق پیدا ہوجاتا ہے ابتدائی جماعتوں کی خصوصیات سے بالکل بعید ہے، قیاس غالب یہی ہے کہ وہ اصول قانون کے مہذب ہوجانے، اور قوانین کے قابل اطمینان حالت میں آجانے کے بعد، پیدا ہوا ہے۔ جب حقوق مالکانہ نے عرصہ دراز تک کسی عملی نقص کے نہ واقع ہونے کی وجہ سے ایک طرح کی رواداری (Sanction) حاصل کرلی، اور جب کہ اکثر اشیائے استفادہ لوگوں کی ذاتی ملکیت میں آگئیں، اس وقت صرف قبضہ کی بنا پر یہ جائز سمجھا جانے لگا کہ پہلا قابض ان اشیا پر مالکانہ حقوق رکھتا ہے جن کی نسبت اس سے قبل کے مالکانہ حقوق پیش نہیں کئے جاتے۔ یہ

228

مسئلہ جس اصول سے پیدا ہوا وہ، مالکانہ حقوق کے شاذ اور غیریقینی ہونے کے ساتھ جو ابتدائی تمدن کی خصوصیت میں داخل ہے، مطابق نہیں ہوتا۔ اس کی صحیح بنیاد نظام جائداد کی طرف فطری رجحان نہیں، بلکہ یہ مفروضہ ہے کہ "ہر شئے کا ایک مالک ہونا چاہئے"۔ جو اس نظام کے ایک مدت تک جاری رہنے کا نتیجہ ہے۔ جب کسی ایسی شئے پر قبضہ کیا جاتا ہے جو پہلے سے کسی دوسرے شخص کے قبضہ میں نہیں ہے یا نہ تھی، تو قابض کو اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اس کا مالک ہو جائے، اس خیال سے کہ تمام قیمتی اشیا فطری طور سے بلا شرکت غیرے قابلِ استفادہ ہیں، اور موجودہ صورت میں بجز دخیل کے اور کوئی ایسا شخص نہیں ہے جسے حق مالکانہ دیا جاسکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دخیل مالک ہو جاتا ہے کیونکہ تمام اشیا کی نسبت یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ وہ کسی شخص کی ملک ہیں اور کوئی ایسا شخص نہیں بتایا جاسکتا جو اس خاص شئے میں دخیل سے بہتر حق ملکیت رکھتا ہو۔

اگر انسان کی اُس فطری حالت پر جسے ہم بیان کر رہے ہیں اور جس پر ہم نے اس قدر بحث کی ہے، کوئی اور اعتراض وارد نہ ہوسکتا ہو، تاہم اس میں ایک ایسا امر موجود ہے جو اس قابلِ اعتبار شہادت سے جو ہمارے قبضہ میں ہے بالکل مخالف ہے۔ یہ امر صاف طور سے نظر آتا ہے کہ جو افعال اور وجوہ تحریک یہ اصول فرض کرتے ہیں وہ منفرد اشخاص کے افعال اور وجوہ تحریک ہیں۔ ہر فرد بشر خود اپنے لئے ایک تمدنی پیمان قرار دے لیتا ہے، یہ پیمان جگہ بدلنے والے ریگ کے تودوں کی طرح ہے، جس میں منفرد انسان ذرّوں کے مماثل ہیں، جو ہابس کے اصول کے مطابق قوت کے صحت بخش اثر سے سخت ہوکر تمدنی چٹانیں بن جاتے ہیں۔ یہی منفرد اشخاص اس تصویر میں جو بلیک اسٹون نے کھینچی ہے، "ایک مخصوص قطعہ اراضی پر آرام اور سایہ کے لئے قابض" بتائے گئے ہیں۔ یہ نقص ان تمام اصول میں

229

پایا جاتا ہے جو اہل روما کے فطری قانون سے ماخوذ ہیں، جو منفرد اشخاص کے معاملہ میں ان کے ملکی قانون سے بالکل مختلف تھا؛ اور جس نے منفرد اشخاص کو قدیم جماعت کی تابعداری سے آزاد کر کے تہذیب کی بڑی خدمت ادا کی ہے۔ لیکن مجھے پھر یہ بتا دینا چاہیئے کہ قدیم قانون میں منفرد اشخاص کی کوئی حیثیت نہ تھی، اور نہ وہ اُن سے بحث کرتا تھا۔ اس کا موضوع منفرد انسان نہیں، بلکہ خاندان یا انسانوں کی مجموعی جماعتیں تھیں۔ جب ملکی قانون رشتہ داروں کی مختصر جماعتوں پر موثر ہونے لگا جن پر موثر ہونے کا ابتدا میں اسے کوئی ذریعہ نہ تھا، اس وقت بھی منفرد اشخاص کے متعلق اس کی جو رائے قائم ہوئی وہ اس رائے سے جو اُصول قانون نے اپنی پختگی کے زمانہ میں قائم کی تعجب انگیز طریقہ سے متضاد تھی۔ شہر کے ہر باشندے کی زندگی اس کی پیدایش اور موت سے محدود نہیں سمجھی جاتی تھی، بلکہ وہ اس کے آبا و اجداد کی مسلسل زندگی تھی جس کا سلسلہ اس کی اولاد تک جاری رہتا تھا۔ اہل روما نے قانون اشخاص اور قانون اشیا میں جو امتیاز قائم کیا تھا وہ باوجود موجب آسانی ہونے کے بالکل مصنوعی تھا، اور وہی اس وقت ہماری تحقیقات زیر بحث کے سیدھے راستہ پر چلنے میں مانع ہو رہا ہے۔ قانون اشخاص (Jus Personarum) پر غور اور بحث کرنے میں جو سبق ہمیں ملتے ہیں وہ قانون اشیا یا جائداد (Jus Rerum) پر پہنچ کر ہمیں یک لخت بھلا دینے پڑتے ہیں، اور جائداد، معاہدات اور افعال ناجائز کے متعلق یہ سمجھنا پڑتا ہے کہ ان کی ابتدائی نوعیت کے متعلق ان واقعات سے جو انسان کے ابتدائی حالات کے متعلق دریافت ہوئے تھے کسی قسم کی مدد نہیں مل سکتی۔ اس طریقۂ عمل کے نقائص اس وقت صاف طور سے نمایاں ہو سکتے ہیں جب کہ کسی خالص قدیم اور متروک قانون کا نظام ہمارے سامنے لایا جائے، اور اس پر اہل روما کی تقسیم کی آزمایش کی جائے۔ اس وقت صاف طور سے ظاہر ہو جائے گا کہ قانون کی ابتدائی حالت میں قوانین اشخاص اور اشیاء کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے

230

کچھ معنی نہیں ہیں، اور ان دونوں شعبوں کے قواعد اس قدر ملے جُلے ہیں
کہ ان کا جدا کرنا محال ہے، اور جو فرق زمانۂ مابعد کے مقننین نے قائم
کیا ہے وہ زمانۂ مابعد کے اصول قانون کے لئے موزوں اور مناسب ہے
اس کتاب کے ابتدائی حصّوں میں جو کچھ بیان ہوچکا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ
صرف منفرد اشخاص کے حقوق مالکانہ پر نظر ڈالنے سے ہمیں جائداد کی
ابتدائی تاریخ کا کوئی علم بظاہر حاصل نہیں ہوسکتا۔ قیاس غالب یہی ہے کہ
ملک مشترکہ نہ کہ ملک تنہا قدیم قانون کا موضوع ہے، اور جن جائدادوں
سے ہمیں کوئی اطلاع حاصل ہوسکتی ہے وہ اسی نوعیت کی جائدادیں ہیں جن
میں خاندانوں اور رشتہ داروں کی جماعتوں کے حقوق شامل ہیں۔ رومی
اصول قانون سے ہمیں اس موقعہ پر کوئی علم حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ خود
اس رومی اصول قانون نے جس کی شکل فطری قانون کے اصول سے
بدل گئی تھی، زمانۂ حال کے لوگوں میں یہ خیال پیدا کردیا ہے کہ مالکانہ
حقوق میں شخصی ملکیت معمولی حالت ہے، اور ایک گروہ کی مشترکہ
ملکیت عام قاعدہ کا صرف ایک استثنا ہے۔ دنیا میں ایک ایسی
جماعت موجود ہے جس کی طرف ہر ایسے شخص کو جو قدیم تمدن کے
کسی گم شدہ اصول کا پتہ لگانا چاہتا ہے باحتیاط تمام توجہ مبذول
کرنی پڑتی ہے۔ اس قسم کے اصول، ہندی یوربین خاندان کی اس
شاخ میں جو قرنوں سے ہندوستان میں آباد ہے، خواہ کیسے ہی
کیوں نہ بدل گئے ہوں، مگر اس قالب کو نہیں چھوڑ سکے ہیں جس
میں وہ ابتداً ڈھلے تھے۔ اتفاق سے ہندوؤں میں ہمیں ملکیت کی
ایسی شکل ملتی ہے جس کی طرف، ان خیالات کے تطابق کی وجہ سے
جو ہم قانون اشخاص پڑھ کر جائداد کی ابتدائی حالت کی نسبت قائم
کرتے ہیں، ہماری تمام تر توجہ مبذول ہونی چاہئے۔ ہندوستان
کی دیہاتی جماعت ایک باضابطہ پدرسری خاندان، اور مشترکہ مالکوں کی
ایک مجلس ہے۔ اس جماعت کے لوگوں کے باہمی ذاتی تعلقات انکے

(۲۳۱)

مالکانہ حقوق کے ساتھ اس طرح مخلوط ہیں کہ ان کا تمیز کرنا دشوار ہے۔ ہندوستان کے انگریزی عہدہ داروں کے انتظام میں ناکامی کی بڑی وجہ یہی ہوئی کہ انھوں نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہا۔ ہندوستان کی دیہاتی جماعت ایک بہت قدیم جماعت ہے۔ ہندوستان کی عام یا مقامی تاریخ میں جس طرف تحقیقات کا دائرہ وسیع کیا گیا ہے یہی پایا گیا کہ اس کے عہد ترقی کے بہت پہلے سے اس جماعت کا وجود تھا۔ بہت سے ہوشیار اور غور کرنے والے مصنفین، جن میں سے اکثروں کو اس جماعت کی نوعیت اور ابتدا کے متعلق کسی خاص نظریہ کی تائید مقصود نہ تھی، اس امر پر متفق ہیں کہ یہ ایک ایسی قوم کا بہ مشکل گم ہوجانے والا طریقہ ہے (۲۴۲) جو اپنا کوئی رسم و رواج بخوشی تبدیل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ فتوحات اور انقلابات کی موجیں آئیں اور اس پر سے گزر گئیں مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ ہندوستان کی حکومت کے مفید ترین نظام وہی ثابت ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے انتظام کی بنیاد اسی کو تسلیم کیا تھا۔

اہل روما کا تکمیل یافتہ قانون، اور زمانۂ حال کا اصول قانون اسی کے اتباع میں مشترکہ ملک کو مالکانہ حقوق کا ایک مستثنےٰ اور ایک عارضی حالت تصور کرتا ہے۔ اس خیال کا اس مقولہ سے اظہار ہوتا ہے جو مغربی یورپ میں عام طور سے شایع ہے کہ "کوئی شخص اپنی مرضی کے خلاف ملک مشترکہ میں نہیں رکھا جاسکتا"۔ لیکن ہندوستان کا خیال بالکل اس کے خلاف ہے، اور جداگانہ ملک کا رجحان اس طرف ہے کہ وہ مشترکہ ملک کی صورت اختیار کرلے۔ اس عمل کے متعلق ہم قبل ازیں لکھ آئے ہیں۔ بیٹا پیدا ہوتے ہی اپنے باپ کی جائداد میں حق حاصل کرلیتا ہے، اور بالغ ہوکر خاص خاص صورتوں کے پیش آنے پر از روئے الفاظِ قانون، خاندانی جائداد کی تقسیم کا دعویٰ کرسکتا

ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ باپ کے مرجانے کے بعد بھی بہت ہی شاذ صورتوں میں جائداد تقسیم ہوتی ہے، بلکہ پشت ہا پشت غیر منقسمہ رہتی ہے، اگرچہ ہر پشت کا رکن جائداد کے غیر منقسمہ حصہ کا قانونی حقدار ہوتا ہے۔ اس مشترک جائداد کا انتظام بعض صورتوں میں منتخبہ منتظم کے سپرد ہوتا ہے، لیکن عام طور سے، اور ملک کے بعض حصوں میں ہمیشہ، اس کا انتظام وہ قریب ترین رشتہ دار کرتا ہے جو خاندان کی سب سے مقدم شاخ کا نمایندہ ہوتا ہے۔ مشترکہ مالکوں کی ایسی جماعت، یعنی چند رشتہ داروں کا مشترک جائداد پر قابض ہونا، ہندوستان کی دیہاتی جماعت کی سادہ سی سادہ شکل ہے۔ مگر یہ جماعت رشتہ داروں کی بھائی بندی اور شرکا کی انجمن سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ ایک مرتب جماعت ہے اور مشترکہ رقوم کے انتظام کا بندوبست کرنے کے علاوہ کارکنوں کا ایک کامل عملہ مہیا کرکے اندرونی حکومت مثلاً کوتوالی، عدالت، اور ٹیکسوں اور عامہ فرائض کی تقسیم کا بندوبست بھی کرتی ہے۔

میں نے دیہاتی جماعت کے قائم ہونے کا جو طریقہ بیان کیا ہے وہ بطور نمونہ کے متصور ہوسکتا ہے، اس سے یہ نہ فرض کرلینا چاہیئے کہ ہندوستان میں ہر دیہاتی جماعت اسی سادہ طریقہ سے قائم ہوگئی تھی۔ اگرچہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ دفاتر محفوظہ قطعی طور سے یہ بتاتے ہیں کہ شمالی ہندوستان میں جماعت کے بانی صرف یک جدی رشتہ دار تھے، مگر اسی ذریعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دوسری اقوام کے لوگوں کا وقتاً فوقتاً پیوند لگتا رہتا تھا، اور خاص خاص حالات میں صرف ایک حصہ کا خریدار اس بھائی بندی میں شریک کرلیا جاتا تھا۔ اس جزیرہ نما کے جنوب میں اکثر ایسی جماعتیں بھی پائی جاتی ہیں جو ایک خاندان سے نہیں بلکہ دو یا اس سے زیادہ خاندانوں سے پیدا ہوئی ہیں، اور بعض

ایسی ہیں جن کی ترکیب بالکل مصنوعی ہے۔ اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ مختلف فرقوں کا بعض اوقات ایک جماعت میں شریک ہو جانا ایک جد کی اولاد ہونے کے مفروضہ کو باطل کئے دیتا ہے، مگر ان سب برادریوں میں یا تو یہ روایت چلی آتی ہے، یا یہ فرض کرلیا گیا ہے، کہ وہ ابتدا میں ایک ہی والدین کی نسل سے تھے۔ مونٹ اسٹورٹ الفنسٹن جنھوں نے زیادہ تر خصوصیت کے ساتھ جنوب کی دیہاتی جماعتوں کے متعلق لکھا ہے بیان کرتے ہیں (تاریخ ہند صفحہ ۷۱ مطبوعہ ۱۹۰۵ء) کہ "عام خیال یہ ہے کہ گاؤں کے تمام زمیندار اُس ایک شخص یا ایک سے زیادہ اشخاص کی اولاد میں ہیں جنھوں نے اس کو آباد کیا تھا۔ اس سے مستثنٰے وہی لوگ ہیں جنھوں نے ابتدائی خاندان کے لوگوں سے بذریعہ خرید یا دوسرے طریقہ سے اپنے حقوق حاصل کئے ہیں۔ اس مفروضہ کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ چھوٹے گاؤں میں زمینداروں کا ایک ہی خاندان ہوتا ہے، اور بڑے گاؤں میں بھی ان کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن ہر خاندان کے ارکان بڑھ کر اس قدر ہو گئے ہیں کہ تمام زراعتی کام بغیر رعایا یا مزدوروں کی مدد کے خود زمینداروں کا کر لینا کوئی غیر معمولی بات نہیں سمجھی جاتی۔ ان سب کے حقوق زمینداری مشترک ہیں اور اگرچہ ان کی تقسیم ایک حد تک جدا جدا ہے مگر قطعی علٰحدگی نہیں ہے۔ مثلاً یہ ممکن ہے کہ ایک زمیندار اپنے حقوق کو فروخت یا رہن کردے، مگر اس کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے گاؤں والوں کی رضامندی حاصل کرے۔ جو مشتری ہوتا ہے وہ بائع کی جگہ قائم ہو جاتا ہے اور اس کی تمام ذمہ داریاں اٹھا لیتا ہے۔ اگر کوئی خاندان نیست و نابود ہو جاتا ہے تو اس کا حصہ مشترکہ جائداد میں آکر شریک ہو جاتا ہے۔"

(۲۳۴)

الفنسٹن نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان کے سمجھنے میں میں امید کرتا ہوں کہ پڑھنے والے کو ان بیانات سے مدد ملے گی جو

اس جلد کی فصل پنجم میں درج کیئے گئے ہیں۔ قدیم دنیا کا کوئی طریقہ ہمارے زمانہ تک غالباً قائم نہ رہ سکتا، اگر کسی حیات بخش قانونی مفروضہ سے اس میں ایسا لوچ نہ پیدا ہوگیا ہوتا جس سے اس کی ابتدائی نوعیت محض ناآشنا تھی۔ پس دیہاتی جماعت کے لیئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ یک جدی رشتہ داروں ہی کا مجمع ہو، وہ یک جدی رشتہ داروں یا ایسے مشترک مالکوں کا مجمع ہوسکتا ہے جو رشتہ داروں کی انجمن کے نمونہ پر قائم کیا گیا ہو۔ یہ بظاہر رومی خاندان (Family) سے نہیں بلکہ رومی (۲۴۵) قبیلہ (Gens or House) سے مشابہ ہے۔ قبیلہ بھی خاندان کے نمونہ پر ایک ایسا مجمع تھا جس میں مختلف مفروضات کے ذریعہ سے خاندان کی توسیع کردی گئی تھی؛ اگرچہ اُن مفروضات کی صحیح نوعیت کا پتہ چلنا بوجہ قدامت کے دشوار ہے۔ تاریخی زمانہ میں اس کی ممیزہ خصوصیات وہی دو تھیں جو الفنسٹن دیہاتی جماعت کے متعلق بیان کرتا ہے یعنی ان کا ہمیشہ یک جدی ہونا فرض کرلیا جاتا تھا جو بعض اوقات بالکل واقعات کے خلاف ہوتا تھا، اور بالفاظ مورخ موصوف "اگر کوئی خاندان مفقود ہوجاتا تھا تو اس کا حصہ مشترکہ جائداد میں شامل ہوجاتا تھا"۔ روما کے قدیم قانون میں ایسی میراث جس کا کوئی دعویدار نہوتا تھا بحق اغیار (Gentiles) ضبط ہوجاتی تھی۔ جن لوگوں نے اُن جماعتوں کی تاریخ پر غور کیا ہے ان کا یہ گمان ہے کہ ایسی جماعتیں جو "اغیار" کے نمونہ پر قائم تھیں بیرونی اشخاص کو شامل کرلینے کی وجہ سے عموماً مخلوط ہوگئی ہیں مگر اس وقت صحیح طور سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اس جذب کا عمل کس طرح ہوا۔ فی زمانا بقول الفنسٹن کے شرکت کا یہی طریقہ ہے کہ مشتریان حصص برادری کی رضامندی سے شریک کرلیئے جاتے ہیں۔ متبنیٰ رکن کو جو کچھ ملتا ہے اس کی نوعیت بشمول جائداد خرید کردہ وہی ہے جو فطرتی توریث کی ہوتی ہے؛ اور اس پر وہی تمام ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو بائع پر بمقابلہ کل جماعت کے عائد ہوتی ہیں۔ وہ خاندان کا خریدار (Emptor familiae)

ہے اور وراثتہً اسی کا قانونی لباس پہن لیتا ہے جس کا وہ قایم مقام ہوتا ہے ۔ اس کی شرکت کے لئے تمام برادری کی رضامندی ، اس رضامندی کو یاد دلاتی ہے جو (Comitia Curiata) "کمٹیا کوریٹا" یعنی خود مقلب کردہ رشتہ داروں کی وسیع برادری میں جو قدیم روما کی جمہوری حکومت تھی تبنیت یا وصیت کے جواز کے واسطے اس قدر ضروری سمجھی جاتی تھی ۔ (۲۳۶)

ہندوستان کی دیہاتی جماعت کی ہر شکل اور صورت میں انتہائی قدامت کے نشانات پائے جاتے ہیں ۔ ہمارے پاس اس گمان کرنے کے لئے مستقل وجوہ موجود ہیں کہ قانون کا ابتدائی زمانہ ملک مشترکہ، ذاتی اور مالکانہ حقوق اور شخصی اور عامہ فرائض کے اختلاط کی بنا پر ممیز تھا ؛ برادری کے ان حقوق مالکانہ کا معائنہ کرکے ہم سب سے اہم نتائج مستنبط کرسکتے ہیں ، اگرچہ ایسی مرکب جماعتوں کا وجود دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں نہ پایا جاتا ہو ۔ اتفاق سے زمانۂ حال میں اسی نوعیت کے واقعات کی طرف یورپ کے اُن حصوں میں بجد توجہ کی جارہی ہے جن میں جاگیری طریقہ نے جائداد کی نوعیت میں بہت کم تبدیلی پیدا کی ہے ، اور جو بہت سے اہم امور میں مغربی ممالک کی طرح مشرقی ممالک سے بھی مشابہ ہیں ۔ ایم ۔ ڈی ہاکستھاسن ایم ٹنگوبورسکے اور دوسروں کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ روسی دیہات اتفاقی مجمعے نہیں ہیں ، اور نہ وہ ایسی انجمنیں ہیں جو معاہدہ پر قائم ہوئی ہوں ، بلکہ وہ ہندوستانی جماعتوں کی طرح فطری طور سے ترتیب یافتہ جماعتیں ہیں ۔ یہ صحیح ہے کہ اصولاً یہ دیہات کسی نہ کسی امیر کی میراث اور ملک ہوتے ہیں ، اور کاشتکار تاریخی زمانہ میں زمین اور زیادہ تر مالک کے ذاتی غلام بنالئے گئے ہیں ، مگر اس اعلیٰ مالکانہ حق کی وجہ سے دیہات کی قدیم ترکیب میں کبھی کوئی فرق نہیں آنے پایا ۔ قیاس غالب یہی ہے کہ جس زار روس نے (۲۳۷)

قانون جاری کرکے اس کاشتکارانہ غلامی کو ایجاد کیا اس کا منشاء یہی تھا کہ کاشتکار اُس باہمی امداد کو نہ چھوڑ بیٹھیں جس کے بغیر قدیم معاشرت کا یک عرصہ تک چلنا مشکل تھا۔ دیہات کے رہنے والوں کے یک جدی فرض کئے جانے اور ذاتی اور مالکانہ حقوق کے اختلاط اور اندرونی نظم و نسق کی مختلف خود اختیار کردہ صورتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ روسی دیہات کے لوگ ہندوستانی دیہاتی جماعت کا نمونہ ہیں۔ صرف ایک اہم فرق ہے جو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے ہندوستانی دیہات کے مالکوں کے حقوق باوجود جائداد کے مشترک ہونے کے علٰحدہ علٰحدہ ہوتے ہیں، اور یہ علٰحدگی کامل علٰحدگی ہوتی اور غیر محدود زمانہ تک جاری رہتی ہے۔ روسی دیہات میں بھی ہولاً حقوق کی علٰحدگی کامل ہوتی ہے مگر وہ عارضی ہوتی ہے۔ ایک مقررہ مدت کے بعد، جو سب صورتوں میں یکساں نہیں ہوتی، تمام علٰحدہ ملکیتیں زائل ہوجاتی ہیں؛ اور دیہات کی تمام اراضی یکجا کرکے ان خاندانوں میں جن سے وہ جماعت مرکب ہوتی ہے بلحاظ ان کی تعداد کے دوبارہ تقسیم کردی جاتی ہے۔ اس دوبارہ تقسیم کے بعد پھر خاندانو اور اشخاص کے حقوق کی مختلف شاخیں ہوجاتی ہیں؛ اور ان کا سلسلہ دوسری تقسیم کے زمانہ تک جاری رہتا ہے۔ جو ممالک ترکی اور شاہان آسٹریا کی سلطنتوں کے درمیان واقع ہیں اور ایک زمانہ تک دونوں سلطنتوں میں مابہ النزاع رہے ہیں، ان میں ملک کی اس سے بھی زیادہ عجیب صورتیں رائج ہیں۔ سرویا، کورشیا اور آسٹریا کی سکلونیا میں یہی دیہات ایسے لوگوں کی برادریاں ہیں؛ جو مشترکہ مالک اور باہم رشتہ وار ہیں، مگر ان کے اندرونی انتظامات (۲۳۸) متذکرہ صدر دونوں مثالوں سے مختلف ہیں۔ اس صورت میں جائداد مشترکہ نہ عملی طور سے تقسیم ہوتی ہے اور نہ اصولی طور سے قابل تقسیم ہے۔ تمام اراضی پر دیہات کی مشترکہ محنت سے کاشت ہوتی ہے

اور جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ بعض اوقات بلحاظ ان کی مفروضہ ضروریات اور بعض اوقات ان قواعد کے لحاظ سے جن کی رو سے خاص خاص اشخاص کو پیداوار کا ایک مقررہ حصہ دیا جاتا ہے، سالانہ تقسیم کرلیا جاتا ہے۔ مشرقی یورپ کے مقننین اس عمل کو قدیم سکلوونیا قوانین کے اس اصول سے مستخرج سمجھتے ہیں "کہ خاندانی جائداد کی دوامی تقسیم نہیں ہوسکتی"۔

جو امور اس وقت زیر تحقیقات ہیں ان میں زیادہ تر دلچسپی اس وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے کہ اُن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو گروہ ابتدا میں جائداد کے مشترکہ قابض تھے اُن میں جداگانہ حقوق ملکیت کس طرح پیدا ہوگئے۔ اس خیال کی تائید میں مضبوط دلائل موجود ہیں کہ ایک زمانہ میں جائداد کسی ایک شخص یا ایک خاندان کی ملک نہ تھی، بلکہ ان وسیع تر جماعتوں کی ملک سمجھی جاتی تھی جو پدرسری خاندان کے نمونہ پر قائم تھیں۔ اگرچہ صحیح طور سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ ملک کے قدیم تصور سے جدید تصور کس طرح پیدا ہوا، تاہم جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ انھیں جماعتوں کی موجودگی سے ہوا ہے، اگر دیہاتی جماعت کی ممیز اور مختلف شکلیں دریافت نہ ہوتیں اور ان کے متعلق تحقیقات نہ کی جاتی تو یہ مسئلہ اور زیادہ تاریکی میں رہتا۔ اس لئے ہندی یورپین اقوام کے پدرسری خاندانوں کے اُن اندرونی انتظامات پر جو اس وقت نظر آتے ہیں، یا کچھ عرصہ قبل تک نظر آتے تھے، توجہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہائلینڈ کے غیر مہذب قبیلوں کے سرداروں کو، ہر اُس خاندان کے سرپرست کو جو ان کے حدود ارضی میں رہتا تھا، تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد، بلکہ بعض اوقات روزانہ، غذا تقسیم کرنی پڑتی تھی۔ (۲۳۶) ممالک آسٹریا اور ترکی کے سکلوونی دیہات میں بھی قبیلہ کے سردار مقررہ اوقات پر اسی طرح غلہ تقسیم کرتے ہیں، مگر یہ تمام سال کی پیداوار

کی ایک تقسیم ہے۔ روسی دیہات میں اشیا ملکیت ناقابل تقسیم نہیں متصور ہوتیں، جداگانہ مالکانہ حقوق کے قیام کی آزادی کے ساتھ اجازت دی جاتی ہے، مگر یہ علیحدگی کا عمل ایک خاص مدت تک جاری رہنے کے بعد دفعتہً رُک جاتا ہے۔ ہندوستان میں جائدادِ مشترکہ ناقابلِ تقسیم نہیں ہے، بلکہ اس کے بعض حصوں میں جداگانہ ملکیت کو غیر محدود طور سے وسعت دی جاسکتی ہے، اور وہ بے شمار ماتحت ملکیتوں میں تقسیم ہوسکتی ہے، مگر جائداد کی حقیقی تقسیم میں وہ رسم و رواج جس کی پابندی لازم ہے، اور یہ قاعدہ کہ کوئی غیر شخص برادری میں بغیر برادری کی رضامندی کے داخل نہیں ہوسکتا ہمیشہ مانع رہتا ہے۔ اس امر پر زور دینا ہرگز مقصود نہیں ہے کہ دیہاتی جماعتوں کی یہ مختلف شکلیں اس تبدیلی کے جو ہر جگہ ایک ہی طریقہ پر ہوتی ہے مختلف مدارج ہیں۔ اگرچہ یہ شہادت ہمیں اس حد تک جانے کی اجازت نہیں دیتی، مگر اس سے یہ قیاس اس قدر بعید نہیں رہتا کہ ذاتی جائداد کی وہ شکل جس سے ہم واقف ہیں، جماعت کے مشترکہ حقوق سے شخصی حقوق کے رفتہ رفتہ علیحدہ ہوجانے کی وجہ سے، پیدا ہوئی۔ قانونِ اشخاص پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان بڑھ کر یک جدی رشتہ داروں کا ایک مجمع ہوجاتا ہے، اور پھر یہ مجمع مختلف گھرانوں میں منقسم ہوتا ہے اور بالآخر ان گھرانوں کی جگہ اشخاص قائم ہوجاتے ہیں اور اس موقع پر پہنچکر یہ خیال ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ اس تبدیلی کے ہر مرحلہ پر ملکیت کی نوعیت بدلتی رہتی ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو اس سے اس رائے پر جو اہلِ اصول نے عام طور سے جائداد کی ابتدا کے متعلق قرار دے لی ہے بہت بڑا اثر پڑے گا۔ جو ناقابلِ حل مسئلہ وہ لوگ معرضِ بحث میں لائے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ کیا وجوہِ تحریک تھے جنھوں نے انسانوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ ایک دوسرے کے

(۲۴۰)

مقبوضات کی وقعت کریں ؛ یہی مسئلہ تفتیشی شکل میں اس طرح پیش ہوسکتا ہے کہ وہ کیا وجوہ تھے جن کی بنا پر ایک مرکب گروہ دوسرے مرکب گروہ کے دائرۂ اختیار سے علیحدہ رہا۔ اگرچہ اس کا جواب بھی ملنا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ امر صحیح ہے کہ شخصی جائداد کی تاریخ میں سب سے اہم واقعہ اس کا رفتہ رفتہ رشتہ داروں کی مشترکہ ملک سے علیحدہ ہوجانا ہے، توسب سے زیادہ قابل دریافت وہی امر ہوگا جو تمام تاریخی قانون کے آغاز میں پیش آتا ہے، یعنی وہ کیا وجوہ تھے جو ابتدا میں اس کے محرک ہوئے کہ انسان خاندانی تعلقات کا وابستہ رہے۔ ایسے سوالوں کا جواب اصول قانون نہیں دے سکتا، جب تک کہ وہ دوسرے علوم سے مدد نہ لے، البتہ جو واقعہ موجود ہے اس پر لحاظ کرسکتا ہے۔ قدیم جماعتوں میں غیر منقسمہ جائداد کی نوعیت میں تقسیم کی صریح اور مخصوص قابلیت موجود ہوتی ہے، مگر اس کا اظہار اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی حصہ جماعت کی مشترکہ ملک سے بالکل علیحدہ کرلیا جاتا ہے) یہ حالت یقیناً اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جائداد کی نسبت فرض کرلیا جاتا ہے کہ وہ ایک جدید جماعت کی ملک میں چلی گئی، پس حالت منقسمہ میں اس کے متعلق کوئی معاملہ کرنا ایسا معاملہ ہوگا جو دو پیچ در پیچ اور مرکب جماعتوں میں کیا جائے۔ میں قبل ازیں بیان کرچکا ہوں کہ قدیم قانون زمانۂ حال کے بین الاقوامی قانون سے، بلحاظ وسعت اور ان متحدہ جماعتوں کی پیچیدہ ترکیب کے جن کے حقوق اور فرائض کا اس سے تصفیہ ہوتا ہے، بہت زیادہ مشابہ ہے۔ چونکہ قدیم قانون کے معاہدات اور انتقالات، ایسے معاہدات اور انتقالات ہوتے تھے جن کے فریق منفرد اشخاص نہیں، بلکہ اشخاص کی مرتب جماعتیں ہوتی تھیں، اس لئے ان میں مراسم کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔ مختلف قسم کے علامتی افعال اور الفاظ کی ضرورت ہوتی تھی تاکہ معاملہ شرکائے جلسہ کے

(۲۷۱)

حافظہ میں اچھی طرح مرتسم ہو جائے۔ اور اسی وجہ سے غیر معمولی تعداد میں گواہوں کی ضرورت واقع ہوتی تھی۔ انھیں اور اسی قسم کی دوسری خصوصیات کی وجہ سے جائداد کی قدیم شکلیں ناہموار نظر آتی ہیں۔ بعض اوقات خاندانی ملک مطلقاً ناقابل انتقال ہوتی تھی (جیسا کہ باشندگان سکلووینیا میں رائج تھا۔ اور بعض صورتوں میں اگرچہ انتقال قطعی طور سے ممنوع نہ تھا، جیسے اکثر جرمن قوموں میں مگر انتقال کے لئے اس قدر کثیر اشخاص کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت واقع ہوتی تھی کہ وہ فی الحقیقت ناقابل عمل ہو جاتا تھا۔ جن صورتوں میں یہ موانع موجود نہ ہوتے تھے، یا وہ رفع کر دئے جاتے تھے اس حالت میں بھی انتقال کے ساتھ مراسم کا بڑا بار موجود رہتا تھا جس میں سے ایک ذرہ برابر کا چھوڑ دیا جانا بھی خالی از خطرہ نہیں متصور ہوتا تھا۔ قدیم قوانین اس کی اجازت نہیں دیتے کہ ایک اشارہ خواہ وہ کیسا ہی مضحک کیوں نہ ہو، یا ایک لفظ جس کے معنی بالکل بھلا دئے گئے ہوں یا ایک گواہ کو اس کی شہادت کیسی ہی غیر ضروری کیوں نہ ہو، ترک کر دیا جائے۔ تمام مراسم کا نہایت احتیاط کے ساتھ تکمیل کرنا ان لوگوں پر لازم تھا جو قانونی طور سے اس میں شرکت کے مستحق تھے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تھا تو وہ انتقال ناجائز قرار پاتا تھا اور بایع کے وہ تمام حقوق برقرار رہتے تھے جنھیں منتقل کرنے کی وہ بیکار کوشش کرتا تھا۔

اشیاء انتقال اور استفادہ کے آزادانہ انتقال میں جو مختلف دقتیں پیش آتی تھیں ان کا احساس ایسی جماعتوں کو ہونے لگا جنھوں نے کاروبار میں تھوڑی سی بھی ترقی کی تھی اور جن ترکیبوں سے آن آگے بڑھنے والی جماعتوں نے ان دقتوں کو دور کرنے کی کوششیں کیں وہی جائداد کی تاریخ کا اصلی مواد ہیں۔ ان میں سے ایک ترکیب اپنی قدامت اور عمومیت کی بنا پر سب سے مقدم ہے۔ یہ خیال، کہ جائداد مختلف اقسام میں تقسیم ہونی چاہئے، بہت سی قدیم

جماعتوں کے ذہن میں ایک سانحہ آیا۔ ایک قسم کی جائداد دوسری قسم کی جائداد سے ادنیٰ اور کم مرتبہ قرار دی گئی اور اس کے ساتھ ہی ان قیود سے آزاد کردی گئی جو قدامت نے اس پر عائد کی تھیں۔ ادنے جائداد کے انتقال اور میراث کے قواعد میں جو آسانیاں تھیں وہ عام طور سے مقبول ہونے لگیں، اور ادنیٰ قسم کی جائداد کی آسانیاں تدریجی تبدیلیوں سے اس قسم کی طرف منتقل ہونے لگیں جس کی نوعیت اعلیٰ فرض کرلی گئی تھی۔ رومیوں کے قانون جائداد کی تاریخ اعلیٰ اشیا (Res mancipi) کے ادنے اشیا (Res nec Mancipi) میں جذب ہوجانے کی تاریخ ہے اور یورپ میں جائداد کی تاریخ جاگیری قانون کے رومیوں کے قانون جائداد منقولہ سے زیر ہوجانے کی تاریخ کہی جاسکتی ہے۔ اور اگرچہ انگلستان میں ملکیت کی تاریخ ہنوز تقریباً غیر مکمل ہے، مگر بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قانون جائداد منقولہ، قانون جائداد غیر منقولہ کو اپنے آپ میں جذب کرکے فنا کردے گا۔

(۲۴۳) جن اشیاء سے استفادہ کیا جاتا ہے ان کی فطری اور ایسی تقسیم جس سے ان اشیاء کا حقیقی فرق ظاہر ہوتا ہے وہی ہے جو انھیں منقولہ اور غیر منقولہ میں تقسیم کرتی ہے۔ یہ تقسیم جس سے اصول قانون اس قدر آشنا ہے، نہایت آہستگی کے ساتھ قانون روما سے پیدا ہوئی، اور وہیں سے ہمیں وراثت میں ملی، اور بالآخر قانون روما کے آخری زمانہ میں قطعی طور سے اختیار کرلی گئی۔ قدیم قوانین میں جو تقسیم ملحوظ رکھی گئی تھی وہ بعض اوقات اس تقسیم سے بظاہر مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ قدیم قوانین بعض اوقات جائداد کی مختلف قسمیں قرار دیتے ہیں اور جائداد غیر منقولہ کو ایک قسم قرار دے کر اس کے ساتھ ایسی اشیا شامل اور شریک کردیتے ہیں جنھیں ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، یا ان کو ایسے حقوق سے جدا کردیتے ہیں جن کے ساتھ انھیں کامل مشابہت ہوتی ہے۔ مثلاً قانون روما کی اعلیٰ اشیا (Res manicipi) میں نہ صرف اراضی

بلکہ غلام، گھوڑے، اور بیل بھی شریک ہیں۔ اسکاٹ لینڈ کے قانون میں اراضی کے ساتھ خاص قسم کے تمسکات بھی داخل ہیں، اور ہندوؤں کے قانون میں اس کے ساتھ غلام بھی شریک کر دیئے گئے ہیں۔ برخلاف اس کے انگلستان کا قانون اراضی کے چند سالہ اجاروں کو اراضی کے دوسرے حقوق سے علحدہ کرکے ذاتی اموال میں شریک کرتا اور اسے "چیٹل ریل" (Chattels real) کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ علاوہ اس کے قدیم قوانین کی تقسیم میں اشیا کے اعلیٰ اور ادنےٰ ہونے کا لحاظ رکھا گیا تھا؛ مگر منقولہ اور غیر منقولہ میں، کم از کم اس وقت تک کہ ان کا انحصار اہل روما کے اصول قانون تک تھا، بلحاظ مرتبہ اور وقعت کے کوئی ایسی تفریق نہیں کی جاتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں اعلیٰ اشیا کو ادنیٰ اشیا پر ایک قسم کی ترجیح حاصل تھی، جیسا کہ اسکاٹ لینڈ میں قابل ارث جائداد (Heritable) اور انگلستان میں حقیقی جائداد (Realty) کو ذاتی جائداد (Personalty) کے مقابلہ میں حاصل تھی۔ ہر نظام قانونی کے مقننین نے پوری کوشش کی ہے کہ اس تقسیم کو کسی قابل فہم اصول سے متعلق کرسکیں، مگر اس تفریق کے وجود کا پتہ فلسفۂ قانون سے چلنا دشوار ہے کیوں کہ ان کا تعلق فلسفہ سے نہیں بلکہ قانون کی تاریخ سے ہے۔ جو توضیح اکثر صورتوں پر حاوی ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ جو اشیاء استفادہ سب میں اعلیٰ سمجھی جاتی تھیں وہ وہی تھیں جس سے ہر جماعت کو سب سے پہلے واقف ہونے کا موقع ملا اور اس وجہ سے "جائداد" کے نام سے موسوم کرکے ان کی وقعت بڑھائی گئی۔ برخلاف اس کے جن اشیاء کا شمار اس قابل وقعت درجہ میں نہیں ہوا وہ درجۂ ادنیٰ میں داخل کر دی گئیں، کیونکہ ان کی قدر و قیمت کا علم اعلیٰ اشیا کی فہرست کے مرتب ہو جانے کے بعد ہوا، ان کا علم ابتدا میں نہ تھا، وہ کم یاب تھیں، اور ان کا استعمال محدود تھا، یا وہ غیر مرغوبہ اشیا کے ملحقات سمجھی جاتی تھیں۔ مثلاً

اہلِ روما کی اعلیٰ جائداد (Res mancipi) میں اگرچہ اکثر قیمتی منقولہ اشیاء شریک تھیں ، مگر جواہرات جو سب سے زیادہ قیمتی ہیں شریک نہ تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ قدیم اہلِ روما ان سے ناواقف تھے۔ اسی طرح انگلستان میں چیٹیل ریل کو گراکر جائداد منقولہ میں شریک کر دینے کی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ ایسی جائدادیں نظام جاگیری کے قانون اراضی میں شاذ اور بالکل بے قدر تھیں۔ مگر سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ باوجود اُن اشیاء کی قدر و قیمت اور ان کی تعداد بڑھ جانے کے وہ اس ادنیٰ حالت میں کس طرح باقی رہیں۔ اور وہ کیوں بتدریج استفادہ کی اعلیٰ اشیا میں شریک نہ کرلی گئیں۔ اس کی ایک وجہ وہ تعصب ہے جو قدیم قوانین کو اپنی مقررہ ترتیب اور تقسیم میں تغیر و تبدل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ غیر تعلیم یافتہ دماغوں اور قدیم جماعتوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ایک عام قاعدہ کو اس کے ایسے مخصوص عمل سے علیحدہ کرکے، جس کی وہ عادی ہوگئی ہیں بہت کم تصور میں لاسکتی ہیں۔ نہ وہ ایک عام بات یا مقولہ کو ان مخصوص امثال سے علیحدہ کرسکتی ہیں جن کا تجربہ ان کو روزانہ ہوتا رہتا ہے؛ اور اس طور سے وہ لفظ جس کے تحت میں جائداد کی مشہور و معروف اشیاء داخل ہوتی ہیں ان اشیاء کی نسبت استعمال نہیں کیا جاتا جو استفادہ اور حقیقت میں بالکل ان کے مماثل ہوتی ہیں۔ ان اثرات میں، جو قانون سی مستقل چیز پر بطور خاص موثر ہیں، بعدہ دوسرے ایسے اثرات آکر شریک ہو جاتے ہیں جو ترقی تہذیب اور عام انسانی کے تصورات کے مطابق پائے جاتے ہیں۔ اور آخرکار عدالتیں اور (۲۴۵) قانون پیشہ لوگ ان پریشان کن مراسم کی تکلیف کو محسوس کرنے لگتے ہیں جو اعلیٰ قسم کی اشیاء کی تبدیل، وصول، یا انتقال میں پیش آتی ہیں، اور اس پر راضی نہیں ہوتے کہ جدید قسم کی جائداد کو ان اصطلاحی قیود میں جکڑ دیں جو قانون کے ابتدائی زمانہ کی خصوصیات

میں شمار ہوتے تھے ۔ اور یہیں سے اس کی ترغیب ہوتی ہے کہ اصول قانون کی ترتیب میں جدید اشیاء ادنیٰ درجہ میں رکھی جائیں، اور ان کا انتقال، بہ نسبت ان طریقوں کے جو قدیم زمانہ میں رائج تھے اور ایمان داری کے سدراہ اور فریب کے زینے ثابت ہوتے تھے، آسان طریقوں سے عمل میں آسکے ۔ انتقال کے قدیم طریقوں کی تکالیف کا غالباً ہم نے کامل احساس نہیں کیا ہے ۔ ہمارے انتقالات کی دستاویزات اس طور سے لکھی جاتی ہیں کہ ان کی عبارت پیشہ ور کاتبان دستاویزات کے غور و فکر کے بعد بہت کم ناقص رہنے پاتی ہیں ۔ لیکن زمانۂ قدیم کی دستاویزات ضبطِ تحریر میں نہیں آتی تھیں، بلکہ معرضِ عمل میں لائی جاتی تھیں ۔ اشارے اور الفاظ تحریری اصطلاحی زبان کی قائم مقامی کرتے تھے ، اور اگر کوئی مقولہ غلط طور سے کہا جاتا ، یا کوئی علامتی فعل متروک ہوجاتا تھا، تو اس سے تمام کارروائی اسی طرح بےکار ہوجاتی تھی جس طرح دوسو سال کے قبل کی انگریزی دستاویز اس اہم غلطی کی بنا پر (۲۴۶) بےکار اور باطل سمجھی جاتی تھی کہ اس میں حق تمتع یا بقیہ حقیت کا ذکر (the uses or setting the remainders) متروک ہوگیا ہے ۔ قدیم مراسم کے نقصانات ہنوز نصف بھی معرضِ بیان میں نہیں آئے ہیں۔ جب تک ایک طول طویل کارروائی، خواہ تحریری ہو یا عملی، صرف اراضی کے انتقال کے لئے مطلوب ہے، اس وقت تک اس قسم کی جائداد کے انتقال میں غلطی کا زیادہ امکان نہیں ہوسکتا، جن کا انتقال بعض اوقات بہ عجلت تمام عمل میں آتا ہے ۔ لیکن قدیم دنیا میں اعلیٰ اشیاء میں نہ صرف اراضی بلکہ بعض معمولی اور بعض قیمتی اشیاء منقولہ بھی شریک تھیں ۔ جب تمدنی جماعت میں کاروبار تیزی کے ساتھ چلنے لگے ہونگے اس وقت ایک گھوڑے یا بیل یا قدیم دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی شئے یعنی غلام کے انتقال کے لئے ایک طول طویل اور پیچیدہ کارروائی کرنا بےحد تکلیف دہ ہوگیا ہوگا ۔ اور ایسی اشیاء متواتر اور عام طور سے

غیر مکمل صورت میں منتقل ہوتی ہوں گی ، اور اس طور سے ان کی حقیت بھی ناقص رہتی ہوگی ۔

روما کے قدیم قانون میں اعلیٰ اشیا (Res mancipi) میں اراضی اور تاریخی زمانہ میں اراضی موقوعہ ملک اطالیہ، غلام، اور جانوران بار برداری مثلاً گھوڑے اور بیل شریک تھے ۔ اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ جن اشیا سے یہ قسم مرکب ہے ان کا تعلق کاشتکاری سے ہے ، جو ابتدائی زمانہ کے لوگوں کے لئے سب سے زیادہ اہم تھیں ۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ابتدا میں یہ سب چیزیں اشیا یا جائداد کے نام سے موسوم کی جاتی تھیں ، اور جس طریقہ سے وہ منتقل ہوتی تھیں وہ ”منسی پیم (Mancipium) یا ”منیسی پیشن (Mancipation) کہلاتا تھا اور غالباً اس پر ایک عرصہ گزر جانے کے بعد انھیں ”رِس منسی پی“ (Res mancipi) کے نام سے ممیز کیا گیا ؛ یعنی وہ اشیاء جن کے لئے ”منیسی پیشن“ کی ضرورت ہے ۔

(۲۴۷) ان کے پہلو بہ پہلو ایسی اشیاء موجود ہوں گی یا پیدا ہوگئی ہونگی جن کے لئے ”منیسی پیشن“ کے کامل مراسم کے ادا کرنے کی ضرورت نہ ہوگی ۔ ان اشیاء کے ایک مالک سے دوسرے مالک کی طرف منتقل ہونے کے لئے معمولی مراسم کا ایک جز ادا کیا جاتا ہوگا ، یعنی حقیقی حوالگی مادی علیحدگی ، یا انتقال ، جو تبدیل ملکیت کی سب سے زیادہ صحیح علامت ہے ۔ قدیم اصول قانون کی یہی اشیا Res Nec Mancipi تھیں جن کے لئے رسم ”منیسی پیشن“ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ، اور جو غالباً ابتدا میں بہت کم قیمت سمجھی جاتی تھیں ، اور شاذ طور سے مالکوں کے ایک فرقہ سے دوسرے فرقہ میں منتقل ہوتی تھیں ۔ اگرچہ اعلیٰ اشیا کی فہرست کامل ہوگئی تھی اور اس میں اضافہ کی گنجائش باقی نہ تھی ، مگر ادنیٰ اشیاء کی فہرست میں غیر محدود توسیع کی گنجائش موجود تھی ، اس لئے انسان مادی دنیا میں سے جس چیز پر قابو پانے

میں کامیاب ہوتا تھا وہ ادنیٰ اشیا کی فہرست میں داخل ہوتی جاتی تھیں یا یوں کہو کہ جو اشیاء پہلے سے مسلمہ تھیں ان کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا تھا۔ اس طرح نادانستہ طور سے انھوں نے اعلیٰ اشیاء کا مرتبہ حاصل کرلیا اور ان کے کم مرتبہ ہونے کا جو ذاتی نشان تھا وہ مٹ گیا اور بمقابلہ زیادہ پیچیدہ اور متین مراسم کے لوگوں کو ان آسانیوں کا احساس ہونے لگا جو ان اشیا کے سادہ مراسم کے ساتھ منتقل کرنے میں پیش آتی تھیں۔ روما کے مقننین نے "مینسی پیشن" (mancipation) کو عملی طور سے حوالگی کے مساوی کردینے کے لئے قانونی ترقی کے دو ذرایع، یعنی مفروضات اور نصفت سے دل کھول کر کام لیا۔ اور اگرچہ روما کے واضعان قوانین ایک عرصہ تک اس حکم کے دینے سے پس و پیش کرتے رہے کہ اعلیٰ اشیاء کا حق ملکیت اس شئے کی حوالگی کے ساتھ ہی منتقل ہوجانا چاہیئے، لیکن آخرکار جسٹی نین نے اس کی بھی جراءت کی۔ اس کے اصول قانون سے اعلیٰ اور ادنیٰ اشیاء کا فرق اٹھ گیا، اور صرف حوالگی یا تحویل قانون میں سب سے بڑا ذریعہ انتقال قرار پایا۔ روما کے مقننین نے ابتدا ہی سے جو رجحان حوالگی کی طرف ظاہر کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اسے اپنے نظریات میں ایسی جگہ دے دی جس نے ان کے زمانۂ حال کے متبعین کی آنکھوں سے اس کی صحیح تاریخ چھپادی ہے۔ انھوں نے اسے حصول کا فطری طریقہ قرار دیا، اس بنا پر کہ وہ عام طور سے اطالیہ کی اقوام میں) رائج تھا، اور ایک ایسا عمل تھا جس سے مطلوب نہایت آسان طریقہ سے حاصل ہوجاتا تھا۔ اگر مصنفان قانون کے الفاظ پر غور کیا جائے تو ان سے یقینی طور سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ حوالگی جس کا تعلق قانون فطرت سے ہے، "مینسی پیشن" (mancipation) سے جو کہ تمدنی جماعت کا ایک طریقہ ہے، بہت زیادہ قدیم ہے۔ لیکن مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ امر صداقت کے بالکل خلاف ہے۔

(۲۴۸)

اعلیٰ اور ادنیٰ اشیا کا فرق اس قسم کی تفریق کا نمونہ ہے جس کی تہذیب ممنون احسان ہے۔ یہ فرق جو تمام اشیا میں سائر ہے پہلے چند اشیاء کو لے کر ایک قسم قایم کر دیتا ہے، اور بعدہ بقیہ اشیاء کو قسم ادنیٰ میں شریک کرلیتا ہے۔ ادنیٰ قسم کی اشیا ابتدا میں حقارت اور ناقابل لحاظ ہونے کی وجہ سے ان تکلیف دہ مراسم سے آزاد کر دی جاتی ہیں جن کے ادا کرنے میں قدیم قوانین کو بڑا لطف آتا تھا اور بعدہ جب ذہنی ترقی کے زمانہ میں انتقال اور وصول کے سارے طریقے رائج ہوکر بطور نمونہ کے قایم ہوجاتے ہیں تو وہ اپنی آسانی اور سادگی کی بنا پر ان پیچیدہ طریقوں کو جو قدیم زمانہ سے چلے آتے ہیں بے کار اور نکما کر دیتے ہیں مگر بعض جماعتوں میں جو قیود جائداد کے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ اس قدر پیچیدہ اور سخت ہیں کہ ان کا اس قدر آسان طریقہ سے توڑ دیا جانا ممکن نہیں ہوتا۔ ہندوؤں کے یہاں جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے، تو جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں، اس کو ہندوستان کے قانون کی رو سے جائداد میں حق پیدا ہوجاتا ہے، اور انتقال جائداد کے لئے اس کی رضامندی لازم ہوتی ہے۔ اسی طرح قدیم جرمن اقوام کے عملدرآمد میں (اینگلوسیکسن مراسم کا اس سے مستثنیٰ ہونا قابل لحاظ ہے) بغیر اولاد ذکور کی رضامندی کے انتقال ممنوع تھا۔ اور سکلوونیا کے باشندوں کا ابتدائی قانون تو مطلقاً اس کی اجازت ہی نہ دیتا تھا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ یہ موانع جائداد میں فرق قائم کرنے سے رفع نہیں ہوسکتے کیوں کہ ان کا تعلق ہر قسم کی جائداد سے ہوتا ہے، اس لئے قدیم قوانین جب اصلاح کے راستہ پر پڑجاتے ہیں تو ان موانع کا ایک دوسری قسم کی تفریق قائم کرکے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس تفریق کے لحاظ سے جائداد بلحاظ نوعیت نہیں، بلکہ بلحاظ اپنی اصلیت کے تقسیم کی جاتی ہے۔ ہندوستان میں دونوں قسم کی تقسیم کے آثار پائے

جاتے ہیں، تقسیم زیر بحث کی مثال اس امتیاز سے ملتی ہے جو ہندوؤں کا قانون جائداد موروثی اور مکسوبہ میں کرتا ہے۔ لڑکے پیدا ہوتے ہی باپ کی موروثی جائداد میں شریک ہو جاتے ہیں؛ مگر اکثر صوبجات کے رسم و رواج کے لحاظ سے وہ جائداد جو باپ اپنی زندگی میں پیدا کرتا ہے وہ اسی کی ہوتی ہے اور جس طرح وہ چاہے اسے منتقل کر سکتا ہے۔ روما کے قانون میں بھی اسی طرح کا ایک امتیاز تھا، والدین کے اختیارات میں سب سے پہلے جو جدت ہوئی وہ یہی تھی کہ بیٹوں کو اس کی اجازت ہوگئی کہ جو کچھ ان کو فوجی خدمت سے ملے اسے وہ اپنے لئے مخصوص رکھیں۔ مگر اس قسم کی تقسیم کا زیادہ تر رواج جرمن اقوام میں تھا۔ میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ جرمنوں کی خاندانی جائداد (Allod) اگرچہ ناقابل انتقال نہ تھی، مگر اس کی منتقلی میں عام طور سے بے حد مشکلیں پیش آتی تھیں، اور وہ مخصوص طور سے صرف یک جدی رشتہ داروں کو پہنچتی تھی۔ انھیں وجوہ کی بنا پر مختلف قسم کے امتیازات پیدا ہوگئے اور ان سب کا مقصد یہ تھا کہ ان وقتوں میں کمی واقع ہو جو خاندانی جائداد کے ساتھ لگی ہوئی تھیں مثلاً وہ خوں بہا (Wehrgeid) جو کسی سر رشتہ دار کے قتل انسان مستلزم سزا کے متعلق ملتا تھا اور جو جرمنی کے اصول قانون کا جزو اعظم تھا وہ خاندانی جائداد میں شریک نہ ہوتا تھا اور اس کا سلسلہ وراثت بالکل جدا رہتا تھا۔ اسی طرح وہ جرمانہ جو بیوہ کے عقد ثانی کے موقعہ پر وصول کیا جاتا تھا یعنی Reipus - اس شخص کی خاندانی جائداد میں داخل نہیں ہوتا تھا جسے وہ دیا جاتا تھا، بلکہ ایک ایسا سلسلہ انتقال اختیار کرتا تھا جس میں یک جدی رشتہ داروں کے حقوق کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ قانون میں بھی سردار خاندان کی مکسوبہ اور موروثی جائداد میں ہندوؤں کی طرح امتیاز کیا جاتا تھا اور سردار کو مکسوبہ جائداد کے انتقال میں زیادہ تر آزادی حاصل تھی۔ دوسری قسم کی تقسیمیں بھی تسلیم کی جاتی تھیں اور اراضی اور مال منقولہ کا معروف

(۲۵۰)

امتیاز بھی قائم تھا، مگر مالِ منقولہ اور بہت سے ضمنی درجوں میں منقسم تھا اور ہر درجہ کے متعلق مختلف قواعد تھے۔ جرمن فاتحان سلطنت سی وحشی قوم میں اس قدر اقسام کی کثرت یقیناً تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے، مگر اس کی توضیح اس طرح ہوتی ہے کہ ان کے نظام قانونی میں اہلِ روما کے قانون کا بڑا حصہ شریک تھا جو انھوں نے ایک عرصہ تک رومی سلطنت کی حدود کے قریب رہنے کی وجہ سے اختیار کر لیا تھا۔ خاندانی جائداد کے علاوہ دوسری جائدادوں کے انتقال اور وراثت کے متعلق جو قواعد جاری تھے اُن میں سے اکثر کا ماخذ اہلِ روما کا اصول قانون معلوم ہوتا ہے، جس سے غالباً وہ قواعد مختلف اوقات میں اور متفرق طور سے لے لئے گئے تھے۔ اس کے متعلق قیاس قائم کرنا بھی مشکل ہے کہ جائداد کے آزاد انتقال میں جو موانع پیش آتے تھے وہ کس حد تک ایسی تجویزوں سے رفع ہوسکے، کیوں کہ امتیازات زیر بحث کے متعلق کوئی زمانۂ حال کی تاریخ موجود نہیں ہے۔ خاندانی جائداد کی صورت (Allodial form of property) جیسا کہ میں قبل ازیں بیان کرچکا ہوں، نظام جاگیری کے زمانہ میں مطلق محو ہوگئی تھی۔ نظام جاگیری کے ایک مرتبہ مکمل ہوجانے کے بعد ان تمام امتیازات میں سے جو مغربی یورپ میں شایع تھے صرف ایک امتیاز اراضی اور سامان، یعنی غیر منقولہ اور منقولہ، کا عملاً باقی رہ گیا تھا۔ ظاہری صورت میں یہ امتیاز وہی تھا جو آخر کار اہلِ روما کے قانون نے تسلیم کر لیا۔ مگر قرونِ وسطیٰ کا قانون اہلِ روما کے قانون سے صریحاً اس امر میں مختلف تھا کہ وہ جائداد غیر منقولہ کو بمقابلہ منقولہ کے اعلیٰ سمجھتا تھا یہی ایک مثال اس قسم کی ترکیبوں کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ ان تمام ممالک میں جن کا نظام قانونی فرانسیسی مجموعہ قوانین پر مبنی ہے، یعنی یورپ کے برّاعظم کے بڑے حصہ میں، قانون جائداد منقولہ جو ہمیشہ اہلِ روما کا قانون ہوتا تھا اراضی کے جاگیری

قانون کو منسوخ کرکے خود اس کا قائم مقام ہوگیا۔ قابل لحاظ ممالک میں صرف انگلستان ہی ایسا ملک ہے جس میں یہ تبدیلی کامل طور سے واقع نہ ہوسکی اگرچہ ایک حدتک اس کا اثر ضرور ہوا۔ یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ یورپ کے اہم ممالک میں سے ہمارے ملک میں بھی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کی تفریق میں ان امور کا اثر پڑا جنھوں (۲۵۲) نے قدیم تقسیم کو اس واحد تقسیم سے جدا کردیا تھا جس کی تائید فطرت سے ہوتی ہے۔ انگلستان میں خاص تفریق اراضی اور سامان میں کی جاتی ہے، مگر خاص قسم کا سامان موروثی اراضی کے ساتھ شریک کردیا گیا ہے، اور خاص قسم کے حقوق متعلقہ اراضی تاریخی اسباب کی بنا پر جائداد منقولہ میں شریک کرلئے گئے ہیں۔ صرف یہی ایک مثال ایسی نہیں ہے جس میں انگلستان کے اصول قانون نے مروجہ قوانین کی شاہراہ سے علیحدہ ہوکر، قدیم قوانین کے احکام کو باقی رکھا ہے۔

میں دو ایک اور ایسی ترکیبوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کے ذریعہ سے مالکانہ حقوق کے قدیم قیود کی سختی میں ایک حدتک نرمی پیدا ہوگئی تھی۔ میں اس سے ناواقف نہیں ہوں کہ اس کتاب کے مقاصد پر نظر کرکے صرف انھیں کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے جو نہایت قدیم ہوں۔ ان میں سے ایک کے متعلق کسی قدر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ ایسے لوگ جو کہ قانون کی قدیم تاریخ سے ناواقف ہیں اسے بہ مشکل باور کریں گے کہ وہ اصول جسے زمانۂ حال کے اصول قانون نے بتدریج اور نہایت مشکل کے ساتھ تسلیم کیا ہے، فن قانون کے ابتدائی زمانہ میں معلوم تھا۔ تمام قانون میں کوئی اصول ایسا نہیں ہے جسے باوجود مفید ہونے کے زمانۂ حال کے لوگوں نے اختیار کرنے اور اس کے جائز حدود تک پہنچانے میں اس قدر بے پروائی اور تامل سے کام لیا ہو جتنا اس اصول کے

متعلق ہوا جو اہلِ روما میں "یوزو کے پین" (Usucapion) کے نام سے موسوم تھا، اور جو زمانۂ حال کے اصول قانون میں "قدامت" (Prescription) کے نام سے ہم تک پہنچا ہے۔ یہ اہلِ روما کے قدیم ترین قانون کا ایک صریح (positive) اور الواح عشرہ سے بھی پہلے کا، قاعدہ تھا کہ جن اشیاء پر ایک خاص مدت تک مسلسل قبضہ رہتا ہے وہ قابض کی ملک ہوجاتی ہیں۔ قبضہ کی مدت نہایت مختصر یعنی بلحاظ نوعیت اشیاء، ایک یا دو سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاریخی زمانہ میں قدامت کا عمل اسی صورت میں جائز متصور ہوتا تھا جب قبضہ کا آغاز ایک خاص طریقہ سے ہوتا تھا، مگر میرے نزدیک بقیاس غالب ایسے زمانہ میں کہ تہذیب میں زیادہ ترقی نہ ہوئی تھی ان شرائط سے بھی آسان شرائط کے ساتھ جن کا ذکر ہماری مستند کتابوں میں ہوا ہے قبضہ ملکیت کی صورت اختیار کرلیتا تھا۔ میں اس سے قبل کہہ چکا ہوں کہ میرا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ انسان حقیقی قبضہ کی جو وقعت کرتے تھے اس کی وجہ پورے طور سے اصول قانون سے ظاہر ہوسکتی ہے، مگر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ ابتدائی جماعتوں نے قدامت کا جو اصول اختیار کیا اس میں ان خیالی شکوک اور شبہات کا وجود نہ تھا جو زمانۂ حال میں اس کے قبول میں پیش آئے۔ زمانۂ حال کے مقننین نے ابتدا میں قدامت کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھا، مگر بعدہ بادلِ ناخواستہ اس کو منظور کرلیا۔ اکثر ممالک میں، بشمول ہمارے ملک کے، ایک عرصہ تک قانون اس غیر مہذب اور بھدی ترکیب سے ایک قدم آگے نہ بڑھا سکا کہ ایسے تمام جرائم کے استغاثے جن کا ارتکاب ایک معینہ مدت مثلاً کسی گزشتہ عہدِ حکومت کے پہلے سال کے قبل ہوچکا تھا وہ ناقابلِ سماعت قرار دے دیے جائیں۔ قرون وسطیٰ کے ختم ہوجانے اور انگلستان میں جیمس اول کے تخت نشین ہونے کے بعد البتہ میعاد سماعت کا ایک حقیقی قانون

(۲۵۳)

ہمیں ملا اگرچہ وہ بہت ناقص تھا۔ قانون روما کی اس مشہور ترین جز کے اختیار کرنے میں، جو یورپ کے کثیر التعداد مقننین کے مطالعہ میں متواتر رہ چکا تھا، جو تعویق ہوئی اس کی وجہ مذہبی قانون کے اثرات تھے۔ کلیسائی مراسم کا تعلق، جن سے مذہبی قانون پیدا ہوا، مذہبی یا نیم مذہبی مقاصد سے تھا، اور ان سے جو حقوق پیدا ہوتے تھے وہ فطری طور سے ایسے حقوق سمجھے جاتے تھے جو عدم استعمال سے خواہ اس کی مدت کچھ ہی کیوں نہ ہو زائل نہیں ہوسکتے تھے۔ اور اس لحاظ سے جب بعدہ مذہبی اصول قانون مدون ہوا تو اس کا رجحان سختی کیساتھ قدامت کے خلاف تھا۔ جب مذہبی مقننین مذہبی قانون کو غیر مذہبی قانون کے نمونہ پر لیکر چلے تو اس کا مخصوص اثر ابتدائی اصول پر پڑنا لازم تھا۔ اُن مراسم کے متعلق جو تمام یورپ میں قائم ہو گئے تھے اگرچہ مذہبی قانون سے اس قدر صریح قواعد نہیں اخذ کئے گئے جس قدر قانون روما سے لئے گئے تھے، مگر بے شمار اہم امور میں مذہبی قانون نے اہل فن کی رائے کو اپنی طرف مائل کر لیا، اور یہ میلان جو اس طرح پیدا ہوا ہر نظام کی ترقی کے ساتھ قوت پکڑتا گیا۔ منجملہ دوسرے میلان کے ایک یہ تھا کہ اس نے اصول قدامت کی طرف سے طبیعتوں کو پھیر دیا۔ میرے نزدیک اس رجحان کا کبھی ایسا اثر نہ ہوتا اگر وہ علمی مقننین (Scholastic jurists) کے حقیقت پرست فرقہ (Realist sect) کے اصول سے مطابق نہ ہوجاتا، جس کی تعلیم یہ تھی کہ حقیقی وضع قانون خواہ کوئی شکل اختیار کرے، مگر حق، اگرچہ عرصہ دراز تک اس کی طرف توجہ بھی نہ کی گئی ہو، فی الحقیقت ضائع نہیں ہوسکتا۔ اس خیال کے آثار اس وقت تک موجود ہیں۔ جس موقع پر قانون کے فلسفہ سے متانت کے ساتھ بحث کی جاتی ہے، وہاں قدامت کی ذہنی بنیاد کا گرم جوشی کے ساتھ معرض بحث میں آنا لازم ہے؛ فرانس اور جرمنی میں اس وقت تک اس سوال کے ساتھ بے حد

(۲۵۴)

دلچسپی ہے کہ آیا جو شخص سالہا سال سے اپنے قبضہ سے بے دخل ہو وہ اپنی غفلت کی پاداش میں اپنے حق ملکیت سے محروم کیا جاتا ہے، یا قانون ایک انتہائی حد (Finis litium) قائم کرنے کی خواہش میں سرسری مداخلت کرکے اس کے حق کو زائل کر دیتا ہے۔ قدیم اہل روما کے (۲۵۵) دل ایسے شبہات سے خالی تھے۔ وہ اپنے قدیم عملدر آمد کے مطابق ہر ایسے شخص کو جو مخصوص حالات میں ایک یا دو سال قابض جائداد نہ رہتا تھا حق ملکیت سے محروم کر دیتے تھے۔ قدامت کے قاعدہ کی ابتدائی شکل کا دریافت کرلینا کچھ آسان کام نہیں ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ، ان حدود کے ساتھ جو کتابوں میں بتائے گئے ہیں قاعدہ مذکور انتقالات کے بے حد تکلیف دہ طریقہ کی خرابیوں کے انسداد کے لئے بہت مفید تھا۔ اصول قدامت سے مستفید ہونے کے لئے یہ امر لازم تھا کہ مخالفانہ قبضہ کی ابتدا دیانت کے ساتھ ہوئی ہو یعنی قبضہ کرنے والے کو اس امر کا یقین ہو کہ وہ جائداد بطریق جائز حاصل کر رہا ہے؛ اور یہ بھی ضرور تھا کہ وہ چیز انتقال کے مختلف طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے منتقل ہوئی ہو، اگرچہ طریقہ مذکور اس مخصوص صورت میں کامل حق کے عطا کرنے سے قاصر ہو، مگر کم از کم قانون کا مسلمہ ہونا چاہئے۔ اس لئے مراسم انتقال خواہ وہ کیسی ہی ناتمام کیوں نہ ہوں اگر بالآخر حوالگی پر منتج ہوتے تھے تو جو خامی حق میں رہ جاتی تھی اس کو زیادہ سے زیادہ دو سال کی قدامت رفع کر دیتی تھی۔ اہل روما کی کارروائیوں میں مجھ کو کوئی ایسی کارروائی نہیں ملی جو اصول قدامت کے استعمال سے زیادہ ان کی قانونی ذہانت کو ثابت کرتی ہو جو مشکلیں ان کو پیش آئیں وہ تقریباً وہی تھیں جو انگلستان کے مقننین کو پیش آئیں، اور اس وقت تک پیش آرہی ہیں۔ اہل روما میں نظام قانونی کی پیچیدگی کی وجہ سے جس کی اصلاح کی اس وقت تک نہ ان میں طاقت تھی اور نہ جرأت

(۲۵۶) حقیقی حق اصطلاحی حق سے اور منصفانہ ملکیت قانونی ملکیت سے متواتر علیحدہ ہوئی جاتی تھی۔ لیکن اصول قدامت نے، منصفان قانونی کی تائید سے، ایک ایسا ذریعہ مہیا کر دیا تھا جس سے جائداد کی حقیت کے نقائص کی خود بہ خود اصلاح ہوتی جاتی تھی، اور جو ملکیتیں عارضی طور سے جدا ہوگئی تھیں وہ نہایت قلیل عرصہ میں بعجلت تمام یکجا ہوتی جاتی تھیں۔ جسٹینین کی اصلاح تک اصول مذ‌بت کے فوائد کا کوئی حصہ زائل نہ ہونے پایا۔ مگر جب قانون اور نصفت مل ملا کر دونوں بالکل ایک ہو گئے اور "مینسی پیشن" (Mancipation) اہل روما کے انتقالات کا ذریعہ باقی نہ رہا، اس وقت قدیم ترکیب کے استعمال کی مزید ضرورت بھی باقی نہیں رہی اور قدامت نے، مدت کی طوالت کے ساتھ "پرس کرپشن" (Prescription) کی صورت اختیار کر لی، جسے بالآخر زمانہ حال کے ہر نظام قانونی نے اختیار کر لیا ہے۔

میں یہاں مختصراً ایک دوسری تجویز کا ذکر کروں گا جس کا مقصد بھی وہی ہے جو متذکرہ بالا تجویز کا تھا۔ اگرچہ یہ تجویز انگلستان کی قانونی تاریخ میں فوراً رونما نہ ہوئی، مگر اہل روما کے قانون میں وہ قدیم زمانہ سے موجود تھی۔ اس کی ظاہری قدامت اتنی تھی کہ بعض جرمنی کے عہدہ داروں نے، جو اس سے کافی طور سے واقف نہ تھے کہ انگلستان کے قانون کی مشابہت نے اس مضمون کو کس قدر صاف اور روشن کر دیا ہے، اُسے "مینسی پیشن" (mancipation) سے بھی قدیم تر خیال کر لیا۔ میرا مقصد "سی سیوان جور" (cessio in jure) یعنی اس سازشی کارروائی سے ہے جو عدالت میں اس جائداد کے حصول کے لئے کی جاتی تھی جس کا منتقل کرنا منظور ہوتا تھا۔ مدعی جائداد متدعویہ کے لئے معمولی شکل میں دعویٰ دائر کر دیتا تھا؛ مدعا علیہ پیروی میں قصور کرتا تھا اور دعویٰ لازمی طور سے بحق مدعی فیصل ہو جاتا تھا۔ مجھے انگلستان کے مقننین کو یہ بتانے

کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمارے آباد اجداد نے اس تجویز سے کام لیا اور اس کا نتیجہ وہ مشہور جرمانے اور وصولات تھے جو نظام جاگیری کے قانون اراضی کے سخت جکڑ بندوں کو ڈھیلا کردینے میں اس قدر مفید ثابت ہوئے۔ اہلِ روما اور اہلِ انگلستان کی ترکیبوں میں اکثر اجزا مشترک ہیں اور اُن سے صراحت کے ساتھ ایک دوسرے کی توضیح ہوتی ہے، اگر ان میں کوئی فرق ہے تو صرف اتنا ہے کہ انگلستان کے مقننین کا مقصد ان پیچیدگیوں کو رفع کرنا تھا جو حقوق میں پڑگئی تھیں برخلاف اس کے روما کے مقننین اُن کے رفع کرنے کے لئے بجائے ایسے طریقہ کے جو عموماً ناکامیاب ثابت ہوچکا تھا ایک طریقہ انتقال قائم کرنا چاہتے تھے جس پر لازمی طور سے کوئی اعتراض وارد نہ ہوسکتا ہو۔ یہ ایک ایسی تجویز تھی جس کا مستقل طور سے عدالتوں کی کارروائی شروع ہوجانے کے بعد، خود بخود ذہن میں آنا لازم تھا اگرچہ وہ کارروائیاں ہنوز پختہ اور باضابطہ نہ ہوئی تھیں۔ جب قانونی خیالات میں ترقی ہوجاتی ہے تو عدالتیں سازشی نالشوں کو اپنے مقررہ ضابطہ کا بیجا استعمال تصور کرنے لگتی ہیں، مگر ایسے زمانے بھی گزرے ہیں جب ایسی کارروائیاں بالکل ضابطہ کے مطابق ہوتی تھیں تو مزید چھان بین کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔

جائداد پر قانونی عدالتوں اور ان کے ضوابط کا بہت بڑا اثر پڑا لیکن مضمون اس قدر وسیع ہے کہ اس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں نکل سکتی، اگر اس سے بحث کی جائے تو ہم قانونی تاریخ کے اُن مباحث میں پڑجائیں گے جنھیں ہمارے موضوع سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ مگر ہمیں یہ بتا دینا ضرور ہے کہ جائداد اور قبضہ کے امتیاز میں جو غیر معمولی اہمیت فلسفہ قانون میں پیدا ہوگئی ہے وہ اسی کے اثر سے ہے۔ خود یہ امتیاز (بقول ایک سربرآوردہ انگریزی عہدہ دار کے) اس سے زیادہ نہیں ہے جو ایک شے کے متعلق کسی فعل کے ارتکاب کے

قانونی حق اور اس کی تعمیل کے مادی اختیار میں ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ لوگوں میں شاید ہی کوئی شخص قانونی ادب سے اس قدر ناواقف ہو (۲۵۸) کہ اس نے یہ نہ سنا ہو کہ قبضہ کے متعلق روما کے مقننین جو الفاظ استعمال کرتے تھے ان سے ایک عرصہ تک سخت پیچیدگیاں پڑتی رہیں سوگنی کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے یہ معمہ حل کرکے اپنی ذہانت ثابت کردی ہے۔ روما کے مقننین جب لفظ "قبضہ" استعمال کرتے تھے تو اس کے ساتھ ایسے مفہوم شامل ہوجاتے تھے جن کی توضیح آسان نہ تھی۔ یہ لفظ جیسا کہ اس کے مادہ سے ظاہر ہے ابتدا میں ضرور جسمانی ملامست یا بروقت خواہش جسمانی ملامست کا خیال ظاہر کرتا ہوگا مگر حقیقی استعمال میں جب وہ کسی صفت سے محدود نہ کردیا گیا ہو اس کے مفہوم میں نہ صرف جسمانی طور سے روک رکھنا، بلکہ جسمانی روک رکھنے کے ساتھ یہ قصد کہ جو شئے روک رکھی گئی ہے وہ ہماری ہوگئی شریک اور شامل ہے۔ سوگنی نے یہ اتباع نیبھر (Neibuhr) یہ رائے قائم کی کہ اس پیچید گی کی بنیاد صرف تاریخی ہوسکتی ہے۔ اس نے بتایا کہ روما کے شریف باشندے جو کہ سرکاری جائداد کے بڑے جز کی برائے نام رقم مالگزاری پر اجارہ دار ہوگئے تھے روما کے قدیم قانون کی نظر میں صرف قابض متصور ہوتے تھے، مگر وہ ایسے قابض تھے کہ اپنی اراضی پر جدید آنے والوں کے مقابلہ میں قبضہ قائم رکھنا چاہتے تھے۔ ان کا دعویٰ تقریباً وہی تھا جو حال ہی میں انگلستان میں ان لوگوں کی طرف سے پیش ہوا ہے جو کلیسا کی اراضی کے پٹہ دار ہیں وہ لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اصولاً حکومت کے ایسامی تا مرضی مالک (tenants at will) ہیں، مگر ان کی حجت یہ ہے کہ بلا مداخلت غیرے ایک مدت تک قابض رہنے کی وجہ سے ان کے قبضہ نے ملکیت کی ایک شکل اختیار کرلی ہے، اور اس بنا پر جائداد کو دوبارہ

تقسیم کرنے کے لئے ان کو بے دخل کر دینا انصاف کے خلاف ہوگا۔ دعویٰ ہذا کی اس مشابہت نے جو شرفائے روما کی اسامیت سے تھی، "قبضہ" کے مفہوم پر مستقل طور سے اثر ڈالا ہے۔ جو اسامی بیدخل کردیئے جاتے تھے، یا جنھیں بے دخل کردیئے جانے کا اندیشہ ہوتا (۲۵۹)
تھا، ان کے لئے بجز حصول "احکام متعلق بہ قیام قبضہ" (Possessory interdicts) اور کوئی قانونی چارہ کار نہ تھا۔ یہ قانون روما کی ایک سرسری کارروائی تھی جسے یا تو روما کے سول عہدہ داروں نے اسامیوں کی حفاظت کے لئے خاص طور سے جاری کی تھی، یا دوسری رائے کے مطابق وہ کارروائی تھی جو قدیم زمانہ میں قانونی حقوق کے تصفیہ کے انتظار میں عارضی قبضہ قائم رکھنے کے لئے کی جاتی تھی۔ اس بنا پر یہ سمجھا جانے لگا کہ جو شخص کسی جائداد پر بحیثیت مالک کے قابض ہے وہ ایسے حکم کے حاصل کرنے کا مجاز ہے، اور ایک بے حد مصنوعی طرز کارروائی کی وجہ سے قیام قبضہ کی نالشوں نے ایسی صورت اختیار کرلی کہ اس سے متنازعہ قبضہ کے دعووں کا فیصلہ ہوسکتا تھا۔ اس کے بعد وہ تحریک شروع ہوئی جس کا پورے طور سے اعادہ انگلستان کے قانون میں ہوا ہے، جیسا کہ مسٹر جون آسٹن نے بتایا ہے۔ مالکان و قابضان جائداد بجائے اصلی مقدمہ کی پیچیدہ اور پر تعویق کارروائیوں کے قیام قبضہ کی سادہ اور جلد طے ہوجانے والی کارروائی کو پسند کرنے لگے، اور قبضہ کے چارہ کار سے مستفید ہونے کے لئے اس قبضہ سے استدلال کرنے لگے جس کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان کی حق ملکیت میں مضمر ہے۔ قبضہ کے چارہ کار سے ایسے لوگوں کو مستفید ہونے کی اجازت دینا جو کہ حقیقی قابض نہیں، بلکہ مالک جائداد تھے، اگرچہ ابتدا میں ایک رحمت معلوم ہوتا ہوگا، مگر آخر میں اس نے انگلستان اور روما دونوں کے اصول قانون پر بہت برا اثر

ڈالا ۔ قانون روما میں قبضہ کے متعلق جو باریکیاں اور نزاکتیں پیدا کرلی گئیں، اور جنھوں نے اس قانون کی قدر و قیمت کو اس قدر گھٹا دیا اس کی بنیاد یہی عمل تھا۔ انگلستان کے قانون نے، اس کے بعد کہ اس عمل سے حصول جائداد غیر منقولہ کے مقدمات بحد، بے ترتیبی اور الجھن میں پڑ گئے تھے، قابل تعریف جد و جہد کرکے ان تمام پیچیدگیوں کو دور کردیا۔ کوئی شخص اس میں (۲۶۰) شک نہیں کرسکتا کہ انگلستان کی جائداد غیر منقولہ کے مقدمات کی کلیتہً تنسیخ جو تقریباً تیس سال قبل ازیں عمل میں آئی ایک عام فائدہ کی تجویز تھی، مگر اب بھی اصول قانون کے تناسب کے لحاظ کرنے والے اس پر افسوس کریں گے کہ جائداد غیر منقولہ کے حقیقی دعووں کو پاک و صاف اور ترقی دینے کے بجائے ہم نے انھیں قبضہ کے مقدمات بے دخلی پر قربان کردیا ہے، اور اس طور سے حصول اراضی کے مقدمات کے نظام کی بنیاد ایک قانونی مفروضہ پر قائم کردی ہے۔ عدالتوں نے بھی قانون اور نصفت میں فرق قائم کرکے، جس کا ابتدائی اظہار ہمیشہ حدود اراضی کے فرق سے ہوتا ہے، مالکانہ حقوق کے تصورات کے قیام اور ان کے تغیر اور تبدل میں بڑی مدد کی۔ انگلستان کی نصفتی جائداد وہ جائداد ہے جس کی حقیقت عدالت چانسری کے اختیارات سے پیدا ہوتی ہے۔ روما میں سول عہدہ داروں کے اعلانوں نے انوکھے اصول ان وعدوں کی شکل میں پیش کئے کہ خاص خاص حالتوں میں مخصوص مقدمات اور مخصوص جواب دہی منظور کی جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانون روما کی نصفتی جائداد وہ جائداد قرار پائی جس کی حفاظت صرف ان چارہ کاروں کے ذریعہ سے ہوتی تھی جو اعلانوں میں بتائے گئے تھے۔ جن مصنوعی ترکیبوں سے اس امر کا انتظام کیا گیا تھا کہ قانونی مالکوں (Legal owners) کے دعوے نصفتی

حقوق (Equitable rights) پر غالب نہ آنے پائیں وہ دونوں نظاموں میں کسی قدر ایک دوسرے سے مختلف تھیں ۔ ہمارے نظام قانونی میں ان کی حفاظت عدالت چانسری کے حکم امتناعی سے کی جاتی ہے۔ روما میں چونکہ اس وقت تک قانون اور نصفت کی تکمیل نہ ہوئی تھی اس لئے وہاں کے نظام قانونی میں یہ دونوں شقیں ایک ہی عدالت سے اجرا ہوتی تھیں ، اور کسی حکم امتناعی کی ضرورت نہ واقع ہوتی تھی (۲۶۱) حاکم عدالت کے لئے سیدھا راستہ کھلا ہوا تھا کہ وہ قانون دیوانی کے مالک کی کارروائیوں اور درخواستوں کی منظوری سے انکار کر دیتا تھا ، اور صرف یہی وہ ایک ذریعہ تھا جس کی مدد سے وہ ایسی جائداد حاصل کرسکتا تھا جس کا بلحاظ نصفت کوئی دوسرا شخص مالک ہوتا تھا۔ لیکن دونوں نظاموں کی عملی کارروائی تقریباً یکساں تھی دونوں جگہ کے ضابطے ایک فرق قرار دے کر جدید جائدادوں کا عارضی وجود اس وقت تک قائم رکھ سکتے تھے جب تک کہ ایسا وقت نہ آجائے کہ وہ جملہ قوانین کی رو سے قابل تسلیم قرار پائیں ۔ اس طور سے روما کا ایک سول عہدہ دار فوراً اس شخص کو جائداد پر حق دے سکتا تھا جس نے کوئی اعلیٰ شئے (Res mancipi) محض بر بنائے تحویل حاصل کی ہو اس کے لئے مجبور نہ تھا کہ وہ قدامت (Usucapion) کی تکمیل کا انتظار کرے ۔ اسی طرح کچھ عرصہ کے بعد وہ مرتہن کے حق ملکیت کو بھی تسلیم کرنے لگے جو ابتدا میں صرف امین سمجھا جاتا تھا ، اور اسی طرح اراضی کے اجارہ دار کا حق بھی مسلم ہوگیا جو ایک مقررہ دوامی لگان ادا کرتا تھا۔ ترقی کا متوازی راستہ اختیار کرکے انگلستان کی عدالت چانسری نے بھی راہن کے لئے ایک مخصوص ملکیت پیدا کردی ، اور اسیطرح مامون لہ (Castui que trust) اور منکوحہ عورت کے واسطے جس کے حق میں کسی خاص قسم کی تملیک کی گئی ہو ، اور نیز اس مشتری کے لئے جس کو ہنوز کامل قانونی

ملکیت نہ ملی تھی۔ یہ سب وہ مثالیں ہیں جن میں مالکانہ حقوق جو صریحاً جدید تھے تسلیم کرلئے گئے اور قائم رکھے گئے۔ انگلستان اور روما میں جائداد پر نصفت سے جو اثرات دوسرے ذرائع سے پڑے وہ بیشمار ہیں۔ اصول نصفت کے موجدین نے اس قوی آلہ کے ہاتھ لگ جانے کے بعد قانون کے میدان میں جس طرف رخ کیا ادھر انھیں قانون جائداد کو مغلوب و مجروح کرنے اور کم و بیش بدل دینے کا پورا موقع ملا۔ صفحات سابق میں جہاں میں اپنے یہ لکھا (۲۶۲) ہے کہ بعض قدیم قانونی امتیازوں اور تجویزوں سے ملکیت کی تاریخ پر قوی اثر پڑا اس سے میری مراد یہ ہے کہ ان کے اثرات کا بڑا جز ترقی کے اُن اشاروں اور تحریکوں سے پیدا ہوا جن سے ذہنی فضا معمور ہوگئی تھی، اور اسی فضا میں نظامہائے نصفت کے بانی سانس لے رہے تھے ملکیت پر نصفت کا اثر بیان کرنا گویا اس کی تاریخ زمانہ حال تک لکھنی ہے۔ میں نے اس کی طرف جو اشارہ کیا ہے اس سے میرا اصل مقصد یہ ہے کہ بعض معزز معاصر مصنفین نے یہ خیال کیا ہے کہ اہل روما کی نصفتی اور قانونی جائداد کی علیحدگی اور تفریق سے ہمیں ملکیت کے تصور کے اس فرق کا پتہ چلتا ہے جو بظاہر قرون وسطیٰ کے قانون کو سلطنت روما کے قانون سے علیحدہ کرتا ہے۔ جاگیری زمانہ کے تصور کے اہم خصوصیات یہ ہیں کہ وہ دو ملکیتیں مانتا ہے، مالک جاگیر کی اعلیٰ ملکیت اور اس کے ساتھ اجارہ یا پٹہ دار کی ادنیٰ ملکیت اس سے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ بظاہر یہ دُہری ملکیت اہل روما کی اس تقسیم کی ایک عام شکل ہے جس کی رُو سے وہ حقوق جائداد کو قانونی اور (بالفاظ زمانہ مابعد) نصفتی اصناف میں تقسیم کرتے تھے۔ خود گیس کا یہ قول ہے کہ جائداد کو دو اصناف میں تقسیم کرنا روما کے قانون کی ایک نرالی خصوصیت ہے، اور بصراحت اس کا مقابلہ واحد یا خاندانی

ملکیت سے کرتا ہے جس کا دوسری اقوام میں رواج تھا۔ یہ درست ہے کہ جسٹینین نے جائدادوں کو ملاکر پھر ایک کردیا، مگر یہ جزاً مغربی سلطنت کا اصلاح شدہ نظام تھا نہ کہ جسٹینین کا وہ اصول قانون جس سے وحشی اقوام صدیوں تک مانوس رہ چکی تھیں۔ (۲۶۳) اگرچہ یہ قومیں سلطنت کے حدود ہی پر رہیں مگر یہ بہتر ہوا کہ وہ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ گئیں جو بعدہ اس قدر نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ اس بیان کی تائید میں یہ امر ماننا پڑے گا کہ وحشی قوموں کے مختلف رسم و رواج میں قانون روما کا جو عنصر شامل ہے اس کی تنقیح پوری طور سے نہیں ہوئی ہے۔ جو غلط یا غیر کافی نظریات نظام جاگیرداری کی توضیح کے لئے قائم کئے گئے وہ سب ایکدوسرے سے اس امر میں مشابہ ہیں کہ انھوں نے اس مخصوص عنصر سے توجہ کو ہٹا دیا ہے۔ قدیم محقق جن کا اتباع اس ملک میں کیا گیا، غیر معمولی اہمیت اس پرشور زمانہ کو دیتے ہیں جس میں طریقہ جاگیرداری درجۂ کمال کو پہنچا، اور بعدہ اس غلطی میں مزید غلطی کا اضافہ اس قومی نخوت نے کردیا جس کی بناپر جرمنی کے مصنفین نے اس تمدنی نظام کے کامل ہونے میں بیحد مبالغہ سے کام لیا جسے ان کے آبا و اجداد نے رومی دنیا میں داخل ہونے سے پہلے قائم کیا تھا۔ انگلستان کے دو ایک محقق، جنھوں نے نظام جاگیری کی بنیاد صحیح مقام پر تلاش کرنی شروع کی تھی، اپنی تحقیقات سے قابل اطمینان نتائج نہ پیدا کرسکے؛ اس کی وجہ یاتو یہ تھی کہ انھوں نے جسٹینین کی تالیفات میں ضرورت سے زیادہ تشابہات (analogies) کا خیال رکھا، یا یہ کہ ان کی تمام توجہ قانون روما کے اس خلاصہ پر مبذول رہی جو بطور ضمیمہ بعض موجودہ وحشی قوموں کے مجموعہ قوانین میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اگر وحشی جماعتوں پر قانون روما کا کوئی اثر پڑا تو اس کا بڑا حصہ جسٹینین کے وضع قانون اور ان

خلاصہ جات کی تیاری سے پہلے پڑھ چکا تھا۔ میرے نزدیک وحشی اقوام کے مراسم کے ضعیف کالبد کو جس نے گوشت اور پوست کا جامہ پہنایا وہ جسٹینین کا صاف اور اصلاح شدہ اصول قانون نہ تھا، بلکہ وہ خام نظام تھا جو مغربی سلطنت میں جاری تھا، اور جسے مشرقی سلطنت کے مجموعی قوانین (Corpus juris) منسوخ کرنے اور اس کے قائم مقام ہوجانے میں کبھی کامیاب نہ ہوسکے۔ اس تبدیلی کی نسبت یہ فرض کیا جانا چاہیئے کہ وہ ایسے وقت میں واقع ہوئی کہ اس وقت تک جرمن قوموں نے فاتحانہ حیثیت سے مملکت روما کے کسی جز پر قبضہ نہ پایا تھا، اور اس لئے یہ تبدیلی اس زمانہ سے بہت پہلے کی قرار پاتی ہے جب کہ جرمن بادشاہوں نے اپنی رومی رعایا کے استعمال کے لئے قانون روما کے خلاصے مرتب کئے جانے کا حکم دیا تھا۔ ہر شخص جو متروک الاستعمال اور منسوخ (Archaic) اور ترقی یافتہ (Developed) قانون میں فرق کرتا ہے وہ اس قسم کے مفروضہ کی ضرورت کو بھی محسوس کرسکتا ہے۔ وحشی اقوام کے قوانین جو ہم تک پہنچے ہیں۔ اگرچہ وہ غیر مہذب ہیں، لیکن نہ اس درجہ تک کہ ان کی ابتدا محض وحشی اقوام پر محمول کی جاسکے، اور نہ یہ باور کرنے کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ اُن مقررہ قواعد کا جو فاتح قوموں کے ارکان باہم استعمال کرتے تھے ہم تک بذریعہ نوشتہ جات کے کوئی بڑا جز پہنچا ہے۔ البتہ اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ وحشی اقوام کے نظام قانونی میں روما کے قانون کا بگڑا ہوا حصہ پہلے سے بمقدار کثیر شامل تھا، تو ہماری یہ سخت مشکل ایک حد تک رفع ہوجاتی ہے۔ اگر فاتحوں کے جرمن قانون اور ان کی رومی رعایا کے قانون میں اس سے زیادہ مشابہت نہ ہوتی جتنی عام طور سے مہذب اصول قانون اور وحشیانہ مراسم میں ہوتی ہے تو وہ کبھی باہم نہ مل سکتے تھے۔ قیاس غالب یہی ہے کہ وحشیوں کے قوانین، اگرچہ متروک الاستعمال اور قدیم نظر آتے ہیں،

(۲۶۴)

مگر در اصل وہ قدیم مراسم اور ایسے رومی قواعد سے جو پوری طرح سمجھے نہ جاسکتے تھے مرکب تھے؛ اور یہی وہ بیرونی عنصر تھا جس (۲۶۵) نے انھیں اہل روما کے اس اصول قانون سے اس طرح مخلوط ہوجانے کے قابل کردیا کہ اس کی آب وتاب میں جو اسے مغربی شاہنشاہیوں کی بدولت حاصل ہوئی فرق آگیا تھا۔

ان سب امور کے مان لینے کے بعد بھی بعض لحاظ سے یہ امر بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ملکیت کی جاگیری شکل بلاواسطہ اہل روما کے جائدادی حقوق کا مثنیٰ تھی۔ قانونی اور نصفتی جائداد کا فرق ایسا نازک فرق ہے کہ بظاہر اُن میں تمیز کرنا وحشی اقوام کے لئے بہت دشوار تھا۔ علاوہ اس کے یہ فرق اس وقت تک سمجھ میں بھی نہیں آسکتا جب تک یہ نہ فرض کرلیا جائے کہ قانونی عدالتوں کا عمل باضابطہ طور سے جاری تھا۔ لیکن سب سے قوی دلیل اس نظریہ کے خلاف یہ ہے کہ خود قانون روما میں جائداد کی ایسی شکل موجود ہے جس سے ایک مجموعہ خیالات سے دوسرے مجموعہ خیالات کی طرف ذہن کے منتقل ہونے کی آسان تر توضیح وشتاب ہوسکتی ہے اگرچہ وہ شکل بھی فی الحقیقت نصفت ہی کی پیدا کی ہوئی تھی اور محدود ملکیت (Emphyteusis) کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ عموماً قرون وسطیٰ کی فوجی جاگیروں پر انھی کا پرتو پڑا ہے اگرچہ اس کا صحیح طور سے علم نہیں ہے کہ اس کا جاگیری ملکیت کے پیدا کرنے میں کیا حصہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ محدود ملکیت، (Emphyteusis) کی غالباً اب تک اپنے یونانی لقب سے معروف نہ تھی، سلسلہ خیال کی وہ منزل ہے جو بالآخر نظام جاگیری کی طرف منجر ہوگئی۔ تاریخ روما میں اتنی بڑی جائدادوں کا ذکر جن کی کاشت خاندان کا سردار اپنے گھر کے لڑکوں اور غلاموں کی مدد سے نہیں کرسکتا تھا پہلی مرتبہ ان جائدادوں کے سلسلہ میں آتا ہے جن کے مالک روما کے شرفا

تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے زمیندار آزاد آسامیوں کے ذریعہ سے کاشت کرانے کے طریقہ سے بالکل ناواقف تھے۔ ان کی مقبوضہ اراضی (Late fundia) کی کاشت عموماً غلاموں کی جماعتوں کے ذریعہ سے کرائی جاتی تھی، جو اُن نگراں کاروں کے زیر حکم ہوتی تھیں جو خود غلام یا آزاد شدہ اشخاص ہوتے تھے۔ اور جس انتظام کی کوشش کی جاتی تھی وہ صرف یہی تھا کہ ادنیٰ درجہ کے غلام چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کرکے اعلیٰ درجہ اور زیادہ تر معتبر قسم کے غلاموں کی ملکیت خاص (peculium) قرار دے دیئے جائیں، جنھیں اس بنا پر ان کے کام کی عمدگی کے ساتھ دلبستگی ہوجاتی تھی۔ مگر یہ انتظام ایک قسم کے زمینداروں یعنی آزاد شہریوں (Municipalities) کے حق میں سخت مضر تھا۔ اطالیہ میں عہدہ دار عجلت کے ساتھ بدلتے رہتے تھے خود روما کے انتظام میں یہ حالت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کثیر اراضی کا انتظام جو اطالیہ کی کوئی متحدہ جماعت کرتی ہوگی وہ یقیناً بیحد غیر مکمل ہوتا ہوگا اس لئے کہا جاتا ہے کہ آزاد شہری زمینداروں نے (agri vectigales) اراضی کو پٹہ پر دینے کا طریقہ رائج کیا یعنی خاص خاص حالتوں میں اراضی دوامی پٹہ اور ایک مقررہ لگان پر آزاد اسامیوں کو دیجانے لگی۔ اس کے دیکھا دیکھی یہ عمل بکثرت شخصی زمینداروں میں بھی جاری ہوگیا، اور ان اسامیوں کو، جن کا تعلق مالک اراضی کے ساتھ ابتدا میں بذریعہ معاہدہ کے متعین ہوا کرتا تھا۔ بعدہ خود سرکاری عہدہ دار ایک حدتک اس اراضی کا مالک تسلیم کرنے لگے، اور یہ طریقہ ایک مدت گزرنے کے بعد محدود ملکیت (Emphyteusis) کے نام سے موسوم ہوگیا اس جگہ سے کاشتکاری کی تاریخ دو شاخوں میں منقسم ہوجاتی ہے۔ اس دراز مدت میں جس میں ہمارا علم سلطنت روما کے متعلق بالکل غیر مکمل ہے، روما کے بڑے بڑے خاندانوں کے غلاموں کی جماعتوں

(۲۶۶)

ہئے تبدیل ہوکر رعایا (Coloni) کی شکل اختیار کرلی، اس گروہ کے ابتدا اور حیثیت کے مسائل تاریخ بھر میں سب سے زیادہ تاریک اور پیچیدہ ہیں۔ گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ حالت کچھ غلاموں کی حیثیت میں ترقی اور کچھ آزاد کاشتکاروں کی حیثیت میں تنزل سے پیدا ہوئی ہوگی، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطنت روما کی دولتمند جماعتوں کو اس کا احساس ہوگیا تھا کہ اراضی کی قدر وقیمت میں اس وقت اضافہ ہوتا ہے جب کہ کاشتکاروں کی ذاتی غرض اراضی کی پیداوار سے متعلق ہوجاتی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ان کی غلامی کا تعلق اراضی سے تھا اور حقیقی غلامی کی اکثر خصوصیتیں ان میں نہ پائی جاتی تھیں، وہ مالکان اراضی کی خدمت اس طرح انجام دیتے تھے کہ سالانہ پیداوار کا ایک حصہ ان کی نذر کرتے تھے۔ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ وہ قدیم اور جدید دنیا کی تبدیلیوں کے بعد تک موجود رہے۔ اگرچہ جاگیری نظام میں ان کا درجہ بہت ادنیٰ ہوگیا تھا، مگر اکثر ممالک میں وہ مالکان اراضی کو وہی محاصل دیتے رہے جو وہ اپنے رومی مالکوں کو دیا کرتے تھے، اور انھیں کی ایک جماعت یعنی (Clonia Medietarii) سے جو پیداوار کا نصف حصہ مالکوں کو دیا کرتی تھی کاشتکاران بٹائی (Metayor) کی ابتدا ہوئی جو اب تک تقریباً تمام جنوبی یورپ کی اراضی کے کاشتکار ہیں۔ اگر مجموعہ قوانین کے اشارات کا مرجع یہی نظام قرار دیا جاسکتا ہے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ محدود ملکیت جائداد کی ایک عام پسند اور مفید شکل قرار پاگئی اور یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ جس جگہ آزاد کاشتکاروں کا وجود پایا جاتا تھا وہاں کاشت کا یہی طریقہ ان کو اراضی کے ساتھ دلچسپی پیدا کرانے کا ذریعہ ہوجاتا تھا۔ روما کے حکام (Praetor) جیسا کہ کہا جاتا ہے انھیں محدود ملکیت کے کاشتکاروں کو حقیقی مالک سمجھتے تھے اور اراضی سے بے دخل ہوجانے کی صورت میں انھیں اجازت تھی کہ وہ جائداد غیر منقولہ کی دخلیابی کی نالش کرکے اس پر دوبارہ قبضہ

(۲۶۷)

حاصل کریں، جو حقیقی ملک کی ایک خصوصیت ہے۔ پٹہ دہندہ اس کے قبضہ میں دست اندازی کا مجاز نہ تھا، جب تک کہ محاصل بروقت ادا ہوتے رہتے تھے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ پٹہ دہندہ کی ملکیت زائل یا ساقط ہو جاتی تھی، بلکہ اسے عدم ادائے محاصل کی حالت میں قبضہ اور فروخت کی صورت میں شفع کا اور طریقہ کاشت پر ایک خاص قسم کی نگرانی کا حق باقی رہتا تھا۔ اس طور سے ان محدود ملکیت کے کاشتکاروں میں ہمیں دُہری ملکیت کی ایک عمدہ مثال ملتی ہے جو زمانہ جاگیری کی جائداد کی خصوصیت تھی، اور جو بہ نسبت قانونی اور نصفتی حقوق میں تمیز قائم رکھنے کے زیادہ تر سادہ اور بہ آسانی قابل تقلید ہے۔ اہل روما کے قبضۂ جائداد کی تاریخ یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اس امر کی صاف شہادت موجود ہے کہ ان بڑے بڑے قلعوں کے درمیان میں، جو دریائے رائن اور ڈینیوب کے کناروں پر واقع تھے، اور ایک مدت دراز تک سلطنت کے حدود کو وحشی پڑوسیوں سے بچاتے رہے، مسلسل قطعات (Agrilimitrophi) سرحدی اراضی کے واقع تھے جن پر روما کی فوج کے قدیم سپاہی مالکان حدود کی حیثیت سے قابض تھے۔ یہاں بھی دُہری ملکیت کا اصول قائم تھا۔ روما کی حکومت زمیندار تھی، مگر سپاہی اس وقت تک بلا مداخلت کاشت کے مجاز تھے جب تک وہ اس فوجی خدمت کے لئے آمادہ رہتے تھے جس کی سرحد پر ضرورت ہوتی تھی۔ فی الحقیقت یہ فوجی خدمت مقامی حفاظت کے لئے تھی۔ اور ان فوجی آبادیوں سے مشابہ تھی جو آسٹریا اور ترکی سرحدوں پر قائم ہیں۔ ان سپاہیوں کی خدمتیں معمولی محدود حقوق کے کاشتکاروں کے محاصل کے مساوی متصور ہوتی تھیں۔ اس میں مطلق شک نہیں ہو سکتا کہ اسی مثال کو پیش نظر رکھ کر غیر مہذب قوم کے بادشاہوں نے جاگیری نظام قائم کیا۔ یہ حالت تقریباً ایک سو سال ان کے پیش نظر رہ چکی تھی، اور اکثر قدیم سپاہی جوان

(۲۶۸)

حدود کی حفاظت کرتے تھے خود انھیں غیر مہذب اقوام سے تھے اور غالباً جرمن زبانیں بولتے تھے۔ فرینک اور لمبارڈ کے بادشاہوں میں اپنی سلطنت کی بعض اراضی دے کر فوجی خدمات کے حصول (۲۶۹) کا جو خیال پیدا ہوا اس کی بنیاد ایسی مثال کی قربت معلوم ہوتی ہے جس کی نقل نہایت آسانی سے ہوسکتی تھی، اور اسی سے غالباً اس رجحان کا بھی پتہ چلتا ہے جس سے بلا توقف حقوق استفادہ نے موروثی شکل اختیار کرنی شروع کی، کیونکہ محدود ملکیت کو اگرچہ ابتدائی معاہدہ کی شرائط کے دائرہ میں رکھنا ممکن تھا مگر وہ عام طور سے معطی لہٗ کے ورثاء پر منتقل ہوجاتی تھی۔ یہ درست ہے کہ اراضی استفادہ کے مالک، اور اس سے قریب تر زمانہ کے ایسے جاگیردار جن کی جاگیریں اراضی استفادہ کی تبدیل شدہ شکلیں تھیں، بظاہر خاص خاص خدمات لینے کے مجاز تھے مگر فوجی لوگ غالباً اور محدود ملکیت والے کاشتکار یقیناً ان کے انجام دینے پر آمادہ نہ ہوسکتے تھے۔ جاگیر کے مالکوں کے ساتھ جس عظمت، اور احسانمندی کا اظہار کیا جاتا تھا اور ان کی لڑکیوں کے جہیز اور لڑکوں کے سازوسامان مہیا کرنے میں مدد دینے، اور بحالت نابالغی ان کی ولایت اور دوسرے اسی قسم کے اسامیانہ خدمات کا جو فرض عائد ہوتا تھا وہ قانون روما کے مولیٰ (سرپرست) اور آزاد شدہ اشخاص کے تعلقات سے بجنسہٖ اخذ کرلیا گیا تھا۔ یہ امر محتاج اظہار نہیں کہ ابتدائی جاگیردار بادشاہوں کے مصاحب ہوتے تھے اور یہ مسلم ہے کہ یہ خدمت اگرچہ بظاہر شاندار معلوم ہوتی تھی، مگر پہلے اس سے ایک قسم کی غلامانہ تذلیل کی بو آتی تھی۔ جو لوگ بادشاہوں کی دربار داری کرتے تھے وہ اپنی ذاتی آزادی کو قربان کردیتے تھے جو خاندانی جائدادوں کے مالکوں کا معزز ترین حق تھا۔

(۲۷۰)

فصل نہم

معاہدہ کی ابتدائی تاریخ

ہمارے زمانہ کے متعلق جو عام اقوال ہیں اُن میں سے شاید ہی کوئی قول بادی النظر طور سے اِس سے زیادہ آسانی کے ساتھ قبول کیا جاسکے کہ ہمارے زمانہ اور زمانۂ سابق کے تمدن میں خاص ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ موجودہ تمدن میں معاہدات کو بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ دخل ہے۔ جن امور پر یہ قول مبنی ہے ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے متعلق اکثر تذکرے، مباحث اور تعریفیں ہوتی رہتی ہیں۔ ہم میں سے بہت ہی کم لوگ ایسے بے خبر ہونگے کہ انھیں یہ نہ نظر آتا ہو کہ جن حالات میں قدیم قانون ایک شخص کی تمدنی حیثیت کو اس کی پیدائش کے وقت اس طرح سے متعین کر دیتا تھا کہ بعدہ اس میں تبدیلی نہ ہوسکتی تھی، وہاں موجودہ قانون شخص مذکور کو اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنی تمدنی حیثیت خود معاہدات کے ذریعہ سے پیدا کرسکے۔ اس قاعدہ کے جو چند مستثنیات باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ہمیشہ نہایت بُری نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

مثلاً حبشیوں کی غلامی کے مباحث میں جو اس وقت تک نہایت شدومد کے ساتھ جاری ہیں جو امر فی الحقیقت زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ کیا غلام کی حیثیت کا تعین قدیم اور گزشتہ آئین پر مبنی نہیں ہے اور کیا آقا اور ملازم کا تعلق وہی نہ ہونا چاہیئے جو حسب اصول اخلاق زمانۂ حال صرف معاہدہ قرار دے سکتا ہے۔ قدیم اور جدید زمانہ کے اس فرق کا احساس مشہور معاصرین کے تخیلات کا اصل اصول ہے۔ (۲۷۱) یہ امر یقینی ہے کہ فن اقتصادیات (Political Economy) جو اخلاقی تحقیقات کا وہ سر رشتہ ہے جس نے ہمارے زمانہ میں کافی ترقی کی ہے، واقعات زندگی کے ساتھ مطابق نہ ہو سکے گا اگر یہ صحیح نہ ہو کہ تحکمی قانون (Imperative Law) کا وہ عمل دخل جو پہلے تھا بڑی حد تک اٹھ گیا ہے، اور لوگ اس آزادی کے ساتھ جو پہلے انھیں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی اپنے طریقۂ عمل کے قواعد خود معین اور مقرر کرنے لگے ہیں۔ جن لوگوں کی تربیت سیاسیات میں ہوئی ہے ان میں سے اکثر اس کے طرف دار ہیں کہ جس عام صداقت پر ان کے فن کی بنیاد قائم ہے وہ قبولیت عام حاصل کرنے کی مستحق ہے، اور جب وہ اس کو بطور فن کے عمل میں لاتے ہیں تو عام طور سے ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ معاہدہ کا دائرہ وسیع اور تحکمی قانون کا دائرہ ایک حد تک تنگ ہو جائے؛ کیوں کہ معاہدات کی تعمیل کرانے کے لئے قانون کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ جو لوگ ان خیالات کے زیر اثر ہیں ان کی اس تحریک کا احساس مغربی دنیا میں نہایت قوت کے ساتھ ہونے لگا ہے۔ واضعانِ قانون نے تقریباً اس امر کا اقرار کر لیا ہے کہ وہ انسان کی ان کارروائیوں کے ساتھ جو تحقیقات، ایجاد، اور مجتمعہ دولت کے معقول انتظام میں جاری ہیں نہیں چل سکتے اور سب سے کم ترقی یافتہ قوموں کے قوانین زیادہ ترسطحی ہوتے جاتے ہیں جن کے نیچے ہمیشہ تبدیل ہونے والے قواعد متعلقہ معاہدہ موجود رہتے ہیں، جن سے

قانون صرف انھیں شاذ صورتوں میں مزاحمت کرتا ہے جب کسی بنیادی اصول کی تعمیل کرانی یا نیک نیتی کی خلاف ورزی کے متعلق سزا دینی ہوتی ہے۔

معاشری اور تمدنی تحقیقات، جہاں تک کہ اس کا انحصار قانونی واقعات پر ہے، اس قدر پست حالت میں ہے کہ ہمیں یہ معلوم کرکے مطلق تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ تمدن کی ترقی کے متعلق جو عام رائیں قائم ہیں اُن میں یہ حقیقت مطلق تسلیم نہیں کی جاتی۔ اس عام رائے کا تعلق بہ نسبت ہمارے عقائد کے ہمارے تعصبات سے زیادہ تر ہے۔ اکثر لوگ اس خیال کی طرف مائل نظر آتے ہیں کہ اخلاق میں کوئی ترقی نہیں ہورہی ہے، اس خیال میں زیادہ تر اس وقت زور ہوجاتا ہے جب وہ نیک خصلتیں معرض بحث میں آتی ہیں جن پر معاہدات کا انحصار ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ فطری طور سے یہ تسلیم کرنے میں پس وپیش کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں میں نیک نیتی اور اعتبار قدیم زمانہ کے لوگوں سے زیادہ تر پایا جاتا ہے، یا ہمارے معاصرین کے چال چلن میں کوئی ایسا امر موجود ہے جو قدیم دنیا کے لوگوں کی نیک چلنی کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ وہ فریب جو ہماری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں اور جو اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آئے تھے، اور جو اپنی کثرت اور مجرمیت کے لحاظ سے حیرت انگیز ہوتے ہیں وقتاً فوقتاً اس میلان کو تقویت دیتے رہتے ہیں۔ مگر خود ان فریبوں کی نوعیت صاف طور سے بتارہی ہے، کہ ان کے حیز امکان میں آنے سے پہلے، وہ اخلاقی وجوب جن کی وہ خلاف ورزیاں ہیں غیر معمولی طور سے نشوونما پاچکے تھے۔ جو اعتبار لوگوں پر کیا جاتا ہے اور جس کے بہت لوگ مستحق بھی ہوتے ہیں وہی تھوڑے سے آدمیوں کے لئے بدنیتی کے ارتکاب میں آسانیاں پیدا کرنے کا ذریعہ ہوجاتا ہے۔ پس اگر بددیانتی کی حیرتناک مثالیں

(۲۷۲)

ہمارے سامنے آتی ہیں تو اُن سے اس سے زیادہ کوئی یقینی نتیجہ نہیں اخذ کیا جاسکتا کہ عام طور سے معاملات میں پوری دیانت سے کام لیا جاتا ہے، اور اسی کی وجہ سے اس خاص صورت میں مجرم کو ایسا موقعہ دستیاب ہوجاتا ہے۔ اگر ہم اخلاق کی تاریخ اصول قانون کی کتابوں میں پڑھنا چاہیں اور قانون معاہدہ نہیں بلکہ قانون تعزیری کو پیش نظر رکھیں، تو ہمیں نہایت احتیاط کے ساتھ یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم اُسے صحیح طور سے پڑھ رہے ہیں یا نہیں۔ روما کے قدیم ترین قانون میں جس بد دیانتی کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف سرقہ ہے۔ بروقت تحریر ہذا انگلستان کے قانون فوجداری میں سب سے جدید ترین فصل (۲۷۳) وہ ہے جس میں امنا کے فریب کے متعلق سزا تجویز کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقابلہ سے یہ نتیجہ مستنبط کرنا درست نہیں ہو سکتا کہ قدیم اہل روما ہم لوگوں سے بلحاظ اخلاق کے بہتر تھے؛ بلکہ جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ جو زمانہ ہمارے اور ان کے درمیان میں گزرا اس میں اخلاق کا تصور ادنیٰ درجہ سے گزر کر اعلیٰ درجہ تک پہنچ گیا ہے اور حقوق ملکیت جو سابق میں صرف مقدس (Sacred) سمجھے جاتے تھے، وہ اس وجہ سے کہ ان کا انحصار محض اعتماد پر ہے قانون فوجداری کی حفاظت کے مستحق متصور ہونے لگے ہیں۔

ہمارے ہاں مصنفین قانون کے معین نظریات بھی عام رائے سے زیادہ مقرون بہ صداقت نہیں ہیں۔ پہلے ہم روما کے مقننین کی رائے سے شروع کرتے ہیں۔ ان کی رائے اخلاق اور قانونی ترقی کی صحیح تاریخ سے بالکل مطابق نہیں ہوتی۔ ایک قسم کے معاہدات کو جن میں فریقین معاہدہ کا موثق اقرار جسز اعظم ہوتا تھا وہ خصوصیت کے ساتھ وہ معاہدات قانون اقوام" (juris gentium) کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اور اگرچہ یہ روما کے نظام قانونی میں یقیناً بہت بعد داخل ہوئے تھے، مگر جو اصطلاح ان کی نسبت استعمال ہوتی (اگر الفاظ سے کوئی مفہوم

معنی پیدا کئے جاسکتے ہیں) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسرے ایسے معاہدات سے قدیم تر تھے جن کا ذکر قانون روما میں ہے ، اور جن میں صرف اصطلاحی ضوابط کا متروک ہوجانا غلط فہمی اور فریب کی طرح منقوط ذمہ داری کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا۔ مگر جس قدامت کی طرف وہ منسوب کئے جاتے ہیں وہ غیر معین ، غیر مرئی ، اور صرف ایسی تھی کہ اس کا مفہوم زمانۂ حال ہی کے ذریعہ سے سمجھ میں آسکتا ہے ۔ اور جب مقننین روما کی زبان اس زمانہ کی زبان ہوگئی جس میں ان کے طرز خیال کی دریافت کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا تھا اس وقت "معاہدات قانون اقوام" تمیز طور سے وہ معاہدات متصور ہونے لگے جس سے انسان فطری حالت سے واقف تھا ۔ راسیو (Rousseau) نے قانونی اور عام یعنی دونوں غلطیوں کو اختیار کرلیا ۔ اخلاق پر علوم اور فنون کے اثرات کے متعلق جو رسالہ اس نے لکھا وہ اس کی پہلی تصنیف تھی جس نے لوگوں کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی ، اور جس میں اس نے نہایت آزادی کے ساتھ ان آراء کا اظہار کیا جن کی بنا پر وہ ایک فرقہ کا بانی سمجھا جانے لگا ۔ اس میں وہ بار بار قدیم ایرانیوں کی صداقت اور دیانت کا تذکرہ کرتا ہے اور ان اوصاف کو قدیم زمانہ کی معصومیت کی خصوصیات قرار دیتا ہے جو رفتہ رفتہ تہذیب کی ترقی سے محو ہوگئے ہیں ۔ ایک مدت کے بعد اس نے اپنے تمام تخیلات کی بنیاد "ابتدائی تمدنی میثاق" (Original social contract) پر قائم کی ۔ جس غلطی سے ہم اس وقت بحث کررہے ہیں اس نے جو شکلیں اختیار کیں اس میں سب سے زیادہ باضابطہ شکل اسی "ابتدائی تمدنی میثاق" کی ہے ۔ اس نظریہ کا اگرچہ سیاسی جذبات سے نشو ونما ہوا مگر اس کی روح رواں مقننین کے تخیلات تھے ۔ یہ یقیناً صحیح ہے کہ **انگلستان** کے جن مشہور لوگوں نے ابتداً اس نظریہ سے دلچسپی لی وہ اس کی قدر اس وجہ سے کرتے تھے کہ وہ مخصوص طور سے سیاسی مقاصد کے لئے کار آمد تھا ، مگر یہ

(۲۷۴)

لوگ جیسا کہ میں آیندہ بیان کروں گا کبھی اس حد تک نہ پہنچتے اگر مدبران ملک عرصۂ دراز سے اپنی نزاعوں میں قانونی اصطلاحات کے استعمال کے عادی نہ ہوتے۔ انگلستان کے جن لوگوں نے یہ نظریہ ایجاد کیا وہ اس کی اُس خیالی وسعت سے بے خبر نہ تھے جس نے اہلِ فرانس کو اس قدر زور کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونے، اور اسے ان سے اخذ کرکے اختیار کر لینے پر آمادہ کر دیا۔ ان کے تصنیفات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس نظریہ کے ذریعہ سے نہ صرف تمام تمدنی بلکہ تمام سیاسی واقعات کی توضیح ممکن ہے۔ وہ دیکھ چکے تھے اور ان کے زمانہ ہی میں یہ تعجب کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، کہ جن (۲۷۵) تاکیدی قواعد (Positive rules) کی انسان پابندی کرتے ہیں ان کا بڑا جسز معاہدہ اورچھوٹا جز تحکمی قوانین (Imperative Law) سے پیدا ہوتا ہے مگر اصول قانون کے ان دو اجزا کے باہمی تاریخی تعلقات سے وہ لوگ یا تو ناواقف تھے یا اس کی طرف اعتنا نہ کرتے تھے بس یہ محض اپنے تخیلات کا مذاق پورا کرنے کے لئے تھا کہ انھوں نے تمام اصول قانون کا ماخذ ایک ہی قرار دے دیا، اور اس اعتقاد سے بچنے کے لئے کہ تحکمی قوانین خدا کے بنائے ہوئے ہیں یہ نظریہ ایجاد کیا کہ تمام قوانین کی بنیاد معاہدہ ہے۔ اگر اُس زمانہ کے خیالات دوسرے رنگ پر ہوتے تو وہ اپنے نظریہ کو ایک لطیف مفروضہ با آسانی پیدا کرنے والا زبانی مقولہ قرار دے کر مطمئن ہو جاتے مگر اس زمانہ میں قانونی اوہام کی حکمرانی تھی، اور فطری حالت کا نظریہ اس قدر زبان زد ہو چکا تھا کہ وہ بعید از قیاس نہ رہا تھا، اس لئے "تمدنی میثاق" کو ایک تاریخی واقعہ قرار دے کر قانون کی ابتدا معاہدہ پر ٹھیراتا اور اسے ایک مغالطہ آمیز حقیقت بنا لینا بہت آسان ہو گیا تھا۔

ہمارے زمانہ کے لوگوں نے ان غلط نظریات قانونی کو بالکل ترک کر دیا ہے، کچھ تو اس وجہ سے کہ ان کی ذہنی حالت میں بہ نسبت

زمانۂ سابق کے بہت کچھ ترقی ہوگئی ہے، اور کچھ اس وجہ سے کہ اس قسم کے مضامین کے متعلق نظریات قائم کرنے کا طریقہ تقریباً متروک ہوگیا ہے۔ ہمارے آبا و اجداد کی ان کوششوں کے مقابلہ میں جو وہ تمدنی حالت کی ابتدا کے متعلق قیاسات قائم کرنے میں صرف کرتے تھے، اس زمانہ کے مشغول دماغ لوگوں کا دلچسپ مشغلہ یہ ہے کہ وہ اس تمدن کی جو اس وقت اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود اور حرکت میں ہے تجزی کریں۔ مگر اس وجہ سے کہ یہ لوگ تاریخ سے مدد نہیں لیتے ان کی یہ تجزی اکثر فضول تجسس کی صورت اختیار کرلیتی ہے، اور دریافت کرنے والے کو ان تمدنوں (۲۷۶) کی حالت سمجھنے کے ناقابل کردیتی ہے جو اس سے مختلف ہوتے ہیں اور جن کے دیکھنے کا وہ عادی ہوتا ہے۔ دوسرے زمانہ کے لوگوں کو اپنے زمانہ کے اخلاقی معیار سے جانچنا اُسی طرح غلط ہے جس طرح یہ فرض کرلینا کہ موجودہ تمدن کے ہر خط و خال کا پرتو قدیم تمدنوں میں بھی موجود تھا۔ اس قسم کے خیالات کا اثر دُور تک پھیلتا ہے، اور وہ خیالات ان تاریخی تصنیفات کی تہ میں جو زمانۂ حال کے طریقہ پر لکھی جاتی ہیں مضمر ہوجاتے ہیں۔ مگر میں تو ان کے آثار اصول قانون کے حدود میں ان تعریف میں بھی پاتا ہوں جو مانٹسکی (Montesquieu) کی ایک چھوٹی سی حکایت کی کیجاتی ہے جو اس نے "پرشین کے خطوط" ("Lettres persanes") میں قوم "ٹروگلو ڈائٹ" (Troglodytes) کی نسبت لکھی ہے۔ یہ قوم اپنے معاہدات کی خلاف ورزی کی عادی تھی اور یہی اس کی تباہی کی وجہ ہوئی۔ اگر اس حکایت سے وہی اخلاقی نتیجہ نکالنا منظور ہے جو اس کے مصنف کے پیش نظر تھا، اور وہ اس "خلاف تمدن الحاد" (Anti-social heresy) پر اعتراض کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے جس کے عام ہوجانے کا اندیشہ گذشتہ اور موجودہ صدی میں تھا، تو اس کی نسبت کسی اعتراض کی گنجایش

نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ مستنبط کرنا کہ جب تک معاہدات اور اقرارات کی وہ توقیر اور عظمت نہ کی جاتی جو پورے ترقی یافتہ زمانہ میں کی جاتی ہے تو تمدن قائم نہیں رہ سکتا تھا، سخت غلط ہوگا۔ اور اُس سے قانونی تاریخ کا صحیح طور سے سمجھ میں آنا محال ہوجائے گا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ قوم ٹروگلوڈائٹ باوجودیکہ وہ معاہدات کی تکمیل کی طرف بہت کم توجہ کرتی تھی خوب پھلی پھولی اور اس نے بہت سی قومی حکومتیں قائم کیں۔ ابتدائی تمدنوں کی ترکیب میں سب سے پہلے سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ منفرد شخص اپنے لئے اس قدر کم حقوق اور فرائض پیدا کرتا ہے کہ وہ بمنزلہ نہ ہونے کے ہوتے ہیں جن احکام کی وہ پابندی کرتا ہے ان کا ماخذ اولاً وہ تمدنی حیثیت (۲۷۷) ہے جس میں وہ پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد اُن اوامر اور احکام کا مرتبہ ہے جو اسے اس خاندان کے سردار سے ملتے ہیں جس کا وہ ایک رکن ہوتا ہے۔ ایسے سلسلۂ انتظام میں معاہدات کی بہت ہی کم گنجایش باقی رہ جاتی ہے۔ ایک ہی خاندان کے ارکان (کیونکہ شہادت موجودہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے) باہم معاہدہ کے بالکل ناقابل ہوتے ہیں، اور خاندان کو یہ حق ہے کہ وہ ایسے معاہدات کا مطلق لحاظ نہ کرے جن کے ذریعہ سے اس کے ماتحت ارکان نے اسے پابند کرنے کی کوشش کی ہو۔ یہ صحیح ہے کہ خاندان خاندان کے ساتھ اور سردار سردار کے ساتھ معاہدہ کرسکتا ہے، مگر یہ معاملہ نوعیت اور تعداد مراسم کے لحاظ سے انتقال جائداد کی طرح ہوتا ہے، اور اس کی تعمیل میں مراسم کے ایک ذرہ کا متروک ہوجانا بھی سقوط وجوب کے لئے کافی ہے۔ یہ تاکیدی فرض کہ ایک شخص کی بات پر بھروسہ کیا جائے تہذیب کی تدریجی ترقی کا نتیجہ ہے۔

نہ قدیم قانون اور نہ کسی دوسری شہادت سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ تمدن کسی وقت بھی معاہدہ کے تصور سے بالکل ناآشنا تھا۔

لیکن جب پہلی مرتبہ اس کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ نہایت ابتدائی حالت میں پایا جاتا ہے کوئی معتبر قدیم نوشتہ اٹھاکر دیکھو تو صاف طور سے نظر آتا ہے کہ اس ذہنی جبلت نے جو ہمیں ایفائے وعدہ کی ترغیب دیتی ہے ابھی تک کامل نشو و نما نہیں پایا ہے، اور ایسے افعال جو صریح دغابازی میں داخل ہیں اکثر بغیر کسی الزام اور بعض اوقات تعریف کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔ ہومر کے تصنیفات کو بطور مثال کے لیجئے اس میں یولیسز کی دغابازانہ چالاکی نسٹر کی دور اندیشی، ہکٹر کی مستقل مزاجی، اور ایچلیز کی بہادری کی طرح قابل تعریف ہے۔ قدیم قانون اس سے بھی زیادہ اس فرق کو ظاہر کرتا ہے جو معاہدہ کی ناقص اور کامل شکل میں پایا جاتا ہے۔ ابتدا میں اقرار کی تکمیل کے لئے قانون کی (۲۷۸) مداخلت مطلق نہیں نظر آتی۔ قانون جس امر کی تائید کرتا ہے وہ محض اقرار نہیں، بلکہ وہ اقرار ہے جو باضابطہ مراسم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ مراسم اہمیت میں نہ صرف اقرار کے مساوی بلکہ اس سے بھی بڑھے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ وہ نازک اور باریک ذہنی حالت، جسے کامل اصول قانون کسی خاص زبانی وعدہ کا منبع قرار دیتا ہے، قدیم قانون میں الفاظ اور ان حرکات کی طرف منتقل کردی جاتی ہے جو اس عمل کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ کوئی اقرار قابل تعمیل نہیں ہوسکتا اگر ایک رسم بھی چھوٹ جائے یا غلط طور سے ادا ہو۔ برخلاف اس کے اگر یہ ظاہر ہو کہ تمام مراسم ٹھیک طور سے ادا ہوئے ہیں تو یہ عذر مطلق کارگر نہیں ہوسکتا کہ وعدہ جبر یا فریب سے حاصل کیا گیا تھا۔ اس قدیم نظریہ کا بہ تبدیل شکل معاہدہ کے متداولہ تصور میں منتقل ہوجانا اصول قانون کی تاریخ میں صاف طور سے نظر آتا ہے۔ پہلے ان مراسم میں سے بعض رسمیں ترک کردی جاتی ہیں، بعدہ بعض رسموں میں آسانی کردی جاتی ہے، یا خاص خاص حالتوں میں انھیں ترک کردینے کی اجازت ہوجاتی ہے، اور آخر میں چند خاص معاہدات ایسے منتخب کرلئے جاتے ہیں جنکے

عمل میں آنے کے لئے کسی رسم کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ یہ منتخب معاہدات وہی ہوتے ہیں جن پر تمدنی میل جول کی سرگرمی اور قوت منحصر ہوتی ہے۔ معہود ذہنی، بتدریج مگر نہایت واضح طریقہ سے اپنے آپ کو اصطلاحی کارروائیوں سے آزاد کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہی اصل اصول رہ جاتا ہے، جس پر مصنفان قانون کی تمام تر توجہ مبذول رہتی ہے۔ اس معہود ذہنی کو جس کا اظہار بیرونی افعال سے ہوتا تھا اہل روما عہد یا پیمان (Pact or Convention) کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اور جب ایک مرتبہ یہ عہد و پیمان معاہدہ کا مغز قرار پا گیا تو ترقی پذیر اصول قانون کا رجحان اس طرف ہوا کہ وہ رسوم اور اشکال کے بیرونی خول کو توڑ کر پھینک دے۔ اس کے بعد جو کچھ رسوم باقی رہ گئے وہ صداقت معاملہ کے ضامن، اور احتیاط اور غور کے کفیل ہیں (۲۷۹) اس طور سے معاہدے کا تصور حد کمال تک پہنچ گیا، یا اگر اہل روما کی اصطلاح سے کام لیا جائے تو یوں کہنا چاہیئے کہ معاہدات، عہد و پیمان میں جذب ہو گئے۔

قانون روما میں جس طریقہ سے یہ تبدیلی ہوئی اس کی تاریخ بے حد سبق آموز ہے۔ فن اصول قانون کے آغاز ہونے کے زمانہ میں جو لفظ معاہدہ کی جگہ استعمال ہوتا تھا اسے وہ طالب علم جو تاریخی لاطینی کے طرز تحریر سے واقف ہیں بخوبی جانتے ہیں۔ وہ لفظ نیزم (Nexum) تھا اور فریقین معاہدہ نیزی (Nexi) کہلاتے تھے۔ یہ اصطلاحات اس استعارہ کے غیر معمولی طور سے باقی رہنے کی وجہ سے جس پر وہ قائم ہیں خاص توجہ کے قابل ہیں۔ اس تصور کا اثر کہ فریقین معاہدہ باہم ایک مضبوط سلسلہ یا زنجیر میں جکڑے ہوتے ہیں اخیر تک اہل روما کے معاہدات کے اصول قانون پر پڑتا رہا، اور وہیں سے نکل کر موجودہ خیالات میں داخل ہوا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس "نیزم" "یا زنجیر" کا منشاء اور مفہوم کیا ہے۔ اس کی جو تعریف ایک قدیم رومی مصنف نے

ہم تک پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ "نیزم ہر ایسا معاملہ ہے جو سکہ اور ترازو کے ساتھ عمل میں آئے"۔ ان الفاظ نے اس معاملہ میں بے حد الجھن پیدا کردی ہے۔ سکہ اور ترازو کا عمل انتقال جائداد کا مشہور اور معروف ذریعہ تھا۔ یہ ایک قدیم رسم تھی جیسے ہم گزشتہ فصل میں بیان کرچکے ہیں، اور جس کے ذریعہ سے اہلِ روما کی اعلیٰ جائداد کا حق ملکیت ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوجاتا تھا۔ اسی عمل کے حوالے نے جس سے جائداد منتقل ہوتی تھی معاملہ کو پیچیدہ کردیا ہے، کیونکہ تعریف متذکرہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہدات اور انتقالات باہم ملا دیئے گئے ہیں، جو اصول قانون کے فلسفہ میں نہ صرف علیحدہ رکھے جاتے ہیں، بلکہ حقیقت میں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ حق تعمیمی (jus in re) یعنی وہ حق جو تمام عالم کے مقابلہ میں قابل نفاذ، یا حق مالکانہ ہے، ترقی یافتہ اصول قانون کے تجزی کرنے والے کے نزدیک حق تخصیصی (jus ad rem) یعنی اس حق سے جو صرف ایک شخص یا ایک جماعت کے مقابلہ میں قابلِ نفاذ، یا وجوب ہے بالکل علیحدہ ہے۔ انتقالات سے حقوق مالکانہ منتقل ہوتے ہیں، اور معاہدات وجوب پیدا کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ دونوں کس طرح ایک نام سے موسوم کیئے جاسکتے یا ایک تصور میں داخل ہوسکتے ہیں؟۔ یہ دقت مثل اسی قسم کی دوسری دقتوں کے، اس غلطی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ ایک غیر مہذب تمدن میں وہ ذہنی حالت فرض کرلی جاتی ہے جو ذہنی ارتقا کے اعلیٰ مراتب کے لئے مخصوص ہے؛ یعنی ایسی ذہنی حالت جو تصور میں ان خیالات کو جو عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط ہوتے ہیں تمیز کرتی ہے۔ ہمیں صاف طور سے ایسی تمدنی حالت کا پتہ چلتا ہے جس میں انتقالات اور معاہدات عملی طور سے باہم مخلوط تھے؛ اور ان تصورات کی غلطیوں کا اس وقت تک احساس نہیں ہوا جب تک لوگوں نے معاہدات اور انتقالات کا علیحدہ علیحدہ طریقہ کارروائی

(۲۸۰)

اختیار نہیں کیا۔

ہم اس موقعہ پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں روما کے قدیم قانون کا اس قدر علم ہے کہ ہم آغاز اصول قانون کے زمانہ کی اس تبدیلی کے متعلق ایک خیال قائم کرسکتے ہیں جس کے بعد قانونی تصورات اور قانونی اصطلاحات میں تغیر واقع ہوا۔ جو تبدیلی ان تصورات اور اصطلاحات میں ہوئی وہ عمومیت سے خصوصیت کی طرف تھی، یا یوں کہو کہ قدیم تصورات اور قدیم اصطلاحات دونوں تدریجی تخصیص کے زیر اثر آگئے زمانۂ قدیم کا ایک قانونی تصور زمانۂ حال کے ایک قانونی تصور سے نہیں، بلکہ چند تصورات کے مجموعہ سے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک قدیم قانونی اصطلاح ان مختلف اشیاء پر حاوی ہے جنھیں موجودہ زمانہ کے قوانین میں علیحدہ علیحدہ نام دیئے گئے ہیں۔ اگر اصول قانون کی تاریخ کی دوسری منزل پر غور کیا جاتا ہے، تو ہمیں صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ ماتحت تصورات رفتہ رفتہ اپنی قدیم جگہ چھوڑتے جاتے ہیں، اور قدیم عام نام مخصوص ناموں سے دیتے جاتے ہیں۔ قدیم عام تصورات بالکل محو نہیں ہوجاتے، مگر منجملہ ان قدیم مفہومات کے جن پر وہ حاوی تھے صرف چند پر حاوی رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح قدیم اصطلاحیں بھی باقی رہتی ہیں، مگر منجملہ ان کاموں کے جو ان سے ایک زمانہ میں لئے جاتے تھے صرف ایک ہی کام لیا جاتا ہے۔ اس کیفیت کی مثالیں مختلف طریقہ سے پیش کی جاسکتی ہیں، مثلاً بزرگ خاندان کے تمام اختیارات ایک نوع کے سمجھے جاتے تھے اور ان کا صرف ایک نام تھا۔ جو اختیار مورث استعمال کرتا تھا وہ ایک ہی تھا خواہ وہ خاندان، یا مادی اشیاء یعنی گلوں، مندوں، غلاموں، بچوں یا بیوی کے متعلق ہو۔ ہمیں اس اختیار کا رومی نام یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے، مگر اس کے باور کرنے کے لیئے قوی وجوہ موجود ہیں کہ اس کے لیئے قدیم عام لفظ "مینس" (Manus) تھا، کیونکہ جہاں کسی اختیار کے

(۲۸۱)

تصور کا پرتو نظر آتا ہے وہاں بار بار اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ مگر قانون روما میں تھوڑی سی ترقی ہو جانے کے ساتھ ہی یہ نام اور اس کا تصور مخصوص ہو گیا۔ اختیار میں بلحاظ اس شئے کے جس پر وہ استعمال کیا جاتا تھا الفاظ اور تصور میں فرق کیا جانے لگا۔ جب اس کا استعمال مادی اشیا اور غلاموں پر ہوتا تھا تو وہ "ڈومینیم" (Dominium) ہو جاتا تھا، جب اولاد پر استعمال ہوتا تھا تو "پوٹسٹاس" (Potestas) اور جب (۲۸۲) ان آزاد لوگوں سے متعلق ہوتا تھا جن کی خدمات ان کے والدین دوسروں کی طرف خدمت گزاری کے لئے منتقل کر دیتے تھے تو وہ "مینوسیپیم" (Mancipium) اور جو بیوی پر مستعمل ہوتا تھا تو "مینس" (Manus) ہو جاتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ قدیم لفظ بالکل نا رائج نہیں ہو گیا ہے، بلکہ جن مفہوم پر وہ پہلے حاوی تھا ان میں سے بعض کے لیے مخصوص ہو گیا ہے۔ معاہدات اور انتقالات میں جو تاریخی تعلق ہے اس کی نوعیت کے سمجھنے میں ہمیں اسی تمثیل سے مدد ملے گی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں تمام اہم اور باضابطہ معاملات میں ایک ہی قسم کے مقررہ مراسم ادا ہوتے تھے اور بظاہر ان کا نام روما میں "نیزم" (Nexum) تھا۔ اور انتقال جائداد کے وقت جو مراسم عمل میں آتے تھے وہی انعقاد معاہدات کے وقت بھی ادا ہوتے تھے مگر اس پر زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ وقت آ گیا جس میں معاہدہ کا تصور انتقال کے تصور سے علیحدہ ہو گیا۔ اس طور سے دوہری تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ "سکہ اور ترازو" کی کارروائی سے جب انتقال جائداد مقصود ہوتا تھا تو اس کا جدید اور مخصوص نام "مینسی پیشن" (Mancipation) رکھا جاتا تھا۔ اور "نیزم" (Nexum) کا قدیم نام انھیں مراسم کی طرف اشارہ کرتا تھا مگر اسی صورت میں جب کہ انعقاد معاہدہ کی مخصوص غرض سے مراسم مذکور عمل میں لائے جاتے تھے۔

جب دو یا تین قانونی تصورات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ

قدیم سے باہم مخلوط ہوکر ایک ہوگئے ہیں، تو اس کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے قدیم نہیں ہے، یا یہ کہ ان کے قیام کے بعد ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں ہوگئی ہے۔ اس کی وجہ کہ ایک قانونی تصور اتنے عرصہ تک کیوں مختلف تصورات پر حاوی رہتا ہے اور ایک اصطلاحی فقرہ بجائے چند فقرات کے کیوں مستعمل ہوتا ہے، یقیناً یہ ہے کہ ابتدائی تمدنوں کے قوانین میں جو عملی تبدیلیاں (۲۸۳) واقع ہوتی ہیں انھیں لوگ ایک عرصہ کے بعد محسوس کرتے یا ان کو کسی نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ میں قبل ازیں یہ کہہ چکا ہوں کہ ابتدائی خاندان کے بزرگوں کے اختیار میں بلحاظ ان اقسام کے جن کے متعلق وہ اختیار مستعمل ہوتا تھا کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا، مگر مجھے اس کا یقین ہے کہ جو اختیار انھیں اپنی اولاد کے متعلق حاصل تھا وہی اختیار کے تصور کا اصل اصول ہے۔ اور مجھے اس میں مطلق شک نہیں کہ "نیزم" (Nexum) کا قدیم ترین اور مخصوص استعمال ان لوگوں کے ذہن میں جو اسے کام میں لاتے تھے یہی تھا کہ وہ انتقال جائداد کی کارروائی کو باضابطہ کردیں۔ قیاس غالب یہی ہے کہ "نیزم" کا اپنے اصلی مقاصد سے کسی قدر منحرف ہوجانا ابتداءً اس کے معاہدات میں مستعمل ہونے کا باعث ہوا اور چونکہ یہ تبدیلی خفیف تھی اس لیے ایک عرصہ تک اس کا احساس نہ ہوا اور نہ اس کی طرف توجہ کی گئی۔ اور قدیم نام اس وجہ سے باقی رہ گیا کہ لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوا کہ انھیں جدید نام رکھنے کی ضرورت ہے۔ دماغوں میں وہی قدیم تصور جما رہا کیونکہ کسی شخص کو تکلیف اٹھاکر اس کی جانچ اور پڑتال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وصیت ناموں کی تاریخ میں ہم اس عمل کی مثال صاف طور سے دیکھ چکے ہیں۔ ابتدا میں وصیت صرف انتقال جائداد کا نام تھا۔ جو عملی بڑا اختلاف اس میں اور دوسرے انتقالات میں تھا وہ رفتہ رفتہ ظاہر ہوتا گیا، اور

وہی اس انتقال کے علٰحدہ قرار دیئے جانے کا باعث قرار پایا۔ باوجود اس کے بھی صدیوں کے بعد مصلحان قانون فرضی انتقال کے بیکار مراسم کو دور کر کے اس پر متفق ہوئے کہ وصیت میں سوائے موصی کے صحیح مقاصد کے اور کوئی امر قابل توجہ نہیں ہے۔ یہ امر قابل افسوس ہے کہ ہم معاہدات کی ابتدائی تاریخ ویسی صاف نہیں پاتے جیسی کہ وصیت کی تاریخ ہے، تاہم اس کے علامات اور اشارات موجود ہیں کہ "نیزم" کے جدید استعمال سے ابتداً معاہدات پیدا ہوئے، اور اس تجربہ کے (۲۸۴) اہم عملی نتائج نے بعدہ اُن میں جداگانہ معاملات کی حیثیت پیدا کر دی اس عمل کے مفصلۂ ذیل خاکہ میں بے شک قیاس سے کام لیا گیا ہے، لیکن وہ قیاس بہت زیادہ بعید نہیں ہے۔ "نیزم" کی ایک معمولی صورت فرض کرو جس میں بیع بمقابلہ زر نقد کے عمل میں آ رہی ہے بائع وہ مال لاتا ہے جسے وہ فروخت کرنا چاہتا ہے، "فرض کرو کہ وہ غلام ہے، مشتری تانبے کی اَن گھڑ سلاخیں لاتا ہے جو سکہ کی جگہ کام دیتی ہیں، اور ایک لابدی کارکن اپنا ترازو لے کر حاضر ہوتا ہے۔ غلام مقررہ رسوم ادا ہو جانے کے بعد مشتری کے حوالے کر دیا جاتا ہے، ترازو کش تانبا تولتا ہے اور وہ بائع کو دیدیا جاتا ہے۔ جب تک یہ معاملہ ہوتا رہا اس کا نام" نیزم" اور اس کے فریقین "نیزی" (Nexi) تھے، مگر معاملہ کے تمام ہونے کے ساتھ ہی "نیزم" کا بھی خاتمہ ہو گیا اور فریقین معاملہ کا وہ نام باقی نہ رہا جو اس عارضی تعلق سے پیدا ہو گیا تھا۔ اب ہمیں تجارتی تاریخ میں ایک قدم اور آگے بڑھانے دو، یعنی یہ فرض کرو کہ غلام منتقل ہو گیا مگر قیمت ادا نہ ہوئی۔ اس صورت میں جہاں تک کہ بائع کا تعلق ہے" نیزم" کا خاتمہ ہو گیا اور اپنا مال حوالے کر دینے کے بعد وہ "نیزس" (Nexus) باقی نہ رہا لیکن مشتری کا ہنوز" نیزم" سے چھٹکارا نہیں ہوا، معاملہ کا جہاں تک کہ اس سے تعلق ہے غیر مکمل ہے اور وہ ابھی تک

"نیزم" ہے۔ اس سے جو کچھ مستنبط ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ اس انتقال کے لیئے جس کے ذریعہ سے حق جائداد منتقل ہوگیا، اور مدیون کی غیر موٹی قیمت کی ذاتی ذمہ داری کے متعلق، ایک ہی اصطلاح مستعمل ہوی ہے۔ ہم اس سے بڑھکر ایک ایسی باضابطہ کارروائی کا ذہنی خاکہ کھینچکر جس میں نہ کوئی شئے حوالے کی جاتی ہے اور نہ کوئی قیمت ادا ہوتی ہے، فوراً بیع کے معاہدات تعمیل طلب (Executory Contract of Sale) (۴۸۵) تک پہنچ جاتے ہیں، جو تجارتی کاروبار کی اعلیٰ درجہ کی سرگرمی کی علامتیں ہیں۔

اگر یہ سچ ہے کہ "معاہدات" کے متعلق ایک زمانہ تک عام اور اہل فن کی یہی رائے تھی کہ وہ "ناتمام انتقالات" (incomplete Conveyances) ہیں تو یہ سچائی مختلف وجوہ سے خاص توجہ کے قابل ہے گذشتہ صدی میں جو خیالات انسان کی فطری حالت کے متعلق قائم ہوئے اُن کا خلاصہ اس مقولہ میں ایک حد تک صحیح طور سے موجود ہے کہ "ابتدائی تمدن میں جائداد کچھ نہ تھی جو کچھ تھا وہ وجوب (Obligation) ہی تھا" مگر اب یہ معلوم ہوگا کہ اگر یہ مقولہ الٹ کر بیان کیا جائے تو زیادہ تر حقیقت کے قریب ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر انتقالات اور معاہدات کے ابتدائی اختلاط پر بلحاظ تاریخ نظر ڈالی جائے تو اس سے وہ معما حل ہوجاتا ہے جو اکثر فضلا اور مقننین کو حیرت میں ڈال دیتا ہے، اس سے میری مراد وہ غیر معمولی اور متواتر سختی ہے جو ہر قدیم نظام قانونی میں مدیونوں پر جائز رکھی گئی ہے، اور وہ حد سے متجاوز اختیار ہے جو دائنین کو دیا گیا ہے۔ جب ہماری سمجھ میں یہ آگیا کہ مدیون کو مہلت دینے کے لئے "نیزم" میں مصنوعی طور سے توسیع کردی گئی تھی، تو عامہ خلائق اور قانون کی نگاہ میں مدیون کی جو حیثیت ہوگی اسے ہم بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے ذمے قرض کا باقی رہ جانا ایک قسم کی بے ضابطگی، اور ادائے

قیمت کا ملتوی کردیا جانا عام طور سے ایک چال اور صحیح قاعدہ کی خلاف ورزی سمجھی جاتی تھی۔ برخلاف اس کے معاملہ میں جو شخص اپنے ذمہ کا فرض ادا کرچکا تھا وہ خاص طور سے موقر متصور ہوتا تھا؛ اور اس سے زیادہ کیا امر فطری ہوسکتا تھا کہ اسے ایسے معاملہ کی تکمیل کے لئے جس میں بلحاظ صحیح استحقاق کے کسی قسم کی توسیع یا التوا کی گنجایش نہ تھی، صریح آسانیاں عطا کی جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ "نیزم" جس سے ابتدا میں صرف انتقال جائداد کا مفہوم پیدا ہوتا تھا ناوانستہ طور سے (۲۸۶) معاہدہ کے لئے بھی مستعمل ہونے لگا، اور بالآخر اس لفظ اور معاہدہ کے تصور میں ایسا مستقل تعلق ہوگیا کہ صحیح "نیزم" یا ایسے معاملہ کے لئے جس میں فی التحقیقت جائداد منتقل ہوتی تھی ایک خاص اصطلاح "فینو سیدیم یا مین سی پیشیو" کا استعمال جائز قرار پایا۔ اب معاہدات انتقالات سے علیحدہ ہوگئے اور ان کی تاریخ کی پہلی منزل طے ہوچکی، مگر اب بھی وہ (معاہدات) اپنی ترقی کے اس زمانہ سے بہت دور ہیں جبکہ ایک معاہد کا وعدہ ان مراسم سے جو اس کے ساتھ ادا کیئے جاتے تھے زیادہ تر دقیع سمجھا جاتا تھا۔ اس عرض مدت میں جو تبدیلیاں ہوئیں انکی نوعیت کے اظہار کی کوشش میں ہمیں ایک حدتک ایسے مضمون کیطرف متوجہ ہونا پڑتا ہے جسے صحیح طور سے کتاب ہذا سے کچھ تعلق نہیں، یعنی معاہدہ کی اس تجزی کی طرف جو اہل روما کے مقننین نے کی تھی۔ اس تجزی میں ان کی دانشمندی کی سب سے زیادہ دلکش یادگار بلا مبالغہ یہ ہے کہ انھوں نے عہد و پیمان سے وجوب کو اصولاً الگ رکھا۔ بنتھم اور مسٹر آسٹن نے معاہدہ کے دو لابدی اجزا حسب ذیل قرار دیئے ہیں؛ اول یہ کہ فریق معاہد کا ایک فعل کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق جس کا وہ وعدہ کرتا ہے اپنے ارادہ کا اظہار۔ دوسرے موعودلہ کی طرف سے اس امر کا اظہار کہ وعدہ کرنے والے فریق کی طرف سے جو وعدہ کیا گیا ہے اس کے ایفا کا وہ منتظر ہے۔" یہ اہل روما

کے مقننین کے اصول کے بالکل مطابق ہے، مگر ان کی نظر میں ان "اظہارات" کے نتائج معاہدات کی حد تک نہیں پہنچتے تھے، بلکہ صرف عہد و پیمان تھے۔ عہد و پیمان منفرد اشخاص کے باہمی وعدوں کا اعلیٰ ثمرہ تھا، مگر وہ معاہدہ (۳۲۲) کی حد سے صریحاً گرا ہوا تھا۔ ان کا بالآخر معاہدہ کی شکل میں منتقل ہوجانا اس سوال پر منحصر تھا کہ آیا قانون ان پر وجوب عائد کرتا ہے یا نہیں۔ پس معاہدہ، عہد و پیمان اور اس کے ساتھ وجوب، کا نام تھا جب تک عہد و پیمان کے ساتھ وجوب نہ ہوتا تھا، وہ "عریاں" کہلاتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ وجوب کیا ہے۔ روما کے مقننین اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

"دو یا زیادہ اشخاص میں وہ قانونی تعلق ہے جو ان میں سے چند یا کسی ایک شخص کو دوسرے کے فائدہ کے لئے کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا پابند کرتا ہے"۔

اس تعریف سے وجوب اور "بنزیم" میں اس مشترکہ استعارہ کی وجہ سے جس پر ان کی بنیاد قائم ہے ایک تعلق پیدا ہوجاتا، اور ایک مخصوص تصور کا شجرہ واضح طور سے آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ وجوب وہ "سلسلہ" یا "زنجیر" ہے جس کے ذریعہ سے قانون دو اشخاص یا دو جماعتوں کو بعض اختیاری افعال کی بنا پر باہم باندھ دیتا ہے۔ جن افعال سے وجوب پیدا ہوتا ہے وہ خاص کر وہی ہیں جو معاہدہ اور جرائم اور عہود اور افعال ناجائز کے تحت میں داخل ہوتے ہیں، اگرچہ اور مختلف قسم کے افعال اسی قسم کے نتائج پیدا کرتے ہیں، مگر وہ ٹھیک طور سے کسی تقسیم میں نہیں آسکتے۔ یہ بھی بتا دینا ضرور ہے کہ عہد و پیمان میں وجوب کسی اخلاقی ضرورت سے عائد نہیں ہوتا، بلکہ قانون اپنی قرط قوت سے اس کے ساتھ شریک کردیتا ہے۔ اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے؛ کیونکہ زمانۂ حال کے قانون ملک کے

بعض شارحین نے جنھیں اپنے اخلاقی اور طبعی نظریات کی تائید منظور تھی ایک دوسرا اصول بنا لیا ہے۔ اہل روما کے قانون معاہدہ اور بیضابطگی کے ہر جز میں دو اشخاص کے وجوب قانونی (Vinculum juris) کی تصویر اپنے پورے رنگ میں نظر آتی ہے۔ قانون نے فریقین کو باہم جکڑ دیا ہے اور یہ زنجیر صرف حل (Solutio) کے عمل سے ڈھیلی ہوسکتی ہے۔ (۲۸۸)
یہ اصطلاح بھی استعارہ سے خالی نہیں، جو کبھی کبھی اور اتفاقیہ طور سے ہمارے لفظ "ادائی" کے مرادف ہوجاتی ہے۔ جس تواتر کے ساتھ یہ تشبیہی تصویر ہمارے سامنے لائی جاتی ہے، اس سے اہل روما کی قانونی زبان کی ایک ایسی خصوصیت کی تشریح ہوتی ہے جو بغیر اس کے سخت خلجان میں ڈالنے والی تھی، یعنی یہ کہ وجوب میں حقوق اور فرایض دونوں داخل ہیں جیسے قرض کے وصول پانے کا حق اور اس کے ادا کرنے کا فرض۔ اہل روما نے درحقیقت یہ "قانونی سلسلہ" پیش نظر رکھا ہے اور اس کے کسی پہلو کو نظرانداز نہیں ہونے دیا ہے۔

اہل روما کے نشو و نما یافتہ قانون کی رُو سے عہد و پیمان میں تکمیل کے ساتھ ہی وجوب کا اضافہ ہوجاتا تھا جو اُسے معاہدہ کی حد تک پہنچا دیتا تھا؛ اور یہی وہ مقصد تھا جس کی طرف قطعی طور سے قانون معاہدہ کا رجحان تھا۔ لیکن موجودہ تحقیقات کے مقاصد کے لیے ہمیں خصوصیت کے ساتھ اس درمیانی منزل کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، جس میں کامل اتفاق کے علاوہ وجوب عاید ہونے کے لیے کسی اور شئے کی بھی ضرورت تھی۔ یہ زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں معاہدات کی چار رومی مشہور قسموں زبانی، تحریری، حقیقی، اور بتراضی طرفین کا رواج ہوگیا تھا۔ اور اس زمانہ میں معاہدہ کی یہی چار صورتیں ایسی تھیں جن کی تعمیل قانون کے ذریعہ سے کرائی جاسکتی تھی۔ اس اصول کے ذہن نشین ہوجانے کے بعد جس نے عہد و پیمان سے وجوب

کو جدا کر دیا تھا اس چہار گانہ تقسیم کے معنی بہ آسانی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ معاہدہ کی ہر قسم کا نام ان مراسم کے لحاظ سے رکھا گیا تھا جن کی ضرورت فریقین کے اتفاق کے علاوہ محسوس کی جاتی تھی۔ زبانی معاہدہ میں عہد و پیمان ہوجانے کے بعد چند الفاظ زبان سے کہنے پڑتے تھے، اور ان کے ادا ہونے کے بعد اس پر وجوب قانونی عائد ہوتا تھا۔ تحریری معاہدہ میں معاہدہ کا کھاتہ بہی میں درج ہوجانا اس میں وجوب پیدا کر دیتا تھا۔ اسی طرح حقیقی معاہدہ میں اس شئے کے حوالہ کر دینے سے جس کے متعلق ابتدائی قرار داد ہوئی تھی وجوب پیدا ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر صورت میں فریقین میں ایک سمجھوتا ہوجاتا تھا، لیکن اگر وہ اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے تو کسی فریق پر کوئی وجوب عائد نہ ہوتا تھا، اور نہ کوئی فریق دوسرے فریق کو تعمیل پر مجبور کرسکتا یا خلاف ورزی عہد کی بابت دادرسی کی استدعا کرسکتا تھا۔ مگر بعض مقررہ رسوم کے ادا کرتے ہی معاہدہ مکمل ہوجاتا تھا، اور جو شکل مناسب حال تصور کرکے انھوں نے اختیار کی تھی اسی نام سے موسوم ہوتا تھا۔ اس عمل درآمد کے مستثنیات سے ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

(۲۸۹)

میں نے چاروں معاہدات کو تاریخی ترتیب سے بیان کیا ہے مگر روما کے آئین نویسوں نے ہمیشہ اس ترتیب کا اتباع نہیں کیا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ ان چاروں میں زبانی معاہدہ سب سے مقدم اور جہاں تک معلوم ہے قدیم "نیزم" کی پہلی اولاد ہے۔ قدیم زمانہ میں زبانی معاہدہ کی مختلف صورتیں رائج تھیں۔ مگر سب سے اہم اور جس کے متعلق ہمارے مصنفین نے بحث کی ہے وہی ہے جو سوال و جواب کے ذریعہ سے منعقد ہوتا تھا۔ جو شخص اقرار لیتا تھا وہ سوال کنندہ اور جو اقرار کرتا تھا وہ جواب دہندہ ہوتا تھا۔ یہ سوال و جواب وہ مزید جز تھا جسے قدیم خیالات فریقین متعلقہ کی باہمی قرار داد کے علاوہ ضروری قرار دیتے تھے،

جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں، اور وہ وجوب کے عائد کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ قدیم "نیزم" نے ترقی یافتہ اصول قانون کو سب سے مقدم جو چیز دی ہے وہ زنجیر یا سلسلہ کا تصور ہے جو فریقین کو باہم ملاتا ہے، اور یہی آخر میں وجوب ہو گیا ہے۔ اس کی دوسری یادگار ان رسموں کا تصور ہے جو عہد و پیمان کے ساتھ اور ان کی توثیق کے لیے عمل میں آتی تھیں اور انھیں رسوم نے آخر میں "شرائط معاہدہ" کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ایک باضابطہ انتقال کا، جو کہ قدیم "نیزم" کی نمایاں خصوصیت تھی محض سوال و جواب کی صورت میں تبدیل ہوجانا اس سے بہت زیادہ لاینحل معما ثابت ہوتا جیسا کہ وہ اب ہے اگر ہماری ہدایت کے لیے اسی قسم کی رومی وصیت کی تاریخ موجود نہ ہوتی۔ اس تاریخ پر نظر ڈالنے سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے باضابطہ انتقال کس طرح کارروائی کے اس جز سے علیحدہ کر لیا گیا جس کا براہ راست تعلق معاملہ زیر بحث سے تھا، اور بعدہ کس طرح وہ بالکل ترک کر دیا گیا۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاملہ کے متعلق جو سوال و جواب ہوتے تھے وہ "نیزم" کی ایک سادی اور آسان شکل تھی۔ اور ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں کہ عرصۂ دراز تک ان کی نوعیت ایک اصطلاحی شکل کی رہی۔ یہ سمجھنا غلطی سے خالی نہ ہوگا کہ قدیم روما کے مقننین نے ان مراسم کو محض اس فائدہ کے لحاظ سے پسند کیا تھا کہ جو لوگ کوئی عہد و پیمان کرنا چاہتے ہیں انھیں مزید غور و فکر کا موقع ملے۔ اس میں شک نہیں کہ ان سے یہ فائدہ بھی مقصود تھا، اور رفتہ رفتہ اس کا احساس ہو گیا تھا، مگر جو کچھ ہمیں مستند ذرایع سے معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ ابتداً معاہدات میں سوال و جواب محض تکمیل ضابطہ اور مراسم کے لیے مستعمل ہوتے تھے۔ ہر سوال و جواب قدیم سے ایسا نہ ہوتا تھا کہ اس سے معاہدہ یا اقرار زبانی (Stipulation) منعقد ہو جائے۔ جن

(۲۹۱)

سوال و جواب سے یہ اثر پیدا ہوتا تھا وہ ہر مخصوص موقع کی نوعیت کی مناسبت سے مقررہ اور اصطلاحی الفاظ میں ہوا کرتے تھے۔

قانون معاہدہ کی تاریخ ٹھیک طور سے سمجھنے کے لیئے یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ اقرار زبانی کے متعلق جو سوال و جواب ہوتے تھے وہ ایک باضابطہ رسمی عمل تھا۔ ان کا موجب مزید اطمینان ہونا بعد کا خیال ہے مگر اس کے حقیقی فوائد سے چشم پوشی کرنا بھی غلطی سے خالی نہ ہوگا۔ زبانی معاہدہ کی قدیم منزلت میں اگرچہ بہت کچھ کمی آگئی تھی مگر وہ روما کے اصول قانون کے آخر عہد تک قائم رہا۔ اور ہمیں یہ فرض کرلینا چاہیئے کہ اہل روما کا کوئی اصول آئینی مدت تک نہیں چل سکتا تھا جب تک کہ اس میں کوئی عملی فائدہ مضمر ہوتا تھا۔ میں انگلستان کے ایک مصنف کو اس پر اظہار تعجب کرتے پاتا ہوں کہ قدیم زمانہ کے اہل روما اس قدر ضعیف ذرایع پر، تعجیل اور بے غوری سے محفوظ رہنے کے لیئے کس طرح مطمئن ہوگئے تھے مگر اقرار زبانی (Stipulation) کے طریقہ کو بغور دیکھنے، اور یہ امر پیش نظر رکھنے کے بعد کہ ہم تمدن کی ایسی حالت سے بحث کررہے ہیں جس میں تحریری شہادت کا بہم پہنچنا کچھ آسان نہ تھا، میرے نزدیک ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ یہ طریقہ اگر اسی غرض سے اختراع کیا گیا تھا جو فی الحقیقت اس سے حاصل ہوئی، تو اُسے حقیقی طور سے بیحد دانشمندانہ اختراع سمجھنا چاہیئے۔ جس سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ پیش کنندہ شرائط کی حیثیت سے معاہدہ کے تمام مضمون کو سوالوں کی شکل میں پیش کرتا تھا، اور وعدہ کرنے والا ان کے جواب دیتا تھا۔ "کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ تم فلاں غلام مجھے فلاں مقام پر، اور فلاں دن، حوالے کردوگے"، "ہاں میں وعدہ کرتا ہوں"۔ اگر ہم اس پر تھوڑی دیر بھی غور کریں تو ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ وعدہ کا بشکل سوال پیش کیا جانا فریقین معاہدہ کی فطری (۲۹۲)

حیثیت کو بدل دیتا تھا، اور سلسلۂ سخن کو کامل طور سے منقطع کرکے، توجہ کو کسی خوفناک وعدہ سے سرسری طور پر گزر جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ہم لوگوں میں زبانی وعدہ عام طور سے صرف وعدہ کرنے والے کے الفاظ سے مستنبط کیا جاتا ہے۔ لیکن رومیوں کے قدیم قانون میں ایک اور مرحلہ کا طے ہونا قطعی طور سے لازم تھا یعنی عہد و پیمان ہوجانے کے بعد موعودلۂ کو ضرور ہوتا تھا کہ وہ تمام شرائط کا خلاصہ باضابطہ سوال و جواب کی شکل میں پیش کرے۔ اور بحالت ضرورت تحقیقات میں یہی سوال و جواب اور اس کی منظوری ثابت کرنی پڑتی تھی نہ کہ وعدہ جو بجائے خود قابل پابندی نہ تھا۔ روما کے اصول قانون کے مبتدیوں کو بہت جلد اس کا احساس ہوجاتا ہے کہ یہ خفیف خصوصیت قانون معاہدہ کی اصطلاحات میں کتنا بڑا فرق پیدا کردیتی ہے، اور یہی عام طور سے ان کے لیے سب سے پہلی سد راہ ثابت ہوتی ہے۔ انگریزی میں جب ہمیں کسی معاہدہ کا ذکر کرنا اور آسانی کی غرض سے اسے کسی فریق معاہدہ سے متعلق کرنا ہوتا ہے، مثلاً اگر ہم عام طور سے "معاہد" کہنا چاہیں تو ہمارے الفاظ عہد کرنے والے ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن قانون روما کی عام زبان کا رجحان دوسری جانب ہے۔ قانون مذکور معاہدہ پر معہود لۂ کی حیثیت سے نظر ڈالتا ہے؛ اور جب معاہدہ کے کسی ایک فریق کے ذکر کی ضرورت ہوتی ہے تو اس سے عموماً شرائط پیش کرنے والا (Stipulator) یعنی سوال کنندہ ہی مقصود ہوتا ہے۔ اس طور سے شرائط کے پیش کرنے کے فواید لاطینی زبان کے مذاقیہ ناٹکوں کی حقیقی مثالوں سے بہت اچھی طرح ظاہر ہوسکتے ہیں۔ اگر وہ کل بیان پڑھے جائیں جس میں یہ فقرے واقع ہوتے ہیں [ایکیس۔ گرا۔ پلوٹس۔ سیوڈولس ایکٹ۔ (۱) سین (۱)۔ ایکٹ (۴) سین (۶) ٹرونومس ایکٹ (۵) سین (۲)] تو یہ معلوم

۲۹۳

ہوگا کہ ان لوگوں کا خیال جو کسی وعدہ پر غور کر رہے ہوں کس موثر طریقہ سے ان سوالات کے ذریعہ سے وعدہ مذکور کی طرف مبذول ہوجاتا، اور ایک غیر محتاط معاملہ سے رجوع ہوجانے کے لیئے کتنا بڑا موقع ملتا ہوگا۔

تحریری معاہدہ میں، جس باضابطہ فعل سے عہد و پیمان میں وجوب پیدا ہوتا تھا وہ یہ تھا کہ رقم واجب الادا، جبکہ اس کا تعین ممکن ہو ایک بہی کھاتہ کے مد قرضہ میں مندرج ہوجائے۔ اس معاہدہ کی توضیح اہل روما کے اس خانگی دستور پر منحصر ہے کہ قدیم زمانہ میں حساب باقاعدہ اور بیحد احتیاط کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ قدیم قانون روما میں اور بھی چھوٹی چھوٹی مشکلیں ہیں، مثلاً غلام کی پیدا کردہ جائداد کی نوعیت، یہ تمام مشکلیں اسی طرح حل ہوسکتی ہیں کہ ہم یہ امر پیش نظر رکھیں کہ روما کا ایک خاندان مختلف اشخاص سے مرکب ہوتا تھا جو سختی کے ساتھ بزرگ خاندان کی نگرانی میں رہتے تھے، اور تمام خانگی آمدنی اور خرچ ایک کچے چٹھے میں درج ہونے کے بعد اوقات مقررہ پر خانگی بہی کھاتہ میں منتقل کرلیا جاتا۔ تحریری معاہدہ کے متعلق جو بیانات ہم تک پہنچے ہیں اُن میں بعض امور ایسے ہیں جو صاف طور سے سمجھ میں نہیں آتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخیر زمانہ میں حساب رکھنے کا طریقہ عام نہیں رہا تھا، اور "تحریری معاہدہ" کے معنی ایک ایسے عہد و پیمان کے ہوگئے تھے جو قدیم مفہوم سے بالکل جدا تھا۔ اس لیئے قدیم تحریری معاہدات کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیا محض دائن کے درج کھاتہ کرلینے سے وجوب پیدا ہوجاتا تھا، یا مدیون کی رضامندی یا دائن کے ساتھ ساتھ خود مدیون کا بھی اپنے بہی کھاتہ میں درج کرلینا قانونی اثر پیدا کرنے کے لیئے ضرور تھا۔ بہرحال یہ اصل واقعہ ثابت ہے کہ اس معاہدہ میں ایک شرط کی تکمیل سے دوسرے تمام مراسم غیر ضروری ہوجاتے تھے۔ قانون معاہدہ کی تاریخ میں تنزل کی

(۲۹۴)

طرف یہ دوسرا قدم تھا۔

تاریخی ترتیب میں اس کے بعد "حقیقی معاہدہ" ہے جس سے اخلاقی تصورات میں بڑی ترقی کا پتہ چلتا ہے۔ جب کسی معاہدہ میں کسی خاص شئے کی حوالگی مقصود ہوتی تھی، اور اکثر سادے معاہدات کا یہی مقصد ہوتا ہے، تو شئے مذکور کے حوالے کیئے جانے کے ساتھ ہی وجوب عائد ہوجاتا تھا۔ اس نتیجہ سے معاہدہ کے قدیم تصور میں بہت بڑی تبدیلی ہوگئی ہوگی؛ کیونکہ قدیم زمانہ میں جب تک فریق معاہدہ اپنے عہد و پیمان کو سوال و جواب کا جامہ نہیں پہناتا تھا۔ جو کچھ اس عہد و پیمان کے متعلق کیا جاتا تھا اسے قانون نہیں تسلیم کرتا تھا۔ جو شخص روپیہ قرض دیتا تھا وہ اس کے وصول کے لئے دعویٰ دائر نہیں کرسکتا تھا اگر اس کے متعلق باضابطہ طور سے سوال و جواب کی رسم ادا نہیں ہوتی تھی۔ لیکن "حقیقی معاہدہ" میں بظاہر بربنائے اخلاق اس کی اجازت تھی کہ ایک فریق کی طرف سے تعمیل دوسرے فریق پر قانونی فرض عائد کردے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اخلاقی لحاظ قانون معاہدہ کا ایک جز قرار پایا۔ پس "حقیقی معاہدہ" دونوں سابق الذکر معاہدوں سے اس بنا پر مختلف تھا کہ اس میں بجائے اصطلاحی مراسم اور رومیوں کے خانگی عادات کے اصول اخلاق کا زیادہ تر لحاظ کیا جاتا تھا۔

اب ہم چوتھی قسم یعنی (Consensual) "معاہدہ بتراضی طرفین" کا ذکر کرتے ہیں جو ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم ہے۔ اس نام کے تحت میں چار مخصوص معاہدات داخل ہوتے تھے اول (Mandatum) یعنی کمیشن یا ایجنسی، (Societas) یعنی شراکت، (Emtio Venditio) یعنی بیع، (۲۹۵) اور (Locatio, Coductio) یا کرایہ اور اجرت۔ چند صفحات قبل ازیں، اس بیان کے بعد کہ معاہدہ عہد و پیمان اور اس وجوب سے مرکب ہوتا تھا جو اس پر اضافہ کردیا جاتا تھا، میں ان افعال اور مراسم کا ذکر کرچکا ہوں جن کے ذریعہ سے قانون عہد و پیمان

پر وجوب عاید ہونے کی اجازت دیتا تھا۔ میں نے یہ طرز بیان عمومیت کے لحاظ سے اختیار کیا ہے، مگر وہ پورے طور سے ٹھیک نہیں کہا جاسکتا، جب تک یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ اثبات اور منفی دونوں پر حاوی ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت "معاہدات بتراضی طرفین" کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے عہد و پیمان سے پیدا ہونے کے لیے کسی قسم کے مراسم کی ضرورت نہیں واقع ہوتی۔ اس قسم کے معاہدات کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے جس کے واسطے نہ کوئی معقول دلیل موجود ہے اور نہ وہ صاف طور سے سمجھ میں آتا ہے۔ ان کی نسبت یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں فریقین کی رضامندی کا اظہار بہ نسبت دوسرے قسم کے معاہدات کے زیادہ تر قوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن لفظ تراضی (Consensual) سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اس صورت میں وجوب فوراً رضامندی کے ساتھ ہی عائد ہوجاتا ہے۔ اس معاملہ میں طرفین کی رضامندی سب سے اہم اور اس کا خاتم جزو ہوتی ہے، اور جو معاہدات اس کی ضمنی تقسیم یعنی بیع، شراکت ایجنسی، یا کرایہ کی ایک مد میں داخل ہوتے ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ جب فریقین کی رضامندی سے وہ جزو مہیا ہوجاتا ہے تو معاملات مذکور فوراً معاہدہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور طرفین کی رضامندی فوراً وجوب کے عاید ہوجانے کا باعث ہوجاتی ہے، اور ان معاملات میں وہ کام دیتی ہے جو دوسرے معاہدات میں حوالگی شئے سوال و جواب، یا اندراج بہی کھاتہ سے لیا جاتا ہے۔ اس لئے تراضی طرفین کی اصطلاح میں ذرا سی بھی بے ترتیبی نہیں ہے، بلکہ وہ ٹھیک طور سے حقیقی، زبانی، اور تحریری اصطلاحات کے مطابق ہے۔ (۲۹۶)

زندگی کے کاروبار میں تمام معاہدات سے زیادہ تر عام اور اہم وہ چار معاہدات ہیں جو تراضی طرفین کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں۔ ہر قوم کی مجموعی زندگی کا بڑا حصہ خرید و فروخت، اجرت کی

داد و ستد، کار و بار کی شراکت، اور باہم انتقالات اختیارات کے معاملات میں صرف ہوتا ہے۔ اور اسی خیال نے اہل روما کو، دوسری قوموں کی طرح، ان معاملات کو اصطلاحی جھگڑوں سے بری رکھنے کی ترغیب دلائی، تاکہ تمدن کے یہ سرچشمے بند نہ ہونے پائیں۔ یہ وجوہ تحریک روما ہی تک محدود نہ تھے۔ اہل روما کی تجارت اپنی پڑوسی قوموں کے ساتھ جاری تھی اس سے اہل روما کو یہ معلوم کرنے کے کافی مواقع ملے ہوں گے کہ جو معاہدات ان کے سامنے ہیں وہ ہر جگہ فریقین کی باہمی رضامندی کے ساتھ ہی واجب التعمیل ہو جانے کی طرف مائل ہیں۔ اس لئے انھوں نے اپنی معمولی عادت کے مطابق ان معاہدات کو معاہدات قانون اقوام (Juris Gentium) کے نام سے ممیز کر دیا۔ اگرچہ میرا یہ خیال نہیں ہے کہ ان کو یہ نام بہت ہی ابتدائی زمانہ میں دیا گیا ہوگا۔ روما کے مقننین کے ذہن میں قانون اقوام کا پہلا خیال پریٹر پریگرائنیس (Praetor Peregrinus) کے تقرر سے بہت پہلے جاگزیں ہوا ہوگا، مگر اٹلی کی دوسری قوموں کے نظام معاہدات سے واقفیت اسی وقت ہوئی ہوگی جب کہ ان قوموں کیساتھ ان کے تجارتی تعلقات وسیع اور متواتر ہوگئے ہوں گے، اور جب تک اٹلی میں پوری طور سے امن نہ قائم ہوگیا ہوگا اور روما کا غلبہ کامل طور سے نہ تسلیم کرلیا گیا ہوگا اس تجارت میں نمایاں وسعت نہ ہوئی ہوگی۔ اگرچہ قیاس غالب یہی ہے کہ روما کے نظام قانونی میں معاہدات تراضی طرفین بہت بعد میں داخل ہوئے اور اگرچہ الفاظ "قانون اقوام" (Juris Gentium) کے اضافہ سے خود ان کی پیدائش کی قربت کا اظہار ہوتا ہے، لیکن یہی الفاظ جو ان کو قانون اقوام سے متعلق کرتے تھے زمانہ حال میں ان کی بے حد قدامت کا خیال پیدا کرنے کے باعث ہو گئے ہیں۔ کیونکہ جب "قانون اقوام" کو بدلکر "قانون فطرت" قائم کیا گیا تو یہ سمجھا جانے لگا کہ تراضی طرفین کے معاملات ایسے معاملات تھے جو فطری حالت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتے تھے اور یہیں سے یہ عجیب خیال پیدا ہوا کہ تمدن جس قدر ابتدائی ہو اسی قدر اس کے معاملات کی شکل بدیہی سادی ہونی چاہئے۔

(۲۹۷)

اگرچہ معاہدات تراضی طرفین تعداد میں بہت محدود تھے، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ انھوں نے قانون کی تاریخ کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ وہیں سے معاہدہ کے حالیہ تصورات کا آغاز ہوا۔ وصیت کا تصور جو عہد و پیمان کی بنیاد ہے بالکل علیحدہ کردیا گیا، اور ایک جداگانہ خیال قرار پایا۔ اور معاہدہ کے تصور سے تمام مراسم الگ کرلئے گئے اور بیرونی افعال صرف اندرونی یعنی دلی رضامندی کے علامات قرار پائے۔ علاوہ اس کے یہ معاہدات قانون اقوام میں شریک کرلئے گئے اور چند ہی روز بعد اس شمول کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایسے عہد و پیمان سمجھے جانے لگے جو فطرت کے مطابق اور اس کے مجموعہ قوانین میں داخل ہیں۔ اس مقام پر پہنچکر روما کے مقننین کے مختلف مشہور اصول اور امتیازات کا قائم ہوجانا آسان تھا۔ منجملہ ان کے فطری اور قانونی وجوبات میں فرق اور امتیاز کا قایم کیا جانا ہے۔ جب کوئی کامل العقل شخص اچھی طرح سوچ سمجھ کر اپنے آپ کو (۲۹۸) کسی عہد و پیمان کا پابند کرتا تھا، تو اس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اس پر فطری وجوب عائد ہوگیا، اگرچہ اس سے بعض ضروری مراسم متروک ہوگئے ہوں، اور اگرچہ بعض اصطلاحی موانع کی وجہ سے اس میں جائز معاہدہ کرنے کی باضابطہ قابلیت موجود نہ ہو۔ قانون (اور امتیاز کا مقصد بھی یہی ہے) اس وجوب کی جبریہ تعمیل نہ کرائے گا مگر اس کو تسلیم کرنے سے قطعی انکار بھی نہ کرے گا۔ فطری وجوب دوسرے وجوب سے جو محض ناقص اور باطل تھے مختلف لحاظ سے جدا سمجھے جاتے تھے، خصوصاً اس امر میں کہ اگر معاہدہ کرنے والے میں بعدہ معاہدہ کی قابلیت پیدا ہوجاتی تھی، تو اس وجوب کی قانوناً تعمیل ہوسکتی تھی۔ مقننین کے ایک عجیب اصول کا آغاز بھی اُس زمانہ سے پہلے نہ ہوا ہوگا جس میں عہد و پیمان معاہدہ کے اصطلاحی اجزا سے علیحدہ کرلئے گئے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ دعوٰی کے لئے کوئی بنیاد

بجز معاہدہ کے نہیں ہوسکتی، مگر جواب دعوی کے لئے محض عہد و پیمان کافی ہوسکتا ہے۔ اس سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ کوئی شخص اس کا مجاز نہیں کہ وہ ایسے عہد و پیمان کی بنیاد پر دعوی دائر کرے جسے اس نے براہِ احتیاط باضابطہ کارروائی کرکے پختہ معاہدہ کی حد تک نہ پہنچا دیا ہو، تاہم جو دعوی ایک باضابطہ معاہدہ سے پیدا ہو اس کی تردید ایک ایسے عہد و پیمان کے ثابت کرنے سے ہوسکتی ہے جو محض عہد و پیمان کی حد سے آگے نہ بڑھا ہو۔ وصول یابی قرضہ کے مقدمہ میں یہ جواب دہی ہوسکتی ہے کہ رقم سے دست برداری کرلی گئی تھی یا التوا کے لئے ایک بیضابطہ عہد و پیمان ہوگیا تھا۔

جو اصول ابھی بیان ہوا ہے اس سے اس تردد کا اظہار ہوتا ہے جو روما کے دیوانی عہدہ داروں کو اہم تبدیلیوں کی طرف قدم بڑھانے میں لاحق ہوتا ہوگا۔ فطرتی قانون کا جو نظریہ انھوں نے قائم کیا تھا اس کے لحاظ سے وہ معاہدات تراضیِ طرفین، اوران عہود و پیمانوں کو جن کے معاہدات مذکور مخصوص صورتیں تھیں، بنظر استحسان دیکھتے ہوں گے، مگر انھوں نے دفعتاً اس کی جرأت نہ کی کہ جو آزادی تراضی طرفین کے معاہدات میں برتی جاتی تھی وہ تمام عہود سے متعلق کردی جائے۔ قانون روما کے آغاز سے ضابطہ کی کارروائی پر نگرانی کا جو مخصوص اختیار ان عہدہ داروں کو دیا گیا تھا اسے وہ لوگ کام میں لاتے رہے، اور اگرچہ وہ اب تک ایسے مقدمات کے دائر کئے جانے کی اجازت دینے سے انکار کرتے رہے جو باضابطہ معاہدات پر مبنی نہ ہوں، مگر اپنے عہد و پیمان کے جدید نظریہ کو کارروائی کے مراحل مابعد میں پوری طرح کام میں لائے جانے کو جائز قرار دیتے رہے۔ جب وہ اس حد تک پہنچ گئے تو ان کا آگے قدم بڑھانا ایک لازمی امر تھا۔ معاہدہ کے قدیم قانون میں اسوقت

ایک عظیم تغیر پیدا ہوگیا جب ایک سال کے منتخب شدہ سول عہدہ دار (Praetor) نے اپنے اعلان میں اس امر کا اظہار کیا کہ وہ تمام ایسے عہود اور پیمانوں کی بنا پر جو کامل معاہدات کی حد تک نہیں پہنچے ہیں نصفتی و عادتی دائر کرنے کی اجازت دے گا، بشرطیکہ عہود اور پیمان مذکور کسی بدل (Causa) پر مبنی ہوں۔ ترقی یافتہ روما کے اصول قانون میں ایسے تمام عہد و پیمان قابلِ تعمیل ہیں۔ یہ اصول "معاہدات تراضی طرفین" ہی کا اصول ہے جو اپنے حقیقی نتائج اور حد تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اہل روما کے قانونی اصطلاحات ایسے ہی لچکدار ہوتے جیسے کہ ان کے قانونی نظریے تھے، تو جو عہود پریٹر نے جاری کئے تھے وہ "جدید معاہدات" یا "تراضی طرفین کے جدید معاہدات" کے ناموں سے موسوم کئے جاتے۔ مگر قانونی اصطلاحات قانون کا ایک ایسا جز ہے جو سب سے آخر میں بدلتا ہے۔ پس یہ عہود جن کی تعمیل بروئے نصفت کرائی جاتی تھی صرف "پریٹر کے عہود" کے نام سے نامزد رہے۔ یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ اگر ان عہود کا بدل نہ ہوگا تو جدید اصول قانون میں وہ "معرا" متصور ہوں گے؛ اور ان کو قابل تعمیل بنانے کے لئے ذریعہ سوال و جواب زبانی معاہدات میں منتقل کرلینا ضرور ہوگا۔ (۳۰۰)

بیشمار غلطیوں سے محفوظ رکھنے کے لحاظ سے تاریخ معاہدہ نہایت اہم ہے، اور اس سے تفصیلی بحث کئے جانے کے واسطے میرا یہی عذر کافی ہے۔ اس سے تفصیلی طور سے معلوم ہوتا ہے کہ اصول قانون کی ایک نمایاں سرحد سے دوسری نمایاں سرحد تک خیالات کی رفتار کس طرح رہی ہے۔ آغاز "نیزم" سے ہوا جس میں معاہدہ اور انتقال مشترک تھے، اور جس میں وہ مراسم جو عہد و پیمان کے وقت ادا ہوتے تھے خود عہد و پیمان سے زیادہ اہم سمجھے جاتے تھے۔ "نیزم" سے گذر کر ہم سوال و جواب تک پہنچتے ہیں جو قدیم مراسم کی مختصر اور سادہ

شکل ہے۔ اس کے بعد تحریری معاہدہ ہے جس میں تمام مراسم سے دست برداری کرلی جاتی ہے، بشرطیکہ عہد و پیمان کا ثبوت اہل روما کے ان خانگی دستوروں سے مل جائے جن کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی تھی۔ حقیقی معاہدہ میں پہلی مرتبہ اخلاقی فرض تسلیم کیا گیا ہے، اور جن لوگوں نے اس عہد کی جزئی تعمیل میں شرکت کی یا اظہار رضامندی کیا ہے وہ اس کے مجاز نہیں ہیں کہ مراسم میں نقص کی بنا پر اسے رد کرسکیں۔ آخر میں تراضی طرفین کے معاہدات کا ظہور ہوتا ہے جن میں عاقدین کی صرف ذہنی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور بیرونی افعال کا صرف اسی حدتک لحاظ ہوتا ہے کہ وہ ذہنی ارادہ کی شہادت ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اہل روما کے ایک خام خیال کا ترقی کرکے ایک صحیح تصور تک پہنچ جانا کہاں تک معاہدات (۳۰۱) کے متعلق انسانی خیال کی ترقی کا نتیجہ تھا۔ اہل روما کے سوائے دوسری قدیم اقوام کا قانون معاہدہ اتنا مختصر ہے کہ اس سے کسی واقفیت کا حاصل ہونا دشوار ہے، یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ بالکل ضایع ہوگیا ہے۔ اور زمانۂ حال کا اصول قانون اس طرح اہل روما کے خیالات سے مملو ہے کہ اس میں ایسے اختلافات یا متوازیات نہیں مل سکتے جس سے کوئی اطلاع حاصل ہوسکے۔ جن تبدیلیوں کا میں نے ذکر کیا ہے اُن میں کوئی غیر معمولی، تعجب انگیز، یا ناقابل فہم امر نہیں ہے، اور اس سے بطریق معقول یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ قدیم اہل روما کے معاہدات کی تاریخ ایک خاص حدتک ویسی ہی ہے جیسے اس قسم کے قانونی تصورات کی تاریخ دوسری قدیم قوموں میں تھی مگر قانون روما کی ترقی صرف ایک درجہ تک اصول قانون کے دوسرے نظاموں کی ترقی کا آئینہ قرار دی جاسکتی ہے۔ قانون فطرت کا نظریہ کلیتہً رومی ہے، اور یہی حال جہاں تک مجھے علم ہے وجوب قانونی (Vinculum Juris) کا ہے۔ اہل روما کے ترقی

یافتہ قانونِ معاہدہ اور جرائم کے اکثر خصوصیات کا سلسلہ انھیں دو خیالات پر منتہی ہوتا ہے، خواہ ان کا اثر جدا جدا مانا جائے یا مشترکہ، اور اسی بنا پر خصوصیات مذکورہ ایک مخصوص تمدن کی اختراع سمجھی جاتی ہیں۔ یہ موخرالذکر قانونی تصورات نہایت اہم ہیں، اس وجہ سے نہیں کہ وہ ہر حال میں ترقی کرنے والے خیالات کا ضروری نتیجہ ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ انھوں نے زمانۂ حال کے اذہان پر بعید اثر ڈالا ہے۔

قانون روما اور خصوصاً اس کے قانون معاہدہ کا، مختلف فنون میں طرز خیال، طریقۂ استدلال، اور اصطلاحات کا پیدا کر دینا ایک ایسا حیرت انگیز عمل ہے جس سے مافوق ذہن میں آنا ہی مشکل ہے۔ جن علوم اور فنون نے زمانۂ حال کے لوگوں میں علمی مذاق پیدا کر دیا ہے، ان میں سے بہ استثنائے علم طبیعیات کے کوئی اور ایسا علم نہیں ہے جس کا سرچشمہ اہل روما کا اصول قانون نہ ہو۔ خالص علم مابعدالطبیعیات (Meta-physics) کی ایجاد کا سہرہ بہ نسبت رومیوں کے زیادہ تر یونانیوں کے سر ہے، مگر اصولِ سیاست، فلسفۂ اخلاق اور انتہا یہ کہ مذہبیات تک کے لئے اہل روما کے اصول قانون نے نہ صرف اظہار خیال کے لیئے ذرائع، بلکہ ایک ایسا مامن مہیا کر دیا جس میں ان کی دقیق سے دقیق تحقیقات نے نشو و نما پاکر درجۂ کمال حاصل کیا۔ اس واقعہ کی توضیح کے لئے یہاں اس پُر اسرار تعلق سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی جو الفاظ اور خیالات میں پایا جاتا ہے، اور نہ یہ بیان کرنے کی حاجت ہے کہ انسانی دماغ کبھی ایسے خیالات نہیں پکا سکتا جن کے لئے اس نے پہلے سے الفاظ کا ذخیرہ اور مناسب منطقی استدلال کا کارخانہ نہ قائم کر رکھا ہو۔ یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ جب مشرقی اور مغربی (رومی) دنیا کے فلسفیانہ مقاصد جدا ہو گئے، تو مغربی دنیا کے خیالات کے

(۳۰۴)

بانیوں کا ایسی جماعت سے تعلق تھا جو لاطینی زبان بولتی اور اسی میں سوچتی تھی۔ مگر مغربی صوبوں میں جس زبان میں فلسفیانہ مقاصد کے لئے کافی قابلیت باقی رہ گئی تھی وہ قانون روما کی زبان تھی، جس میں خوش قسمتی سے عہد اگسٹس کی صفائی تقریباً بحالت خود موجود تھی بر خلاف اس کے روز مرہ کی لاطینی زبان ایک ثقیل وحشیانہ زبان ہوگئی تھی پس اہل روما کے اصول قانون نے صحت زبان سے زیادہ تر تیزی، اور متانت اور صحت خیال کے ذرایع بہم پہنچائے۔ تقریباً تین سو سال تک فلسفہ اور علوم مغرب میں بے ماوا اور تلحبا رہے، اور اگرچہ سلطنت روما کی عام رعایا کے دماغی قوی علم ما بعد الطبیعیات اور مذہبیات ما بعد الطبیعی کی اُدھیڑ بن میں لگے ہوئے تھے۔ مگر جو اصطلاحات وہ اس جد وجہد میں استعمال کرتے تھے وہ کلیۃً یونانی تھے، اور ان کا میدانِ عمل مشرقی سلطنت کا نصف حصہ تھا بعض اوقات جو نتائج مشرقی مباحث سے پیدا ہوتے تھے وہ اسقدر اہم ہوتے تھے کہ ان کی نسبت ہر ایک شخص کا اتفاق یا اختلاف ضبط تحریر میں لانا ضرور ہوتا تھا، اور اس طور سے مشرقی مباحث کے نتائج سے مغرب کو آگاہی ہوتی تھی، جو بغیر کسی دلچسپی اور بغیر کسی اختلاف کے منظور کر لئے جاتے تھے۔ مگر مغربی صوبہ جات کی تعلیم یافتہ جماعتوں میں ایک ایسے مضمون کی چھان بن سے کبھی غفلت نہیں کی گئی، جو جفاکش سے جفاکش کے لئے کافی طور سے دشوار، اور ہوشیار سے ہوشیار کے لئے دقیق، اور مہذب سے مہذب کے لئے نازک اور لطیف تھا۔ افریقہ، ہسپانیہ، گال اور شمالی اٹلی کے تعلیم یافتہ باشندوں میں نظم، تاریخ، فلسفہ اور فنون سب کا قایم مقام اصول قانون اور صرف اصول قانون ہی تھا۔ مغربی خیالات کی قدیم کوششوں پر قانون کا ایسا صاف رنگ چڑھا ہوا تھا کہ اس پر کوئی اور گمان ہو ہی نہیں سکتا تھا، ایسی حالت میں

ان کا کوئی دوسرا رنگ اختیار کرنا سخت تعجب انگیز ہوتا۔ مجھے یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ مغربی اور مشرقی خیالات اور مذہبیات میں جو فرق ایک جدید عنصر کی موجودگی سے پیدا ہوگیا تھا اس کی طرف سے اس قدر کم توجہ کی گئی ہے۔ فی الحقیقت یہ اصول قانون کے قوت پکڑ جانے کا اثر تھا کہ قسطنطنیہ کی بنا کے بعد سے مشرقی اور مغربی سلطنتوں کی علیحدگی فلسفہ کی تاریخ میں جدید دور شمار ہونے لگے۔ اس میں شک نہیں کہ یورپ کے دوسرے ممالک کے عقلا میں اس تبدیلی کی اہمیت کا بہت کم احساس ہونا چاہئے، کیونکہ اہل روما کے قانونی تصورات ان کے روز مرہ کے خیالات میں شریک ہیں اور ان سے وہ پوری طرح آشنا ہیں۔ برخلاف اس کے انگلستان کے لوگوں نے اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے موجودہ علوم کے سرچشمہ اور روما کی تہذیب کے واحد ذہنی نتیجہ سے بالکل آنکھیں بند کرلی ہیں۔ لیکن اگر کوئی انگلستان کا رہنے والا تکلیف اٹھاکر اہل روما کے مستند قانون سے واقفیت حاصل کرے گا، تو اس وجہ سے کہ اس کے ہم وطنوں نے اس مضمون سے اب تک بہت کم دلچسپی لی ہے وہ میرے بیان کی صداقت کو بہ نسبت ایک فرانسیسی یا جرمن کے بہتر طریقہ سے جانچ سکے گا۔ جو شخص روما کے اصول قانون کی ماہیت اور اس پر اہل روما کے حقیقی عمل درآمد سے واقف ہوگا، اور جو مغربی مذہبیات اور فلسفہ کے ان خصوصیات پر غور کرے گا جو انھیں اس سے قبل کے خیالات سے ممیز کرتے ہیں، وہ بہ اطمینان اس جدید عنصر کو بتاسکے گا جو خیالات پر حاوی اور حکمراں ہوتا جاتا تھا۔ (۳۰۴)

قانون روما کا وہ جزو جو ہماری تحقیق کے دوسرے مضامین پر بہت زیادہ موثر ہے قانون وجوب، یا یوں کہو کہ قانون معاہدہ اور جرائم ہے۔ خود اہل روما اس امر سے ناواقف نہ تھے کہ ان کے نظام قانونی کے اس جزو کے کثیر اور گنجایشی اصطلاحات سے اور بہت سے

کام لئے جائیں گے اور اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ انھوں نے ایک مخصوص لفظ "مماثل یا نیم" (Quasi) کا معاہدات اور جرائم کیا تھ لگا دیا ہے۔ جب یہ لفظ اس طرح استعمال ہوتا ہے تو اس کی غرض (۳۰۵) محض درجہ بندی (Classification) ہوتی ہے۔ انگلستان کے محقق عام طور سے "مماثل معاہدہ" (Quasi Contract) کو معاہدات معنوی (Implied contracts) کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ یہ غلط ہے، کیونکہ معنوی معاہدات فی الحقیقت معاہدات ہوتے ہیں مگر "مماثل معاہدہ" پر معاہدہ کا مطلق اطلاق نہیں ہوسکتا۔ معنوی معاہدہ میں افعال اور حالات انھیں اجزا کے علامات ہیں جو صحیح معاہدہ میں الفاظ میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ جہاں تک عہد و پیمان کے اصول کا تعلق ہے ہر شخص مجاز ہے کہ خواہ وہ ایک قسم کے علامات اختیار کرے خواہ دوسرے قسم کے۔ مگر "مماثل معاہدہ" مطلق معاہدہ نہیں ہے۔ اس کی معمولی مثال وہ تعلق ہے جو دو ایسے اشخاص میں قائم ہوتا ہے جن میں سے ایک نے دوسرے کو کسی غلطی کی بنا پر کوئی رقم دے دی ہو۔ قانون، اخلاقی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر، اس شخص پر جس کو رقم پہنچی ہے یہ وجوب عائد کرتا ہے کہ وہ رقم واپس کردے۔ اس معاملہ کی نوعیت سے ظاہر ہے کہ اس پر معاہدہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس سے عقد یا وعدہ (Convention) جو معاہدہ کا جز اعظم ہے بالکل مفقود ہے۔ قانون روما کی جس اصطلاح کے آگے لفظ "مماثل" (Quasi) لگا دیا جاتا ہے اس کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس تصور کی وہ علامت ہے وہ اس تصور سے مشابہ اور متعلق ہے جس سے ظاہری اور سطحی تشابہ کی بنا پر اس کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ دونوں تصورات ایک ہیں، یا ایک ہی جنس سے ہیں۔ بلکہ اس سے دونوں تصورات کے ایک ہونے کا انکار ظاہر ہوتا ہے؛ البتہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اس قدر مشابہ ہیں کہ ایک دوسرے کا ضمن ہوسکتا

ہے، اور قانون کے ایک شعبہ کی اصطلاح دوسرے شعبہ میں منتقل ہوسکتی ہے، اور ایسے قواعد کے بیان کرنے میں جو بغیر سخت کھینچ تان کے کامل طور سے معرض بیان میں نہیں آسکتے تھے مستعمل ہوسکتی ہے۔

(۳۰۶) جس کسی نے یہ کہا ہے اُس نے نہایت دانشمندانہ بات کہی ہے کہ جو خلط مبحث معنوی معاہدات میں، جو فی الحقیقت معاہدات ہیں، اور مماثل معاہدہ میں جو مطلق معاہدات نہیں ہیں واقع ہوتا ہے، وہ اس مشہور غلطی سے بہت زیادہ مشابہ ہے جس کی بنا پر ملکی حقوق اور فرائض اس ابتدائی میثاق پر محمول کئے جاتے ہیں جو حاکم اور محکوم میں فرض کرلیا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ یہ اصول مستقل صورت اختیار کرے ان متقابل حقوق اور فرائض کے اظہار کے لئے جو لوگوں کے خیال میں بادشاہ اور اس کی رعایا کے درمیان قائم تھے، اہلِ روما کے قانون معاہدہ کی اصطلاحات سے کام لیا جاتا تھا، دنیا ایسے مقولوں سے بھری پڑی تھی جو بادشاہوں کو رعایا کی کامل اطاعت کا مستحق قرار دیتے تھے، اور جو انجیل سے ماخوذ سمجھے جاتے تھے، حالانکہ حقیقت میں وہ قیصروں کی خودسر حکومتوں کے باقی ماندہ آثار تھے۔ ایسی حالت میں رعایا کے متقابل حقوق کے احساس کے اظہار کے لئے کوئی ذریعہ نہ ہوتا اگر روما کا قانون وجوب ان کی ایسے الفاظ سے مدد نہ کرتا جو ایسے خیال کے اظہار کے لئے ضرور تھے جو ابھی تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا۔ مغربی تاریخ کے آغاز سے وہ اختلاف جو بادشاہوں کے حقوق اور بمقابلہ رعایا ان کے فرائض میں تھا وہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کبھی نظر انداز نہ ہونے پایا، مگر جب تک جاگیری نظام زور کے ساتھ قائم رہا ان کی طرف بجز چند صاحب فکر مصنفین کے بہت کم لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی۔ کیونکہ نظام جاگیری نے اپنے صریح اور علانیہ مراسم کے ذریعہ سے اکثر یورپ کے بادشاہوں کے اصولی اور حد سے بڑھے ہوئے ادعا کو قابو میں رکھا۔ اس سے

ہر شخص واقف ہے کہ جب نظام جاگیری کے ضعف سے قرون وسطیٰ کا نظم ونسق درہم برہم ہوگیا، اور اصلاح نے پوپ کے اقتدار کا قلع قمع کر دیا، اُس وقت بادشاہوں کے آسمانی حق (Divine right) کے اصول نے ایسی قوت حاصل کی جو اس سے قبل اسے کبھی حاصل نہوئی تھی۔ اس کے رواج نے قانون روما سے اور زیادہ اور متواتر اصطلاحات لینے پر مجبور کر دیا، اور جس بحث کا ابتدا میں مذہبی پیرایہ تھا اس پر روز بروز قانونی رنگ چڑھنے لگا۔ اس اثناء میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو خیالات کی تاریخ میں متواتر پیش آتا رہا ہے۔ یعنی جس وقت شاہی اقتدار کی بحث قالب بدل کر فلمر کے اصول کی معینہ شکل میں آگئی، اس وقت قانون معاہدہ کے ان اصطلاحات نے جواب تک رعایا کے حقوق کی حفاظت میں استعمال ہوتے تھے بادشاہ اور رعایا کے درمیان حقیقی اور ابتدائی میثاق کے اصول کی صورت اختیار کر لی۔ اس اصول نے پہلے انگریزوں اور بعدہ خصوصیت کے ساتھ فرانسیسیوں کے ہاتھ میں آکر ایسی وسعت پیدا کی کہ وہ تمام تمدنی اور قانونی امور کی کامل توضیح اور تشریح کا ذریعہ قرار پا گیا۔ اگرچہ سیاسی اور قانونی علوم میں جو حقیقی تعلق تھا وہ صرف اسی قدر تھا کہ قانون نے اپنے مخصوص لچکدار اصطلاحات سے سیاست کی مدد کی۔ اہل روما کا اصول قانون معاہدہ بادشاہ اور اس کی رعایا کے تعلقات میں، وہی خدمت بجالایا جو وہ معمولی طبقہ میں ان لوگوں کے تعلقات میں بجا لایا تھا جو "مماثل معاہدہ" کے فریق تھے۔ اس نے ایسے لفظوں اور جملوں کا ذخیرہ مہیا کر دیا تھا جو کافی صحت کے ساتھ ان خیالات کو ظاہر کر سکتے تھے جو سیاسی وجوب کے متعلق وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے جاتے تھے۔ ابتدائی میثاق کے اصول کو اس سے زیادہ وقعت نہیں دیجا سکتی جو ڈاکٹر وہیول نے اس کو دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ وہ صحیح نہ ہو مگر "اخلاقی صداقتوں کے اظہار کے لئے وہ ایک آسان ذریعہ ہو سکتا ہے۔" (۳۰۸)

ابتدائی میثاق کے اصول کے اختراع کے پہلے سے سیاسیات میں قانونی الفاظ کا استعمال، اور بعدہ اس مفروضہ کا قوی اثر ڈالنا پوری طور سے اس امر کی توضیح کرتا ہے کہ سیاسیات میں ایسے الفاظ اور تصورات اس کثرت سے کس طرح آگئے جو قطعی طور سے اہلِ روما کے اصول قانون کے پیدا کئے ہوئے تھے۔ فلسفۂ اخلاق میں ان کی کثرت کی دوسری وجہ ہوسکتی ہے، کیونکہ اخلاقی تصنیفات میں بہ نسبت سیاسیات کے قانون روما سے براہ راست بہت زیادہ مدد لی گئی ہے، اور ان تصنیفات کے مصنف خود اس احسان سے زیادہ تر واقف تھے۔ میرے اس بیان سے کہ فلسفۂ اخلاق غیرمعمولی طور سے اہلِ روما کے اصول قانون کا ممنون ہے، میرا مقصد اس فلسفۂ اخلاق سے ہے جو اس کی تاریخ میں کانٹ کی ڈالی ہوئی کھنڈت سے پہلے سمجھا جاتا تھا، یعنی ان قواعد کا علم جو انسانوں کے باہمی تعلقات میں برتے جاتے ہیں۔ ان کی صحیح تعبیر، اور یہ کہ ان کی حد کہاں تک وسیع ہے۔ فلسفۂ انتقادی (Critical Philosophy) کے عروج سے فن اخلاق کا قدیم مفہوم بالکل ضایع ہوگیا ہے، اور جہاں رومن کیتھولک کے مذہبی علما میں وہ ایک مسخ شدہ صورت میں باقی ہے وہ بھی عام طور سے علم موجودات (Ontology) کی تحقیق کا ایک شعبہ متصور ہوتا ہے۔ انگلستان کے معاصر مصنفین میں بجز ڈاکٹر وہیول کے مجھے کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو فلسفۂ اخلاق کا وہی مفہوم لیتا ہو جو اس فلسفہ کے علم مابعدالطبیعیات (Metaphysics) میں جذب ہوجانے، اور فلسفۂ مذکور قواعد کی بنیاد کو خود قواعد سے زیادہ تر اہم متصور ہونے سے قبل لیا جاتا تھا۔ بہرحال جب تک علم اخلاق کو عمل کے حسن انتظام سے تعلق تھا وہ کم و بیش قانون روما سے مملو تھا۔ زمانۂ حال کے دوسرے اہم خیالات کی طرح وہ بھی دینیات میں شریک تھا۔ اخلاقی دینیات کا اہم فن جو پہلے اسی نام

(۳۰۹)

سے موسوم تھا، اور اب بھی رومن کیتھولک کے علمار مذہب میں اسی نام سے موسوم ہے، یقیناً اسی طرح بنا تھا کہ اصول عمل کلیسائی نظام سے اخذ کیے گئے تھے، اور ان کے اظہار اور توسیع کے لیے اصول قانون کے اصطلاحات اور طریقے اختیار کر لئے گئے تھے، اور اس حقیقت سے خود اس کے مصنف بخوبی واقف تھے۔ اس عمل کے جاری رہنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اصول قانون جو کہ صرف انتقال خیالات کا ایک ذریعہ تھا خود ان خیالات کو اپنے رنگ میں رنگ دے۔ قانونی تصورات کے اتصال سے جو رنگ چڑھا وہ موجودہ دنیا کے قدیم اخلاقی ادب میں صاف طور سے جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور میرے خیال میں یہ امر بالکل بیّن ہے کہ قانون معاہدہ نے، جو کامل باہمی تبادلہ اور حقوق و فرائض کے ناقابل انفساخ تعلقات پر مبنی ہے، ان مصنفین کے رجحان کی بڑی حد تک اصلاح کر دی جو بحالت خود چھوڑ دیے جانے کی صورت میں اخلاقی وجوب کو ملک خدا (Civitas Dei) کے ہر باشندہ کا فرض عامہ سمجھنے لگتے۔ جب سے ہسپانیہ کے مشاہیر علمائے اخلاق نے اس فن کے متعلق لکھنا شروع کیا اس وقت سے اخلاقی دینیات میں قانون روما کا جزو بیّن طور سے گھٹنے لگا۔ ایک عالم کی دوسرے عالم پر فقیہانہ تقریظ نے اخلاقی دینیات کو ترقی دے کر اصطلاحات کا ایک مخصوص ذخیرہ مہیا کر دیا۔ اور ارسطو کے طریقہ استدلال کے خصوصیات اور اصطلاحات لیے، جن کا بڑا حصہ علمی درسگاہوں کے اخلاقی مباحث سے حاصل ہوا تھا، اس مخصوص پرواز خیال اور زبان کی جگہ لے لی جن کی نسبت کوئی ایسا شخص جو قانون روما سے واقف ہے دھوکا نہیں کھا سکتا (۳۱۰) اگر ہسپانیہ کے مذہبی اخلاقی مصنفوں کا وقار قائم رہتا تو اخلاقیات میں جو قانونی جزو تھا وہ تقریباً زائل اور ناقابل لحاظ ہو جاتا۔ مگر ان کے نتائج مستخرجہ جس طرح بعد کے آنے والے رومن کیتھولک

مصنف کام میں لائے اس سے ان کا تقریباً تمام اثر جاتا رہا۔ اور اخلاقی دینیات (Moral Theology) اپنے پایہ سے گر کر مذہبی فقہ (Casuistry) کی صورت میں آگئی۔ اور جو لوگ یورپ کے خیالات کے ہادی تھے انھیں اس کے ساتھ کوئی دلچسپی باقی نہ رہی اور فلسفۂ اخلاق (Moral Philosophy) کا جدید فن جو کلیتہً پروٹسٹنٹ کے ہاتھ میں تھا اس راستہ سے بالکل علحدہ ہو گیا جس پر اخلاقی مذہبی لوگ (moral theologians) چل رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقی مسائل کی تحقیق میں پھر قانون روما کا اثر بہت بڑھ گیا۔

زمانۂ اصلاح[1] کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے مضامین کو خیال کے دو بڑے گروہوں (School) نے باہم تقسیم کر لیا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں پہلے سب سے زیادہ قوی وہ گروہ تھا جو فقہاء مذہبی (Causuists) کے نام سے موسوم تھا۔ ان سب کا روحانی تعلق کلیسائے روما سے تھا، اور ان میں سے تقریباً ہر شخص کسی نہ کسی مذہبی جماعت کا رکن تھا۔ دوسری طرف ایسے مصنفین کا گروہ تھا جن کی ہم خیالی کی یہ وجہ تھی کہ وہ سب کتاب "De Jure Belli et Pacis" کے بڑے مصنف ہیوگو گروٹیس (Hugo Grotius) کے خیالات کے متبع اور تقریباً سب اصلاح کے طرف دار تھے۔ اور اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صریح اور علانیہ (۳۱۱) طریقہ سے مذہبی فقہا کے مخالف تھے، مگر اس میں شک نہیں کہ ان کے نظام کی بنیاد اور اس کے مقاصد مذہبی فقہ سے بالکل مختلف تھے۔ اس اختلاف کی طرف توجہ کرنا ضرور ہے، کیونکہ اس کا تعلق قانون روما کے اس اثر سے ہے جو خیال کے اس شعبہ پر پڑتا ہے جس کیسا تھ

[1] یہ فقرہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ مضمون سے اخذ کیا گیا ہے جو مصنف نے ۱۸۵۶ء کے خطبات کیمبرج کے لئے تیار کیا تھا۔

یہ دونوں نظام وابستہ ہیں۔ اگرچہ گروٹیس کی کتاب کا ہر صفحہ خالص اخلاقی مسائل سے مملو ہے، اور اگرچہ وہ باقاعدہ اخلاق کی بیشمار کتابوں کا قریب یا بعید طریقہ سے ماخذ ہے، مگر وہ جیسا کہ معروف ومشہور ہے اخلاقی فلسفہ کی مسلمہ کتاب نہیں ہے، بلکہ قانونِ فطرت یا فطری قانون کے دریافت کی ایک کوشش ہے۔ ہم بغیر اس بحث میں پڑے ہوئے کہ آیا قانون فطرت کا تصور محض اہلِ روما کے مقننین کا پیدا کیا ہوا ہے یا نہیں۔ خود گروٹیس کے اقرار کے مطابق یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہلِ روما کے اصول قانون کا یہ فیصلہ کہ قانون موکدہ کے کون سے اجزا قانونِ فطرت کے اجزا قرار دئے جا سکتے ہیں، اگرچہ قطعی اور بے خطا نہ ہو، تاہم بے حد وقعت کی نظر سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گروٹیس کا نظام بنیادی طور سے قانون روما سے پیوستہ ہے، اس تعلق اور اس کے علاوہ مصنف کے قانونی تعلیم یافتہ ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر فقرے میں اصطلاحی الفاظ آزادی سے استعمال کئے گئے ہیں، اور استدلال تعریف اور تمثیل کا طریقہ ایسا ہے کہ اس سے بعض اوقات دلیل کا مفہوم، اور عام طور سے اس کا زور اور تعلق ایسے شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہوگیا ہے جو اس سے واقف نہیں کہ ان کا ماخذ کیا ہے۔ برخلاف اس کے مذہبی فقہائے قانون روما کا اثر کم لیا، اور جو اخلاقی امور زیر بحث تھے انھیں گروٹیس کے کام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ صحیح اور غلط کا تمام فلسفہ، جس کی شہرت یا تشہیر مذہبی فقہ کے نام سے ہوئی کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کے امتیاز پر مبنی ہے۔ ایک فعل کو گناہ کبیرہ قرار دینے کے خوفناک نتائج سے بچنے کی فطری خواہش، اور رومن کیتھولک کلیسا کو پروٹسٹنٹ کے مقابلہ میں ایک نامناسب اصول سے سبکدوش کرنے کی تمنا نے مذہبی فقہ کے بانیوں کو ایک پیچیدہ نظام معیار ایجاد کرنے پر مجبور کیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ خلاف اخلاق

افعال جہاں تک ممکن ہوں گناہِ کبیرہ کے دائرہ سے خارج کرکے گناہِ صغیرہ میں شامل کردیئے جائیں۔ اس تجربہ کا جو کچھ نتیجہ ہوا اس سے ہر معمولی تاریخ داں واقف ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ مذہبی فقہ کے ان امتیازات نے پیشوایانِ مذہب کو ہر قسم کے انسانی افعال پر روحانی اختیار دے کر فقہ مذکور کا حکمرانوں، مدبروں، اور قائدانِ فوج پر ایسا اثر ڈالا جو عہد اصلاح کے قبل کبھی سننے میں نہ آیا تھا، اور اس رد عمل میں بڑے درجہ تک معین ہوا جس نے پروٹسٹنٹ مذہب کی ابتدائی کامیابی کو محدود اور مسدود کردیا۔ اس فقہ کا مقصد تعمیری نہ تھا بلکہ حفاظتی تھا، یعنی وہ چاہتی تھی کہ خود کوئی اصول نہ قرار دے بلکہ اصول موضوعہ کو بچایا جائے، صحیح اور غلط کی نوعیت کا تعین نہ کرے بلکہ یہ بتائے کہ فلاں نوعیت کا فعل غلط نہیں ہے، غرض کہ مذہبی فقہ ان نازک خیالیوں کی ابتدا کرکے ایک مدت تک چلتی رہی یہاں تک کہ اس نے افعال کے اخلاقی خط و خال کو ایسا مدھم، اور انسان کے اخلاقی احساس کو ایسا بے کار کردیا کہ بالآخر انسانی ضمیر دفعتاً اس سے متنفر ہوکر بغاوت پر آمادہ ہوگیا، اور اس نظام اور اس کے ماہرین (۳۱۴) سے یک لخت دست کشی اختیار کی۔اس نظام کے سر پر جو تباہی ایک عرصہ سے منڈلارہی تھی وہ پاسکل کے "پروونشل لٹرس" (ProvincialLetters) کے ذریعہ سے نازل ہوگئی، اور ان یادگار مضامین کے شایع ہوجانے کے بعد سے کسی چھوٹے سے چھوٹے عالم فن اخلاق نے بھی علانیہ طور سے ان فقہا کے پرداز خیال کی پیروی نہیں کی، اور اس طور سے فن اخلاق کا تمام میدان ان مصنفین کے ہاتھ آگیا جو گروشیس کے متبع تھے، جس کی وجہ سے اب تک اس میں غیر معمولی طور سے قانون روما کے اختلاط کے آثار پائے جاتے ہیں جو بعض اوقات گروشیس کے اصول کی بے حد عمدگی، اور بعض اوقات اس کے نقص پر محمول کیئے جاتے ہیں۔ گروشیس کے زمانہ کے بعد سے بہت سے محقق ایسے

پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اس کے اصول کو بدل دیا ہے، اور اعتقادی فلسفہ کے اختراع کے بعد بہت سے تحقیقات میں اُس کے اصول بالکل متروک کر دیئے گئے ہیں؛ مگر جو لوگ اس کے مفروضات سے بالکل علیحدہ ہو گئے ہیں انھوں نے بھی اس کے طرزِ بیان، سلسلۂ خیال، اور طریقۂ تمثیل کو نہیں چھوڑا ہے، اور یہ اُن لوگوں کے خیال میں جو روما کے اصول قانون سے واقف نہیں ہیں بالکل ناچیز اور غیر اہم امور ہیں ''۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ بجز علوم طبیعیات کے کوئی علم ایسا نہیں ہے جس پہ قانون روما کا اثر علم مابعد الطبیعیات سے کم پڑا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ علم مابعد الطبیعیات کے مضامین پر جو بحثیں ہوئیں وہ ابتدا میں ہمیشہ خالص یونانی زبان میں ہوئیں، اور بعدہ ایک قسم کی لاطینی زبان میں جو یونانی تصورات کے اظہار کے لئے اختراع ہوئی تھی۔ زمانۂ حال کی زبانوں نے علم مابعد الطبیعیات کی تحقیق میں کارآمد ہونے کے لئے اسی لاطینی محاورہ کو اختیار کر لیا، یا یوں کہو کہ جو عمل (۳۱۴) اُس کے اختراع کے وقت اختیار کیا گیا تھا اس کا اتباع کیا جانے لگا۔ زمانۂ حال میں علم مابعد الطبیعیات کی بحثوں میں جو اصطلاحات استعمال کئے جاتے ہیں ان کا ماخذ ارسطاطالیس کی تصانیف کا لاطینی ترجمہ ہے، اس میں جو کچھ مترجمین نے کیا، خواہ یہ اتباع عربی ترجموں کے ہو یا نہو، وہ یہ ہے کہ انھوں نے لاطینی ادب سے مترادف الفاظ کی تلاش نہیں کی، بلکہ لاطینی مادوں سے جدید ایسے لفظ وضع کر لئے جو یونانی فلسفی خیالات کے اظہار پہ حاوی تھے۔ اس عمل میں قانون روما کے اصطلاحات کے اثر کی بہت کم گنجایش تھی زیادہ سے زیادہ جو کچھ ہوا وہ اسی قدر تھا کہ چند لاطینی قانونی اصطلاحیں بگڑی ہوئی شکل میں علم مابعد الطبیعیات کی زبان میں منتقل ہو گئیں مگر ساتھ ہی اس کے یہ امر قابل لحاظ ہے کہ علم مابعد الطبیعیات

کے جو مسائل مغربی یورپ میں زیادہ تر معرض بحث میں رہے ہیں اگر ان کی زبان نہیں تو ان کا خیال پتہ دے رہا ہے کہ ان کی اصل قانونی ہے ۔ تخیل کی تاریخ میں بہت کم واقعات اس واقعہ سے زیادہ تر قابلِ لحاظ ہیں کہ کسی یونانی بولنے والی قوم نے کبھی جبر و اختیار (Freewill and Necessity) کے اہم مسئلہ پر زبان کھولنا ضروری نہیں سمجھا ہے ۔ میں اس کی کوئی سرسری وجہ بیان کرنے کا ادعا نہیں کرسکتا مگر اس قدر اشارہ کردینا غیر متعلق نہیں معلوم ہوتا کہ نہ یونانی، اور نہ کوئی ایسی قوم جو اپنی زبان بولتی اور اسی میں تخیل کرتی ہو فلسفۂ قانون پیدا کرنے میں کامیاب ہوسکی ہے ۔ فن قانون محض رومیوں کا پیدا کیا ہوا ہے اور اختیار کا مسئلہ اسیوقت پیدا ہوتا ہے جب کہ علم مابعدالطبیعیات کے ایک تصور پر قانونی پیرایہ میں نظر ڈالی جاتی ہے ۔ پس یہ سوال کس طرح پیدا ہوا کہ آیا غیر متغیر نتیجہ بجنسہٖ اتصال لازمی ہے یا نہیں ؟ ۔ اس کے متعلق میں صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ قانون روما کا رجحان، جو اس کی ترقی کے ساتھ بڑھتا گیا، اس طرف تھا کہ وہ قانونی نتائج کو قانونی علل کے ساتھ ایک غیر متغیر لزوم کی بنا پر وابستہ تصور کرے ۔ اس رجحان کا پتہ صاف طور سے وجوب کی اس تعریف سے چلتا ہے جس کا میں بارہا اعادہ کرچکا ہوں ۔ (۳۱۵)

وجوب "دو یا زیادہ اشخاص میں وہ قانونی تعلق ہے جو ان میں سے چند یا کسی ایک شخص کو دوسرے کے فائدے کے لئے کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا پابند کرتا ہے "۔

لیکن اختیار (Freewill) کا مسئلہ فلسفہ کا مسئلہ قرار پانے سے پہلے دینیات کا مسئلہ تھا، اگر اس کی اصطلاحات پر اصول قانون کا اثر پڑا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اصول قانون خود دینیات کو متاثر کرچکا تھا جو اہم امر تحقیق طلب یہاں پیدا ہوتا ہے وہ قابلِ اطمینان طریقہ سے

کبھی صاف نہیں کیا گیا ہے۔ امر قابل تصفیہ یہ ہے کہ آیا اصول دینیات پر کبھی اصول قانون کے پیرایہ میں نظر ڈالی گئی ہے، اور آیا اس نے مخصوص زبان، مخصوص طرز استدلال، اور زندگی کے اکثر مسائل کے حل کا مخصوص طریقہ، بتاکر ذہنی تخیل کے لئے ایسے جدید شوارع کھول دئے ہیں جن پر عمل کر وہ وسعت پیدا کرسکے۔ اس کے جواب کے لئے اس دماغی غذا کو پیش نظر رکھنا چاہیئے جو بہترین مصنفین کی متفقہ رائے کے مطابق سب سے پہلے دینیات کی جزبدن ہوی ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کلیسا کی ابتدائی زبان یونانی تھی، اور جن مسائل کو اس نے سب سے پہلے اٹھایا وہ وہی مسائل تھے جن کے لئے یونان کے فلسفۂ مابعد نے راستہ کھول دیا تھا۔ علم مابعدالطبیعیات کے یونانی ادبیات ہی ان الفاظ اور خیالات کے مخزن تھے جن کے ذریعہ سے عقل انسانی خدا کے وجود، خدا کی ذات اور خدا کی فطرت کے اہم مسائل میں بحث کرسکتی تھی۔ یہ کام لاطینی زبان، اور مختصر لاطینی فلسفہ سے بالکل نہیں نکل سکتا تھا۔ اس لئے مغربی یا یوں کہو کہ سلطنت کے ان صوبوں نے جہاں لاطینی زبان بولی جاتی تھی مشرق کے مستنبطہ نتائج کو بغیر کسی بحث یا انتقاد کے تسلیم کرلیا۔ ڈین ملمین کا قول ہے کہ "لاطینی کلیسا نے ایسے اعتقادات اختیار کر لئے جن کے کامل اظہار سے اس کا تنگ اور تنک مایۂ لغت قاصر تھا، مگر روما اور مغرب کا اتحاد ہمیشہ اسی حد تک رہا کہ وہ اس نظام اعتقادات کو جسے مشرقی مجتہدین کے سنجیدہ تر دینیات نے قائم کیا تھا خاموشی کے ساتھ تسلیم کرتا رہے، بجائے اس کے کہ بطور خود ان اسرار کے متعلق کوئی مجتہدانہ تحقیقات عمل میں لائے۔ لاطینی کلیسا اتھناسیس (اسکندریہ کا اسقف اعظم) کا وفادار شریک و شاگرد تھا۔" لیکن جب مشرق اور مغرب میں زیادہ تر جدائی ہوگئی، اور سلطنت کے لاطینی بولنے والے مغربی حصے نے خود اپنی

(۳۱۶)

علمی زندگی شروع کی، اس وقت چند ایسے مسائل کے جوش نے جن
سے مشرقی دماغ بالکل ناآشنا تھے مشرق کی وہ وقعت باقی نہ رہنے
دی جو پہلے تھی جبکہ یونانی دینیات میں (ملمین "لاطینی کلیسا" دیباچہ ۵)
اور زیادہ باریکی کے ساتھ خدا کی ذات اور مسیح کی نوعیت کے
متعلق بحثیں ہو رہی تھیں، اور یہ غیر متناہی بحثیں طول پکڑ کر اس ضعیف
جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتی تھیں، مغربی کلیسا نے نہایت جوش
و خروش سے مباحث کا ایک جدید سلسلہ چھیڑ دیا جو لاطینی کلیسا والوں
کے لئے خواہ وہ کسی قوم کے ہوں، آج تک موجب دلچسپی ہے۔ گناہ
کی نوعیت اور اس کی توریث، یعنی وہ دَین جو انسان کے ذمہ ہے
اور اس کی نائبانہ ادائی، فدیہ کی ضرورت اور اس کا کافی ہونا اور (۷،۲۱)
سب سے بڑھکر اختیار اور تقدیر الٰہی کا ظاہری اختلاف، یہ وہ مسائل
تھے جن کو اہل مغرب نے اپنے جوش و خروش کے ساتھ اٹھایا جس
جوش و خروش کے ساتھ اہل مشرق نے اپنے عقائد کے مخصوص مباحث
کو اٹھایا تھا۔ اب امر غور طلب یہ ہے کہ یونانی بولنے والے اور لاطینی بولنے والے صوبوں
کے دینیات کے مسائل میں ایسے بین اختلاف کی وجہ کیا ہے؟
کلیسا کے مورخین یہ کہہ کر تقریباً اس کے حل تک پہنچ گئے ہیں کہ
جدید مسائل ان ذہنی مسائل سے جنھوں نے مشرقی عیسویت کو متفرق
کر دیا تھا زیادہ تر "عملی" تھے، مگر جہاں تک میرا علم ہے مورخین
میں سے کوئی شخص اسے پوری طرح حل نہیں کر سکا ہے۔ ہاں میں بلا
تامل یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں دینی نظاموں کا فرق یہ ہے کہ
یہ مذہبی تخیلات مشرق سے مغرب کی طرف منتقل ہونے میں یونانی
مابعد الطبیعیات کی آب و ہوا سے گزر کر قانون روما کی آب و ہوا
میں داخل ہو گئے تھے۔ قبل اس کے کہ یہ مباحث غیر معمولی اہمیت
حاصل کریں، صدیوں تک مغربی رومیوں کی تمام تر توجہ صرف اصول
قانون کی طرف مبذول رہی تھی۔ اور وہ حالات زندگی کی ہر ممکن الوقوع

صورت کے لئے اصول کے ایک مخصوص مجموعہ کو کام میں لانے کی کوشش
میں معروف تھے۔ کوئی دوسرا شغل یا مذاق ایسا نہ تھا جو ان کی توجہ اس
کام سے پھیر سکے، اس کی انجام دہی کے لئے ان کے پاس صحیح اور
وسیع لغات کا مجموعہ، درست طریقہ استدلال، ہر طرز عمل کے متعلق
متعارف اقوال کا ذخیرہ جس کی ایک حد تک تجربہ سے توثیق بھی ہو چکی
تھی، اور ایک مستقل اخلاقی فلسفہ، موجود تھا۔ ایسی حالت میں یہ (۳۱۸)
ناممکن تھا کہ وہ عیسوی مذہب کی کتابوں سے انھیں مسائل کو نہ منتخب
کریں جو ان کے مروجہ تخیلات سے مشابہ تھے، اور ان کے طریقہ بحث
میں ان کے عدالتی رنگ کی جھلک نہ آجائے۔ تقریباً ہر شخص جسے قانون
روما سے اس قدر واقفیت ہے کہ وہ ان کے نظام فوجداری، اور
ان کے اصول وجوب، خواہ وہ معاہدہ سے پیدا ہوئے ہوں یا کسی
فعل قابل ہرجہ سے۔ اور قرضہ اور اس کی عائد، زائل، اور منتقل
ہونے اور فطری توریث میں شخصی وجود کے تسلسل کے خیالات سمجھ
سکتا ہے، وہ یہ بتا سکتا ہے کہ وہ رجحان خاطر جس نے مغرب کے
مذہبی مسائل کو اس قدر مقبول کردیا کس طرح پیدا ہوا، اور وہ زبان
کہاں سے آئی جس میں یہ مسائل بیان کیے گئے، اور وہ طریقہ
استدلال جس سے ان کے حل میں کام لیا گیا کہاں سے اخذ کیا گیا
یہ امر بھولنا نہ چاہیئے کہ جو قانون روما مغربی دماغوں میں جاگزیں ہوگیا
تھا وہ نہ قدیم شہر کا متروک نظام، اور نہ بیزنطی شہنشاہوں کا کاٹا
اور چھانٹا ہوا اصول قانون تھا، اس کی نسبت یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ
وہ قواعد کا ایسا مجموعہ تھا جو زمانۂ حال کے خود رو اصول تخیل کے
نیچے دبا ہوا پڑا تھا، جو آج کل سول قانون کے نام سے موسوم کیا
جاتا ہے۔ جس کا ذکر میں کر رہا ہوں وہ اصول قانون کا ایسا فلسفہ
ہے، جس کو عہد انٹنی کے بڑے بڑے مقننین نے سوچ کر نکالا تھا
اور جو اس وقت بھی ایک حد تک جسٹینین کے ڈائجسٹ (Pandects) سے

ماخوذ ہوسکتا ہے۔ یہ ایسا نظام ہے جس میں نقائص بہت کم پائے جاتے ہیں، شاید اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس میں نزاکت، یقین اور صحت کا اس قدر لحاظ کیا گیا ہے کہ کوئی انسانی قانون انسانی معاشرت کو ان حدود میں محدود کر دینے کی اجازت نہیں دیسکتا۔ (۳۱۹)

یہ قانون روما کی اس ناواقفیت کا نتیجہ ہے جس کا نہ صرف اعتراف انگلستان کے رہنے والے کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس پر فخر کرنے سے بھی نہیں شرماتے، کہ انگلستان کے اکثر مستند اور مشہور مصنفین نے اس ناواقفیت کی بنا پر سلطنت روما کے عہد میں انسانی عقل کے متعلق بے حد بعید العقل اور ناقابل قبول رائیں قائم کی ہیں۔ یہ بات بھی اس قدر وثوق کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ گویا اس کے بیان کرنے میں کسی غیر معمولی جرأت سے کام نہیں لیا جاتا کہ اگسٹس کے عہد کے بعد سے اُس وقت تک کہ مذہب عیسوی کے مسائل سے ایک عام دلچسپی پیدا ہوئی، مہذب دنیا کے تمام ذہنی قویٰ بے حس وحرکت پڑے تھے۔ ذہنی مضامین میں، بہ استثنائے طبعی علوم کے، غالباً دو ہی مضمون ایسے ہیں جو انسان کی تمام قوتوں اور قابلیتوں کو کام میں معروف رکھ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک علم مابعد الطبیعیات کی تحقیق ہے، جس کی اس وقت تک کوئی انتہا نہیں ہوسکتی تب تک کہ دماغ خود اپنے متعلق سوچنے میں بہ اطمینان لگا رہتا ہے۔ دوسرا مضمون قانون ہے، جو اتنا وسیع ہے جتنے انسانی معاملات ہیں۔ جس زمانہ سے اس وقت بحث ہے اس میں اتفاق سے یونانی بولنے والے ممالک ایک مضمون اور لاطینی بولنے والے ممالک دوسرے مضمون کی طرف متوجہ تھے۔ اسکندریہ اور مشرق کے تخیلات کے نتائج سے قطع نظر کرکے میں بھروسہ کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ روما اور مغرب دونوں جس کام میں معروف تھے وہ ایسا کام تھا کہ اس کے بعد ان کو دوسرے دماغی کام کرنے کی

ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ اور جہاں تک ہمیں علم ہے جو متواتر اور یکسو محنت اس پر کی گئی تھی اس کا نتیجہ اُسی کے مطابق نکلا۔ ایک پیشہ ور (۳۲۰) محقق کے سوائے شائد کوئی اور شخص پوری طرح یہ نہ سمجھ سکے کہ قانون ایک شخص کے ذہنی قویٰ کو کس حد تک اپنی طرف متوجہ رکھ سکتا ہے، مگر ایک معمولی شخص کو بھی یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ اہلِ روما کی مجموعی ذہنی قوت غیر معمولی طور سے اصول قانون پر مبذول رہی۔ "اصول قانون میں ایک مخصوص جماعت کی ترقی[1] بالآخر انھیں حالات پر منحصر ہوتی ہے جس پر ان کی دوسری تحقیقات کی ترقی کا انحصار ہوتا ہے، جس کے خاص اجزا یہ ہیں کہ قوم کے کتنے عقلا اس میں مصروف رہے اور کتنے زمانہ تک جو اسباب بواسطہ یا بلا واسطہ ایک فن کی ترقی اور تکمیل کے لئے ضرور ہوتے ہیں وہ سب مل ملاکر، بارہ الواح کے زمانہ سے لے کر دونوں سلطنتوں کی علیحدگی تک، بلا وقفہ اور بلا انفصال، روز افزوں قوت اور تعداد کے ساتھ، اہلِ روما کے اصولِ قانون کی ترقی اور تکمیل کرتے رہے ہیں۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جدید قوموں کی ذہنی جد وجہد سب سے پہلے اپنے قوانین ہی پر مبذول ہوئی ہے، اور جب ان کا دماغ کلیات کے قائم کرنے کی دانستہ کوشش کرنے لگتا ہے، تو سب سے پہلے روز مرہ زندگی کے واقعات، عام قواعد اور حاوی ضوابط کے دائرے میں داخل ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ ایسے شغل کی ہر دلعزیزی کی جس پر ایک جدید قائم شدہ جمہوری حکومت کی تمام جد و جہد مصروف ہوتی ہے ابتدا میں کوئی حد نہیں رہتی، لیکن رفتہ رفتہ اس میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ اور جو توجہ تنہا قانون کی طرف ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہتی۔ اہلِ روما

[1] خطبات کیمبرج بابتہ ۱۸۵۶ء۔

کے بڑے بڑے متقنین کے دروازوں پر صبح کے وقت جو مجمع رہتا تھا وہ گھٹتا جاتا ہے۔ اور انگلستان کی قانونی تعلیم گاہوں میں بجائے ہزاروں کے صرف سیکڑوں طلبا نظر آتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دوسرے علوم و فنون ادبیات اور سیاسیات، قوم کے دماغی جد و جہد کے ایک حصہ کے دعویدار ہوجاتے ہیں، اور اصول قانون کا عمل ایک پیشہ ور جماعت کے دائرہ میں آجاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دائرہ محدود یا مختصر نہیں ہوتا اور اس میں داخل ہونے کی ترغیب معاوضہ اور خود اس فن کی ذاتی دل آویزی سے ہوتی ہے۔ ان تبدیلیوں کا تسلسل انگلستان سے زیادہ روما میں ظاہر ہوا۔ جمہوری حکومت کے ختم تک فوج کی سرکردگی کی مخصوص لیاقت کے سوائے اظہار قابلیت کا واحد میدان قانون تھا۔ مگر اگسٹس کے عہد میں ہماری تاریخ کے عہد ایلزبتھ کی طرح دماغی ترقیوں کا ایک جدید دور شروع ہوا۔ ایلزبتھ کے عہد میں نظم و نثر نے جو ترقی کی اس سے ہم سب واقف ہیں، مگر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اسیوقت بعض آثار ایسے موجود تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ زمانہ جو زیبا ئشی ادبیات کو نشو و نما دے رہا تھا اس پر آمادہ ہے کہ طبیعی علوم کے میدان میں جدید فتوحات کے راستے کھول دے۔ یہیں سے حکومت روما کی ذہنی تاریخ کا راستہ اس راستہ سے جدا ہوجاتا ہے جس پر اس وقت ذہنی ترقی چل رہی ہے۔ روما کے حقیقی ادبیات کا مختصر عہد مختلف اثرات سے دفعتاً ختم ہوگیا، جس کے وجوہ اگرچہ ایک حد تک بیان کئے جاسکتے ہیں، مگر اس موقع پر ان کی تفصیل کی گنجایش نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ قدیم قوائے دماغی مجبور ہوکر پھر انھیں قدیم راستوں پر پڑ لئے، اور قانون پھر ایسے زمانہ کی طرح قابلیت کا میدان قرار پایا جیسا کہ اس زمانہ میں تھا جبکہ اہل روما فلسفہ کو نظر حقارت سے دیکھتے، اور نظم کو نادان اقوام کا کھیل سمجھتے تھے۔ شاہی زمانہ میں ان بیرونی ترغیبات کی نوعیت، جو ایک فطری قابل شخص کو متقن ہوجانے کی طرف کھینچتی تھی

(۳۷۱)

(۳۲۲) بخوبی ذہن میں آجاتی ہے، جب اس پر غور کیا جاتا ہے کہ پیشہ کے انتخاب میں اس کے لئے کتنے راستے کھلے ہوئے تھے۔ ممکن تھا کہ وہ علم بدیع کا معلم، یا کسی سرحدی فوج کا سرکردہ، یا پیشہ ور مدح گو ہوجائے ان کے سوائے کارآمد زندگی کا اگر کوئی اور راستہ اس کے لئے کھلا ہوا تھا تو وہ یہی تھا کہ وہ قانون کو بطور پیشہ کے اختیار کرے۔ یہی ایک ایسا راستہ تھا جس سے وہ دولت، شہرت، خدمت، شاہی اعتبار، اور ممکن تھا کہ خود بادشاہی حاصل کرسکے"۔

قانونی تعلیم کی قدروقیمت اس قدر بڑھ گئی کہ سلطنت کے ہر حصہ میں قانونی مدارس قائم ہوگئے، یہاں تک کہ ملک کا وہ حصہ بھی جو علم مابعدالطبیعیات کے زیر اثر تھا اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ بازنطیم میں دارالسلطنت کے منتقل ہوجانے سے مشرق میں قانونی تعلیم نے قابل احساس ترقی کی، مگر ان علوم وفنون کی تعلیم کو روک نہ سکی جو وہاں اس کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اس کی زبان لاطینی تھی جو سلطنت کے نصف مشرقی حصہ کے لئے غیر مانوس تھی۔ مغربی حصہ ہی ایسا ہے جس کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قانون نہ صرف حوصلہ مند اور ذی ہمت لوگوں، بلکہ تمام ذہنی جد و جہد کا روح رواں تھا۔ خود روما کی تعلیم یافتہ جماعت میں یونانی فلسفہ صرف ایک عارضی مذاق رہا، اور جب جدید مشرقی دارالسلطنت کے قیام سے سلطنت دو اجزا میں منقسم ہوگئی تو یونانی تخیلات سے مغربی ممالک کی علٰحدگی، اور اس کی ہمہ تن قانونی مصروفیت قطعی ہوگئی۔ یونانیوں کے اتباع کو ترک کردینے کے بعد جب انھوں نے اپنی دینیات پر غور کرنا (۳۲۳) شروع کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ عدالتی خیالات اور عدالتی اصطلاحات سے مملو ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ مغربی دینیات میں قانون کی جڑیں بہت گہری گئی ہوی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد چند یونانی اصول، یعنی ارسطاطالیس کا فلسفہ مغرب میں داخل ہوا، جس نے

اس کے ملکی عقائد کو بالکل دبا دیا، لیکن جب اصلاح کے زمانہ میں وہ ایک حد تک اس اثر سے آزاد ہوگیا، تو فوراً قانون اس کا جانشین ہوگیا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ کالون یا ارمنیں کے مذاہب میں سے قانونی رنگ کس مذہب میں زیادہ تر پایا جاتا ہے۔

اہل روما کے مخصوص اصول معاہدہ کا جو قوی اثر زمانۂ حال کے قوانین مطابقہ کے شعبوں پر پڑا اس کی تفصیل کا تعلق کامل اصول قانون کی تاریخ سے ہے، جس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں نکل سکتی۔ اس اثر کا احساس اس وقت ہوا جبکہ مکتب بلوگنا (School of Bologna) نے موجودہ یورپ کے فن قانون کی بنیاد قائم کی۔ اہل روما کا اپنی سلطنت کے زوال کے قبل معاہدہ کے تصور کو درجۂ کمال پر پہنچا دینا ایسا واقعہ ہے جو اس زمانہ سے بہت پہلے مسلم اور اہم قرار پاچکا ہے میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ نظام جاگیری (Feudalism) متروک وحشیانہ مراسم اور قانون روما کا ایک مرکب تھا، اس کے سوائے نہ اس کی کوئی اور تشریح ہوسکتی، اور نہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ جاگیری عہد کے ابتدائی تمدن کی شکل اس شکل سے زیادہ مختلف نہیں تھی جس میں ابتدائی تمدن کے انسان ہر جگہ معمولی طور سے مل جل کر رہتے نظر آتے ہیں۔ جاگیر بلحاظ ترکیب کے ایسے شرکا کی ایک کامل برادری تھی جن کے مالکانہ اور ذاتی حقوق اس طرح مخلوط تھے کہ ان کا ایک دوسرے سے جدا کرنا مشکل تھا۔ اس میں اور ہندوستان کی دیہی برادری اور اسکاٹ لینڈ کے قبائل میں بہت سی باتیں ملتی جلتی پائی جاتی ہیں۔ پھر بھی اس میں بعض باتیں ایسی تھیں جو ان جماعتوں میں مطلق نہیں پائی جاتیں جو پہلے پہلے تمدن کے میدان میں قدم رکھتی ہیں۔ حقیقی قدیم جماعتوں کا باہم مل کر رہنا کسی قسم کے صریح قواعد پر نہیں، بلکہ ایک خیال یا یوں کہو کہ عقل حیوانی پر مبنی تھا، اور اس برادری میں جدید طور سے آکر شریک ہوجانے والے

(۳۲۴)

اس عقل حیوانی کے دائرہ میں اس بنا پر داخل کر لئے جاتے تھے کہ وہ اس جماعت کے ساتھ حقیقی رشتہ کا ادعا کرتے تھے، اور حقیقی رشتہ ہی فطری طور سے عقل مذکور کے عالم وجود میں آنے کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن عہد جاگیری کی ابتدائی جماعتوں کا باہمی تعلق صرف بر بنائے عقل حیوانی نہ تھا، اور نہ اس میں کسی مفروضہ کی بنا پر اضافہ ہوتا تھا۔ جو تعلق انھیں باہم ملائے ہوئے تھا وہ بر بنائے معاہدہ تھا، اور وہ معاہدہ ہی کے ذریعہ سے جدید شرکا کو حاصل کر سکتے تھے۔ جاگیردار اور اس کی رعایا کا ابتدائی تعلق صریح معاہدہ سے قائم ہوتا تھا۔ اور جو شخص اس برادری میں سفارش سے یا رعایا بن کر داخل ہوتا تھا اسے اپنے داخلہ کی شرائط پر صریح رضامندی کا اظہار کرنا ہوتا تھا۔ پس جو چیز جاگیری ادارات (Feudal institutions) کو قدیم اقوام کے خالص عملدر آمد سے ممیز کرتی ہے وہ معاہدہ ہے۔ جاگیردار میں پدرسری خاندان کے سردار کی بہت سی خصوصیتیں پائی جاتی تھیں، لیکن اس کے اختیارات ان مختلف مروجہ مراسم سے محدود تھے جن کا ماخذ وہ صریح شرائط تھے جو داخلہ کے وقت طے کر لئے جاتے تھے۔ یہی وہ خاص اختلافات ہیں جو جاگیری تمدن کو صحیح طور سے قدیم تمدن قرار دینے میں مانع ہوتے ہیں۔ جاگیری تمدن بہ نسبت قدیم تمدن کے زیادہ تر دیرپا اور بہت زیادہ مختلف الوضع تھا۔ دیرپا اس وجہ سے تھا کہ صریح قواعد کا بہ نسبت فطری عادات کے ضایع ہونے کا بہت کم اندیشہ ہوتا ہے؛ اور مختلف الوضع ہونے کا یہ سبب تھا کہ جس معاہدہ پر وہ مبنی ہوتے تھے وہ تفصیلی حالات اور ان اشخاص کی خواہشات کے مطابق ہوتے تھے جو اپنی اراضی حوالے یا عطا کر دیتے تھے۔ موخر الذکر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ تمدن کی ابتدا کے متعلق جو جاہلانہ رائے ہم لوگوں میں شایع ہے وہ نظر ثانی کی محتاج ہے۔ اکثر یہ

(۳۲۵)

کہا جاتا ہے کہ موجودہ تہذیب کا بے ترتیب اور مختلف الوضع نقشہ جرمن اقوام کی جوشش زن اور بے ترتیب ذہانت کا نتیجہ ہے اور بیشتر اس کا مقابلہ سلطنت روما کے غیر دلچسپ ضوابط مقررہ سے کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطنت روما موجودہ تمدن میں قانونی تصور چھوڑ گئی ہے جس کی طرف یہ تمام بے ترتیبی منسوب کیجاسکتی ہے؛ اگر وحشی اقوام کے دستور اور مراسم کی ایک خصوصیت دوسری خصوصیت سے زیادہ تر نمایاں ہوسکتی ہے تو وہ ان کی انتہائی یکسانیت ہے۔

---

(۳۲۶)

فصل دہم

افعال قابل ہرجہ (Delict) اور جرائم کی قدیم تاریخ

منجملہ ان قدیم غیر مذہبی قوانین کے جو ہمیں اس حالت میں پہنچے ہیں کہ ہم ان کے ابتدائی جُزم کے متعلق کوئی صحیح قیاس قائم کرسکتے ہیں وہ صرف ٹیوٹانی اقوام کے مجموعہ ہائے قوانین ہیں جن میں ہمارے انگلوسیکسن آبا و اجداد کے قوانین بھی شامل ہیں۔ اگرچہ رومی اور یونانی مجموعہ ہائے قوانین کے جو اجزا اس وقت موجود ہیں اُن سے ان کی عام حالت کا پتہ چل جاتا ہے، مگر وہ اس مقدار میں نہیں ہیں کہ ان سے ان کی صحیح وسعت یا ان کے اجزا کے باہمی تناسب کا پتہ چل سکے۔ تاہم قدیم قوانین میں، جو ہمارے علم میں ہیں، ایسے خصوصیات موجود ہیں جو انھیں تکمل اصول قانون کے نظام سے نمایاں طور سے ممیز کرتے ہیں۔ قوانین فوجداری کا جو تناسب قوانین دیوانی سے ہے وہ بے حد مختلف ہے جرمنی کے مجموعہ قوانین میں دیوانی کا جز فوجداری کے مقابلہ میں بہت مختصر ہے۔ جو روایتیں ڈریکو (Draco) کے

مجموعہ قانون کی سزاؤں کو بیرحمانہ بتاتی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں بھی تناسب کی یہی خصوصیت تھی۔ البتہ بارہ الواح میں، جو بڑے بڑے ذہین مقننین کے مجموعی غور و فکر کا نتیجہ ہیں، اور جو ابتدا میں بہت نرم تھیں، دیوانی قانون کو تقریباً موجودہ زمانہ کی سی ترجیح حاصل ہے مگر افعال بیجا کے چارہ کار کے لئے جس قدر لکھا گیا ہے، اگرچہ وہ بے حد نہیں ہے تاہم نسبتاً زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ میرے خیال میں عام طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس قدر مجموعہ قوانین قدیم ہوتا ہے اسی قدر اس میں فوجداری احکام زیادہ اور تفصیلی ہوتے ہیں۔ اس حالت کا بارہا مشاہدہ ہوچکا ہے، اور اس کی توضیح ایک حد تک صحیح طور سے ان دست درازیوں سے کیجاچکی ہے جس کی وہ قومیں جو پہلے پہل ایسے قوانین کو ضبط تحریر میں لاتی ہیں عادی ہوتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وحشیانہ زندگی میں خاص قسم کے واقعات متواتر پیش آنے کے لحاظ سے واضع قانون اپنے کام کو متناسب اجزا میں تقسیم کرتا ہے، مگر میرے خیال میں یہ بیان مکمل نہیں ہے۔ یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ قدیم مجموعوں میں دیوانی قانون کی بالتناسب کمی ایسی خصوصیت ہے جو قدیم اصول قانون کی دوسری خصوصیات سے جن سے ہم قبل ازیں اس کتاب میں بحث کرچکے ہیں مطابقت رکھتی ہے۔ مہذب جماعتوں میں دیوانی قانون سے جو کام لیا جاتا ہے اس کا $\frac{9}{10}$ حصہ قانون اشخاص، قانون جائداد، قانون وراثت، اور قانون معاہدہ کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس قدر ہم تمدنی برادری کی پیدائش کے زمانہ کے قریب ہوتے جاتے ہیں، اسی قدر اصول قانون کے ان اجزا کا دائرہ تنگ ہوتا جاتا ہے۔ قانون اشخاص بجز قانونی حیثیت کے اور کچھ نہیں ہے، اور جب کوئی حیثیت والدین کے عام اختیارات کے تحت میں آکر باقی نہیں رہتی، اور زوجہ کو شوہر کے، اور بیٹے کو باپ کے، اور نابالغ کو اپنے یک جدی اولیا کے

(۳۲۸)

مقابلہ میں کوئی حق نہیں ہوتا تو قانون اشخاص کا بیحد تنگ ہوجانا ایک
لازمی امر ہے۔ اسی طرح جائداد اور وراثت کے قواعد بھی اس وقت
تک کثرت کے ساتھ نہیں ہوسکتے جب تک کہ اراضی اور مال خاندان کے
اندر منتقل ہوتا رہتا ہے، اور اگر تقسیم ہوتا ہے تو اسی دائرہ میں تقسیم
ہوتا ہے۔ مگر قدیم دیوانی قوانین کی کمی کا بڑا باعث معاہدہ کا نہ موجود (۳۲۸)
ہونا ہے۔ بعض قدیم مجموعے تو اس کا ذکر ہی نہیں کرتے اور بعض اس
کی جگہ پر حلف کے تفصیلی قواعد قائم کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
وہ اخلاقی تصور جس پر معاہدہ کی بنا ہے ہنوز درجۂ کمال کو نہیں پہنچا تھا۔
قانون فوجداری کی کمی کی کوئی ایسی وجہ نہیں ہوسکتی، اور اس لئے اگر یہ مقولہ
بھی خطرہ سے خالی نہ سمجھا جائے "کہ قوموں کا بچپن ہمیشہ ناقابل انتظام
دست درازیوں کا زمانہ ہوتا ہے" تب بھی اس کا سمجھ میں آنا کچھ دشوار
نہیں رہتا کہ جو تعلق اس زمانہ میں فوجداری قانون کو دیوانی قانون
سے ہے وہ قدیم مجموعوں میں کیوں الٹ جاتا ہے۔

میں نے یہ بیان کیا ہے کہ قدیم اصول قانون میں قوانین فوجداری
کو جو ترجیح دی گئی ہے وہ زمانہ حال کے قوانین میں نہیں پائی جاتی۔
"قوانین فوجداری" کی اصطلاح میں نے آسانی کے لحاظ سے استعمال کی ہے
مگر قدیم مجموعوں کے دیکھنے سے حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ قانون کے
جس حصہ پر انھوں نے غیر معمولی طور سے زور دیا ہے وہ حقیقی طور سے
قانون فوجداری نہیں ہے۔ تمام مہذب نظام ہائے قانونی متفقہ طور سے
ان جرائم میں جو حکومت یا جماعت کے خلاف ہوتے ہیں اور ان
جرائم میں جو واحد شخص کے خلاف ہوتے ہیں تمیز کرتے ہیں، ان
دو قسم کے مضرات کو جو اس طرح ممیز کئے گئے ہیں، بغیر اس ادعا
کے کہ ان کا استعمال اصول قانون میں ہمیشہ اسی طرح ہوا ہے، میں اس
موقع پر جرائم اور افعال ناجائزہ (Crimina and Delicta) کے ناموں سے
موسوم کرسکتا ہوں۔ قدیم اقوام کا قانون فوجداری قانون جرائم نہیں ہے

بلکہ وہ قانون افعال ناجائز یا اگر انگریزی اصطلاح کا استعمال کیا جائے،
تو قانون ہرجہ (Tort) ہے۔ اس میں شخص مضرت رسیدہ شخص مضرت
رساں کے خلاف معمولی طور سے بصیغہ دیوانی دعویٰ کرتا، اور بصورت
کامیابی نقد رقم کی شکل میں معاوضہ پاتا ہے۔ اگر کیس کی شرح کا
وہ مقام کھول کر معائنہ کیا جائے جہاں وہ فوجداری کے ان اصول قانون
سے بحث شروع کرتا ہے جو بارہ الواح پر مبنی ہیں، تو ظاہر ہو گا کہ (۳۶۹)
دیوانی افعال ناجائز مسلمہ قانون روما کی ابتدا سرقہ سے ہوتی ہے۔
اور وہ خلاف ورزیاں جنھیں ہم خالص جرائم سمجھنے کے عادی ہیں،
افعال قابل ہرجہ متصور ہوتے ہیں۔ مقننین نے سرقہ ہی کو نہیں بلکہ
حملہ، اور سخت رہزنی کو بھی، مداخلت بیجا، ازالۂ حیثیت عرفی اور غلط
الزام کے ساتھ ملا دیا ہے۔ ان سب سے وجوب یا رشتۂ قانونی
(Vinculum juris) پیدا ہوتا تھا اور ان سب کا معاوضہ ادائے رقم سے
ہو سکتا تھا۔ یہ خصوصیت جرمن اقوام کے مجتمعہ قوانین میں بہت صاف
طور سے نظر آتی ہے۔ قتل انسان مستلزم سزا کے لئے ایک وسیع نظام
خون بہا کا قرار دیا گیا تھا، جس میں کوئی استثنا نہ تھا اور خفیف مضرات
کے لئے بھی اسی طرح سے معاوضہ کی تجویز تھی، جس میں بہت تھوڑے
مستثنیات تھے۔ مسٹر کمبل (Kemble) انگلوسیکسن قانون کے متعلق
(انگلوسیکسن ج ا صفحہ ۱۷۷) لکھتے ہیں کہ "ہر آزاد شخص کی حیثیت کے
مطابق اس کا خون بہا مقرر تھا، اور اسی طرح ہر زخم کے لئے جو اس کے
جسم پر لگایا جائے، اور ہر ایسے صدمہ کے لئے جو اس کے دیوانی حقوق
عزت یا امن کو پہنچایا جائے زر نقد کی مقدار معین تھی، اس مقدار میں
اتفاقی حالات کے لحاظ سے اضافہ ہو سکتا تھا۔" تصفیہ کا یہ طریقہ بظاہر
آمدنی کا بڑا ذریعہ متصور ہوتا تھا، اور رقم وصول شدہ کے استحقاق اور
ذمہ داری کے متعلق بیحد پیچیدہ قواعد تھے، اور جیسا کہ قبل ازیں بیان
کر چکا ہوں اکثر ان کا سلسلہ انتقال بہت عجیب ہوتا تھا، اگر شخص متعلقہ

کی وفات تک ان سے برائت حاصل نہیں کرلی جاتی تھی۔ اس لئے اگر افعال ناجائز یا افعال قابل ہرجہ کا معیار یہ قرار دیا جائے کہ اس میں شخص مضرت رسیدہ حکومت نہیں، بلکہ وہی شخص سمجھا جاتا تھا جو اس تکلیف میں مبتلا ہوا، تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصول قانون کے ابتدائی زمانہ میں لوگوں کے پاس دست درازی اور فریب سے محفوظ رہنے کا ذریعہ قانون جرائم نہیں بلکہ قانون ہرجہ تھا۔ (۳۳۰)

یہی وجہ ہے کہ قدیم اصول قانون میں ہرجہ پر اس قدر زور دیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی گناہوں کی طرف سے بھی غفلت نہیں کی گئی ہے ٹیوٹانی مجموعہ ہائے قوانین کے متعلق یہ بیان کرنا تقریباً غیر ضروری ہے کیونکہ وہ مجموعے جس شکل میں ہم تک پہنچے ہیں وہ عیسائی واضعان قانون کے مرتب یا ترمیم کئے ہوئے ہیں۔ مگر جن قدیم قوانین کو عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے ان میں بھی بعض قسم کے افعال اور ترک افعال کے لئے تعزیرانہ سزائیں مقرر کی گئی ہیں، اس بنا پر کہ وہ ہدایات اور احکام الٰہی کی خلاف ورزیاں ہیں۔ ایتھنز میں اریوپیجس کی مجلس رفقا جس قانون کے مطابق عمل کرتی تھی وہ غالباً ایک مذہبی مجموعہ تھا، اور روما میں قدیم زمانہ سے مذہبی پیشوا زنا، توہین مذہب، اور غالباً قتل عمد کی بابت سزا دہی کے مجاز تھے۔ پس یہ سمجھنا چاہیے کہ یونان اور روما کی حکومتوں میں گناہوں کی بابت سزا دی جاتی تھی، اور اسی طرح ہرجہ کی صورتوں میں سزا دینے کے قوانین موجود تھے۔ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کا تصور مقدم الذکر احکام اور پڑوسیوں کے حقوق کی خلاف ورزی کا تصور موخرالذکر احکام کے وجود میں آنے کا باعث ہوا مگر حکومت یا عام جماعت کے خلاف جرائم کا تصور ابتدا میں صحیح اصول قانون فوجداری نہ پیدا کرسکا۔

باوجود اس کے یہ نہ فرض کرلینا چاہیئے کہ کوئی ابتدائی سی ابتدائی جماعت بھی حکومت کے مقابلہ میں افعال ناجائز کے سیدھے سادے تصور

سے خالی تھی ۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اس تصور کا نمایاں طور سے پیش نظر ہونا ابتدا میں قانون فوجداری کے عدم نشو و نما کا صحیح باعث ہوا ۔ بہرحال جب اہل روما کی عام جماعت کو اپنی مضرت پہنچنے کا تصور پیدا ہوگیا، تو شخصی مضرت کی کامل مطابقت سے جو نتیجہ نکل سکتا تھا وہ نکالا گیا اور حکومت اُس شخص سے جو اس کے مقابلہ میں کسی ناجائز فعل کا مرتکب ہوتا تھا کسی نہ کسی طرح بدلہ لینے لگی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمہوری حکومت کے آغاز میں ہر ایسی خلاف ورزی کی جس سے اس کے استقلال یا اس کے مقاصد میں سخت خلل اندازی کا اندیشہ ہوتا تھا واضعان قانون کے وضع کردہ ایک جداگانہ (۳۳۱) قانون سے سزا دی جاتی تھی ۔ جرم کا یہ ابتدائی تصور ہے؛ یعنی وہ ایسا پُر اندیشہ فعل سمجھا گیا ہے کہ حکومت بجائے اس کے کہ اس کی سماعت دیوانی یا مذہبی عدالت میں ہونے دے، اس کے مرتکب کے لئے ایک مخصوص قانون یا عمل خاص (Privilegum) وضع کئے جانے کی ہدایت کرتی ہے ۔ اس لئے ہر فرد قرار داد جرم کی حیثیت قانون خاص بغرض سزا دہی (Bill of Pains and Penalties) کی ہوجاتی تھی، اور جو کارروائی مجرم کے مقابلہ میں کی جاتی تھی وہ بالکل غیرمعمولی بالکل بے ضابطہ، اور بلا لحاظ مقررہ قواعد اور معینہ حالات کے ہوتی تھی۔ اور چونکہ فیصلہ کرنے والی عدالت خود فرماں روا حکومت ہوتی تھی اور افعال محکومہ اور ممنوعہ کی تقسیم ناممکن تھی، اس لئے اس زمانہ میں کوئی قانونِ جرائم یعنی فوجداری کا اصولی قانون موجود نہ تھا ۔ یہ طریقۂ کارروائی بعینہٖ وہی تھا جو ایک معمولی قانون کے نفاذ میں اختیار کیا جاتا تھا، وہی لوگ اس کے محرک ہوتے تھے اور وہی تمام کارروائی کیجاتی تھی جو ایسے مواقع کے لئے مخصوص تھی ۔ یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ جب اس کے بعد ایک باضابطہ قانون فوجداری معہ عدالتوں اور اس کے عہدہ داروں کے معرض وجود میں آگیا، اس وقت بھی قدیم ضابطہ

حسب توقع اپنے اصول کی مطابقت کے لحاظ سے قابل عملدر آمد رہا، اور اگرچہ اس اختیار کا عمل میں لایا جانا پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، مگر اہل روما نے مخصوص قانون کے ذریعہ سے ایسے جرائم کی سزادہی (۳۴۲) کا اختیار اپنے ہاتھ ہی میں رکھا جن کا ارتکاب ان کی عظمت وشان کے خلاف کیا جاتا تھا۔ جو لوگ یونان کی تاریخ کے ماہر ہیں انھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اسی طرح باضابطہ عدالتوں کے قائم ہوجانے کے بعد یونان میں بھی مجرمین کی سزادہی کے لئے خاص قانون کے نفاذ کا طریقہ رائج رہا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ٹوٹانی اقوام کے آزاد اشخاص جب وضع قوانین کے لئے جمع ہوتے تھے تو وہ سخت ترین جرائم یا معزز مرتکبان جرائم کی سزادہی کے لئے مخصوص قانون وضع کرنے کے اختیار کے مدعی ہوتے تھے۔ انگلوسکسین کی پارلیمنٹ (Witenagemot) کے اختیارات فوجداری بھی اسی نوعیت کے تھے۔

ممکن ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ قانون فوجداری کے قدیم اور جدید تصور میں جو فرق میں نے بتایا ہے اس کا وجود محض لفظی ہے، اور یہ کہا جائے کہ جماعت عامہ نے جرائم کی بابت وضع قوانین کے ذریعہ سے سزا عائد کرنے کے علاوہ، ابتدا سے اپنی عدالتوں کے توسط سے خاطیوں پر زور ڈالا ہے کہ وہ اپنے افعال ناجائز کی بابت مصالحت کرلیں، اگر فی الحقیقت اس نے ایسا ہی کیا ہے تب بھی اُس نے یقیناً یہ فرض کرلیا ہوگا کہ خاطی کے فعل ناجائز سے اُس کو مضرت پہنچی۔ ہمارے زمانہ میں یہ نتیجہ خواہ کیسا ہی قوی کیوں نہ معلوم ہوتا ہو، مگر قدیم زمانہ کے لوگوں کی نسبت یہ خیال کرنا کہ فی الحقیقت وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے بہت زیادہ مشتبہ ہے۔ قدیم زمانہ میں عدالتوں کے ذریعہ سے حکومت کی دست اندازی کو جماعت کی مضرت کے تصور سے جس قدر بے تعلقی تھی اس کا اظہار ان مخصوص حالات سے ہوتا ہے کہ قدیم انصاف رسانی کے انتظام

میں جو کارروائی ہوتی تھی وہ بعینہٖ انھیں افعال کی نقل ہوتی تھی جو متخاصمین اپنی خانگی زندگی میں عمل میں لاکر اپنی نزاعوں کو ختم ہوجانے دیتے تھے۔ حاکم عدالت نہایت احتیاط کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرتا تھا جو ایسے خانگی ثالث کا ہوتا ہے جو اتفاقیہ طور سے بلا لیا جائے۔ (۳۷۳)

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ میرا یہ بیان محض خیالی نہیں ہے میں وہ شہادت پیش کروں گا جس پر یہ بیان مبنی ہے۔ سب سے قدیم عدالتی ضابطہ، جس کا علم ہمیں ہے، وہ اہل روما کا لیگیس ایکٹو سیکرامنٹائی" (Legis Acto Sacramenti) ہے، جو اہل روما کے بعد کے تمام قانون دعاوی کا ماخذ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ گیبس نے نہایت تفصیل کے ساتھ اس کے مراسم بیان کئے ہیں۔ اگرچہ یہ مراسم بظاہر بالکل بے معنی اور قابل مضحکہ معلوم ہوتے ہیں، مگر تھوڑے سے غور کے بعد ان کی تعبیر اور ان کا مفہوم صاف ہوجاتا ہے۔

شئے ما بہ النزاع کے متعلق یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ وہ عدالت میں موجود ہے۔ اگر وہ منقولہ ہوتی ہے تو فی الحقیقت حاضر کردیجاتی ہے۔ اگر غیر منقولہ ہوتی ہے، تو بجائے اس کے اس کا ایک جزو یا نمونہ لایا جاتا ہے، مثلاً اگر ما بہ النزاع زمین ہے، تو اس کا ایک ڈھیلا اور اگر مکان ہے تو اس کی ایک اینٹ پیش کیجاتی ہے۔ گیبس نے جو تمثیل پیش کی ہے اس میں ما بہ النزاع ایک غلام ہے۔ کارروائی اس طرح شروع ہوتی ہے کہ مدعی ایک چھڑی ہاتھ میں لئے آگے بڑھتا ہے، یہ چھڑی جیسا کہ گیبس بصراحت بتاتا ہے، نیزے کی قائم مقام ہے۔ اور غلام پر ہاتھ رکھ کر اپنا حق ان الفاظ میں جتاتا ہے۔

"بروئے قانون کوئیریٹیم میں اس شخص کو اپنا آدمی قرار دیتا ہوں بلحاظ اس صورت حال کے جو موجود ہے۔"

اور اس کے بعد یہ کہتا ہے کہ "دیکھو میں تمھیں عصا سے چھوتا ہوں" اور غلام کو نیزے سے چھوتا ہے۔ مدعی علیہ بھی یہی تمام افعال اور اشارات کرتا ہے۔ یہاں سے حاکم عدالت کی دست اندازی شروع ہوتی ہے اور وہ متخاصمین کو حکم دیتا ہے کہ غلام کو چھوڑ دیں یہ کہکر کہ "تم دونوں آدمی اس سے دست بردار ہوجاؤ" اس کی تعمیل کیجاتی ہے۔ اور مدعی مدعی علیہ سے دریافت کرتا ہے کہ اس کی مداخلت کے کیا اسباب ہیں۔ ان الفاظ میں کہ "میں استدعا کرتا ہوں کہ آپ وہ وجوہ بیان کریں جن کی بنا پر آپ اس کے دعوے دار ہیں"۔

اس کے جواب میں اظہار حق کی پھر تجدید کیجاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ "میں اپنے دعوئی کو اُس حق پر قائم کرتا ہوں کہ میں نے اسے عصا سے چھوا ہے"۔ اسے سنکر فریق اول اپنے مقدمہ کی صداقت پر ایک رقم بطور داؤں کے لگاتا ہے جو سکرامینٹم (Sacramentum) کے نام سے موسوم ہوتی تھی۔ یہ کہکر کہ "چونکہ آپ میرے دعوی کی صداقت اور واجبیت پر معترض ہیں لہذا میں بھی آپ پر معترض ہوتا ہوں اور یہ رقم بطور داؤں کے جمع کرتا ہوں"۔ اور مدعی علیہ یہ الفاظ کہہ کر کہ "میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں" اسے منظور کرلیتا ہے۔ اس کے بعد کی جو کارروائی ہوتی تھی وہ کسی خاص ضابطہ کے مطابق نہ ہوتی تھی، البتہ یہ امر قابل بیان ہے کہ حاکم داؤں کی رقم کی بابت ضمانت لے لیتا تھا جو ہمیشہ داخل خزانہ حکومت ہوجاتی تھی۔ (۳۴۴)

اہل روما کے ہر قدیم مقدمہ کی یہ ابتدای روئیداد تھی۔ میرے نزدیک ان لوگوں کے ساتھ اتفاق نہ کرنا محال ہے جو اسے انصاف کے آغاز کی زندہ تصویر اور شبیہ قرار دیتے ہیں۔ دو مسلح آدمیوں میں ایک متنازعہ شے کی بابت جھگڑا ہورہا ہے حاکم

(پریٹر) کا جوکہ ایک باعزت شخص ہے ادھر سے گزر ہوتا ہے اور وہ جھگڑے کو چکا دینے کے لئے مداخلت کرتا ہے۔ متخاصمین اپنے اپنے دعاوی بیان کرتے ہیں اور اس پر راضی ہوتے ہیں کہ وہ بطور ثالث کے ان کا فیصلہ کردے۔ اور یہ بھی قرار پاتا ہے کہ جو شخص ہارجائے وہ ثالث کو ایک معین رقم اس کی محنت اور تضیع اوقات کے معاوضہ میں ادا کرے۔ یہ تعبیر اس قدر قرین عقل نہ ہوتی اگر ایک حیرت انگیز اتفاق سے وہ مراسم جنھیں گیئس نے آغاز کارروائی مقدمہ کے لئے لازم بیان کئے ہیں، بجنسہٖ وہی نہ ہوتے جو حسب بیان ہومر ہیفسٹس (Hephastus) دیوتا نے اچیلیز کی ڈھال کے پہلے خانہ میں منجملہ اور دو مضامین کے نقش کردیئے تھے۔ ہومر نے دریافت مقدمہ کا جو منظر دکھایا ہے اس میں نزاع جائیداد کی بابت نہیں ہے بلکہ ایک قتل کے خون بہا کے متعلق ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ابتدائی تمدن کے خصوصیات کے اظہار کے لئے دیدہ و دانستہ کیا گیا ہے۔ ایک شخص یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے خوں بہا ادا کردیا ہے، دوسرا شخص اس کے وصول سے منکر ہے۔ جس تفصیل کی وجہ سے یہ تصویر قدیم اہل روما کی طرز کارروائی کا آئینہ بن جاتی ہے وہ' وہ انعام ہے جو ججوں کو دینے کے لئے رکھا گیا ہے۔ وسط تصویر میں سونے کے دو ٹیلنٹ (ایک قسم کے سکے) اس شخص کے لئے رکھے ہوئے ہیں جو سب سے بہتر وجوہ فیصلہ حسب اطمینان حاضرین بیان کرسکے گا۔ اس رقم کی زیادتی بمقابلہ "سکرامنٹ" کی تخفیف رقم کے میرے خیال میں اس فرق کو ظاہر کرتی ہے جو تبدیل پذیر مراسم اور ایسے مراسم میں تھا جو داخل قانون ہوگئے تھے۔ شاعر نے جو سماں دکھایا ہے اگرچہ وہ عہد فتوحات (Heroicage) کی شہری زندگی کا ایک مخصوص اور نمایاں سماں ہے مگر ابھی تک شاذ ہے، لیکن وہی آگے چل کر دیوانی ضابطہ کی تاریخ کے آغاز میں

۳۲۷

مقدمہ کا باضابطہ اور معمولی قاعدہ بن گیا۔ اس لئے قانونی کارروائی میں ثالث کے معاوضہ کی رقم کا مقدار مناسب میں لایا جانا ایک فطری امر تھا، اور بجائے اس کے کہ عام رائے کے مطابق منجملہ چند ثالثوں کے کسی ایک کو دیا جائے وہ حکومت کو دیا جانے لگا جس کا نمایندہ حاکم عدالت ہوتا تھا۔ لیکن جو واقعات ہومر نے اس قدر صفائی اور ٹیکیس نے اس قدر زیادہ خام اصطلاحات کے ذریعہ سے ظاہر کئے ہیں، ان دونوں کے معنی ایک ہیں۔ مجھے اس کے متعلق کسی قسم کا شک نہیں، اور میری اس رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ موجودہ یورپ کی قدیم قانونی کارروائیوں پر غور کرنے والے لوگوں کی یہ رائے قرار پائی ہے کہ مجرمین پر عدالتیں جو جرمانہ عائد کرتی ہیں وہ ابتدا میں "سکرامنٹ" تھا۔ حکومت مدعی علیہ سے کوئی معاوضہ اس فعل ناجائز کی بابت نہیں وصول کرتی تھی جس کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ حکومت کے خلاف صادر ہوا ہے، بلکہ جو معاوضہ مدعی کو دلایا جاتا تھا اس میں سے ایک حصہ کی طالب ہوتی تھی جسے وہ اپنے وقت اور محنت کی واجبی قیمت تصور کرتی تھی۔ مسٹر کیمبل انگلوسکسن کے "بنیم" یا "فریڈم" (bannum or fredum) کی بھی صریح یہی نوعیت قرار دیتے ہیں۔

قدیم قانون میں اس امر کے اور ثبوت بھی ملتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ کے حکام عدالت ان اشخاص کے افعال کی بھی نقل کراتے تھے جو ایک خانگی تنازع میں بہ قیاس غالب واقع ہوتے ہونگے۔ ہرجہ دلانے میں ان کا معیار وہ انتقام ہوتا تھا جو بہ قیاس غالب ایسی صورت میں خود شخص متضرر لیتا۔ قدیم قانون میں جو اختلاف اُن مجرمین کی سزاؤں میں پایا جاتا ہے جو بحالت ارتکاب یا فوراً بعد ارتکاب جرم یا ایک مدت گذر جانے کے بعد گرفتار ہوتے تھے، اس کی صحیح توضیح بھی اسی انتقام کے اصول سے ہوتی ہے۔ اس خصوصیت کی عجیب مثال سرقہ کے قدیم رومی قانون میں

ملتی ہے۔ بارہ الواح کے قانون سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرقہ کی دو قسمیں کی گئی تھیں، علانیہ، اور خفیہ، اور دونوں کی سزاؤں میں بے حد اختلاف رکھا گیا تھا، علانیہ سارق وہ تھا جو اسی مکان میں گرفتار ہوجاتا تھا جہاں اُس نے سرقہ کیا تھا، یا مال مسروقہ کے ساتھ بچ کر نکلتے وقت گرفتار کرلیا جاتا تھا۔ بارہ الواح کے قانون کی رو سے ایسا مجرم اگر غلام ہو، سزائے موت کا متوجب قرار پاتا تھا، اگر آزاد ہوتا تھا تو مالِ مسروقہ کے مالک کا غلام بنا دیا جاتا تھا۔ خفیہ سارق وہ تھا جو ان حالات کے سوائے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے دوسرے حالات میں گرفتار ہوتا تھا، اور اس کی نسبت قدیم قانون میں یہ حکم تھا کہ وہ مال مسروقہ کی دوگونہ (دوچند) قیمت ادا کرے۔ گیئس کے زمانہ میں علانیہ سارق کے لئے جو بیحد سخت سزا بارہ الواح کے قانون میں مقرر کی گئی تھی اس میں فطرتی طور سے بہت کچھ نرمی ہوگئی تھی، مگر قانون نے قدیم اصول کو اس طرح قائم رکھا تھا کہ اس سے مال مسروقہ کی چہار گونہ قیمت وصول کیجاتی تھی، برخلاف اس کے خفیہ سارق سے تقریباً دوچند قیمت کا مطالبہ ہوتا تھا۔ قدیم واضع قانون کا بے شک یہ خیال ہوگا کہ اگر متضرر مالک بحالت خود چھوڑ دیا جاتا تو وہ غصہ کی حالت میں مجرم کو جو سزا دیتا وہ اس سزا سے مختلف ہوتی جو وہ مجرم کو ایک عرصہ کے بعد گرفتار ہونے کی حالت میں دینا کافی سمجھتا؛ اور اسی اندازہ پر یہ قانونی سزائیں قرار پائی تھیں۔ یہ اصول بعینہ وہی ہے جو انگلوسیکسن اور دوسرے جرمن مجموعہ قوانین میں اختیار کیا گیا ہے، ان میں اس کی اجازت ہے کہ اگر سارق تعاقب کے بعد مال مسروقہ کے ساتھ گرفتار ہوجائے تو اسے پھانسی دیدی جائے، یا وہیں اس کا سر اڑا دیا جائے، لیکن اگر تعاقب میں وقفہ پڑجانے کے بعد کوئی شخص اسے مار ڈالے گا تو وہ قتل انسان

(۳۴۷)

مستلزم سزا کا مرتکب سمجھا جائے گا ، اور اس پر اسی جرم کی کامل سزا عائد کی جائے گی یہ قدیم امتیازات نمایاں طور سے اس فرق کو ظاہر کر رہے ہیں جو غیر مہذب اور مہذب اصول قانون میں ہے اس میں شک نہیں کہ زمانۂ حال کے حکام عدالت کو ان جرائم کی سنگینی اور غیر سنگینی کے تعین کرنے میں بیحد دقت پیش آتی ہے جو ایک ہی اصطلاحی تعریف میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے کہنے میں کوئی دقت نہیں معلوم ہوتی کہ ایک شخص قتل انسان سرقہ، یا ازدواج ناجائز کا مرتکب ہوا ہے، مگر یہ کہنا اکثر حالتوں میں نہایت مشکل ہوتا ہے کہ اس نے کس حد تک اخلاقی جرم کا ارتکاب کیا ہے ، اور اس کے لحاظ سے وہ کس مقدار سزا کا مستوجب ہے۔ اس کے صحیح طور سے تصفیہ کی کوشش میں اجتہاد اور وجہ تحریک کی تجزی میں شاید ہی کوئی ایسی مشکل ہو جس کا مقابلہ ہمیں نہ کرنا پڑتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے قانون کا روز افزوں رجحان اس طرف ہے کہ وہ اس بارے میں تاکیدی قواعد بنانے سے جہاں تک ممکن ہو محترز رہے۔

(۳۳۸) فرانس میں جوری کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرے کہ جس جرم کا ارتکاب اس کے نزدیک ثابت ہے۔ آیا اس کے ساتھ ایسے حالات موجود ہیں جو اس جرم کو خفیف کر دینے والے ہوں۔ انگلستان میں اب ججوں کو انتخاب سزا میں کامل اختیارات حاصل ہیں؛ اور قانون کے غلط استعمال کا آخری علاج تمام حکومتوں نے حق معافی کے تحفظ سے کیا ہے۔ جو عام طور سے چیف مجسٹریٹ کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ کے لوگ ان وسواس سے کس قدر کم متاثر تھے، اور کس وثوق کے ساتھ انھوں نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ شخص متضرر کا فوری جوش اس انتقام کا معیار ہوسکتا ہے جس کے لینے کا وہ مستحق ہے۔ اور سزاؤں کے مراتب مقرر کرنے میں انہوں نے متضرر کے جذبات کے اتار چڑھاؤ کی کیسی پوری

نقل کی تھی میں یہ سننا چاہتا تھا کہ وضع قوانین کا یہ طریقہ اب بالکل مفقود ہوگیا۔ مگر ایسا نہیں ہے، زمانۂ حال کے بعض قانونی نظام ایسے ہیں جن میں سنگین جرائم کے مجرم کا بحالت ارتکاب گرفتار ہوکر شخص متضرر کے ہاتھ سے ضرورت سے زیادہ سخت سزا پانا غیر واجبی نہیں متصور ہوتا۔ یہ رعایت اگرچہ بظاہر قرین عقل معلوم ہوتی ہے، مگر میرے نزدیک وہ ادنیٰ اخلاق پر مبنی ہے۔

جن خیالات کا اظہار میں نے کیا ہے وہی صاف طور سے قدیم جماعتوں میں بالآخر صحیح اصول قانون فوجداری کے قائم ہو جانے کے باعث ہوئے۔ بحالت ارتکاب جرم حکومت یہ سمجھنے لگی کہ خود اسے نقصان پہنچایا جاتا ہے، اور مجلس عامہ اور اس کے ساتھ واضعان قوانین (Popular Assembly) نے مجرم کی طرف نہایت تیزی سے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ قدیم زمانہ میں، نہ کہ زمانۂ حال میں جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا، ابتدائی فوجداری عدالتیں صرف مجلس وضع قوانین کی ذیلی کمیٹیاں یا تقسیمیں تھیں، جس کی طرف قدیم زمانہ کی دو بڑی حکومتوں کی قانونی تاریخ اشارہ کرتی ہے۔ یہ اشارہ ایک صورت میں تو کافی طور سے صاف ہے، اور دوسری صورت میں بالکل یقینی ہے۔ اتھینیا کا قدیم قانون فوجداری مجرم کی سزا دہی جزاً "آرکنس" (Archons) کے سپرد کرتا تھا جو بہ حیثیت افعال ناجائز (Torts) کے مرتکب فعل کو سزا دیتے تھے اور جزاً "سینٹ اوف ایریوپیجس" (Senate of Areopagus) یعنی ارکان صدر عدالت کے جو بہ حیثیت گناہ (Sins) کے سزا صادر کرتے تھے۔ آخر میں یہ دونوں اختیارات پوری طور سے "ہلیتا" (Heliaea) یعنی انصاف کی عام ہائی کورٹ میں منتقل ہو گئے اور "آرکنس" اور "ایریوپیجس" کے فرائض یا تو صرف انتظامی رہ گئے یا بالکل ناقابل لحاظ ہو گئے۔ "ہلیا"، کے قدیم لفظ کے معنی صرف مجلس کے ہیں، قدیم زمانہ کی "ہلیا" محض ایک عام مجلس تھی جو قانونی مقاصد کے لئے طلب کی جاتی تھی، اور

(۳۳۹)

اتھینیا کی مشہور و معروف "ڈیکاسٹریاں" (Dikasteries) صرف اس کی ذیلی تقسیمیں تھیں۔ روما میں ان کے مقابل ہیں جو تبدیلیاں ہوئیں ان کی تعبیر اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ اہل روما نے اپنے تجربات کو صرف قانون فوجداری تک محدود رکھا، اور اہل یونان کی طرح اپنی عام عدالتیں نہیں قایم کیں جن کو دیوانی اور فوجداری دونوں کے اختیارات حاصل ہوں۔ اہل روما کے اصول قانون فوجداری کی تاریخ قدیم "جوڈیشیا پاپولائی" (judicia populi) سے شروع ہوتی ہے، جن کی صدارت کہا جاتا ہے کہ خود بادشاہ کرتے تھے۔ یہ صرف بڑے مجرمین کے جرائم کی باضابطہ در یا فتوں کی قانونی شکل تھی۔ اس کمیٹی کا ابتدا سے کبھی کبھی اپنے فوجداری اختیارات ایک کمیشن کے سپرد کر دینا ظاہر ہوتا ہے جیسے کمیٹی کے ساتھ وہی تعلق تھا" جو ہاوس آف کامنز" کی کمیٹی کو "ہاوس آف کامنز" کے ساتھ ہوتا ہے، فرق اتنا تھا کہ اہل روما کے کمشنر صرف کمیٹی میں رپورٹ (۳۴۰) پیش کر دینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ خود وہ اختیارات استعمال کرتے تھے جو کمیٹی کے لئے مخصوص تھے، یہاں تک کہ مجرمین کو سزا بھی دیدیتے تھے۔ اس قسم کا کمیشن صرف کسی ایک مجرم کی دریافت کیلئے مقرر ہوتا تھا۔ مگر اس میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ کہ ایک ہی وقت میں دو یا تین کمیشن مقرر کئے جائیں، اور قیاس غالب یہی ہے کہ جب متمدن جماعت کے حقوق کی خلاف ورزی میں مختلف سنگین واقعات پیش آتے تھے۔ تو ایک ہی وقت میں مختلف کمیشن مقرر ہوتے تھے۔ اس کا پتہ بھی چلتا ہے کہ بعض اوقات ان کمیشنوں کی حیثیت تقریباً وہی ہو جاتی تھی جو ہمارے یہاں مستقل کمیٹیوں کی ہے، یعنی ان کا تقرر موقت تھا اور کسی سنگین جرم کے وقوع کی ضرورت پر منحصر نہ تھا۔ قدیم ترین کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمشنران دریافت جرائم متعلقہ قتل آبا (Questores parricidii) تمام جرائم متعلقہ قتل آبا اور عام قتل کی

دریافت اور بعضوں کے نزدیک تفتیش اور دریافت دونوں کے لئے باضابطہ طریقہ سے سالانہ مقرر ہوا کرتے تھے۔ اکثر مصنفین کا خیال ہے کہ اسی طرح دو اشخاص کا کمیشن (Duumviri Perduellionis) ان جرائم کی تحقیقات کے لئے جو حکومت جمہوری کے لئے سخت مضرت رساں سمجھے جاتے تھے سالانہ مقرر ہوتا تھا موخرالذکر عہدہ داروں کو جو اختیارات دئے جاتے تھے اس سے ہم اپنی تحقیق میں ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ حکومت کے خلاف کسی جرم کے واقع ہونے کی صورت میں انھیں اختیارات دئے جائیں انھیں ایسے جرائم کے متعلق جو واقع ہو سکتے تھے عام اختیارات حاصل ہو جاتے تھے، اگرچہ وہ عارضی ہوتے تھے۔ اس امر کا کہ ہم باضابطہ اصول قانون فوجداری کے لگ بھگ آ گئے ہیں دو عام اصطلاحات "قتل آبا" اور "جرائم متعلقہ حکومت" (Parricidium and Perduellio) سے بھی پتہ چلتا ہے۔ ان دو اصطلاحوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرائم کی ایک گونہ تقسیم بھی عمل میں آ گئی تھی مگر باضابطہ قانون فوجداری ۱۴۹ء (قبل ولادت مسیح) تک جاری نہیں ہوا۔ اسی سنہ میں اہل کالپورنیس پاپنیو نے وہ قانون منظور کرایا جو (Lex calpurnia de Repetundio) کے نام سے موسوم ہے، یعنی ان وعادی کا قانون جو باشندگان اضلاع ان اضلاع کے گورنر جنرلوں کے مقابلہ میں اس غرض سے دائر کریں کہ جو رقمیں ان سے غیر واجبی طور سے وصول کرلی گئی ہیں وہ واپس دلائی جائیں مگر بڑا اور مستقل فائدہ اس قانون کا یہ تھا کہ اس سے پہلی مرتبہ ایک مستقل کمیشن کے تقرر کا پایہ پڑا۔ یہ کمیشن برخلاف دوسرے موقت اور عارضی کمیشنوں کے مستقل اور دوامی تھا۔ یہ ایک باضابطہ فوجداری عدالت تھی جو تاریخ نفاذ قانون مذکور سے اس وقت تک قائم رہنے والی تھی جب تک کہ کوئی دوسرا قانون نافذ ہو کر اسے برخاست نہ کردے قدیم کمیشنوں کی طرح اس کے ارکان بطور خاص نامزد نہیں کئے جاتے

(۳۴۱)

تھے بلکہ خود اس قانون میں جس کی رو سے کمیشن مذکور قائم ہوا تھا یہ بتایا گیا تھا کہ کس جماعت سے ان کا انتخاب عمل میں آئے گا، اور کن مقررہ قواعد کے مطابق ان کی تجدید ہو سکے گی۔ جن جرائم کی تحقیقات اس عدالت میں ہو سکتی تھی ان کی تفصیل بھی دی گئی تھی، اور یہ جدید عدالت اس کی مجاز کی گئی تھی کہ آئندہ ان تمام اشخاص کے متعلق تحقیقات کر کے احکام سزا نافذ کرے جن کے افعال تعریفات مصرحہ قانون مذکور میں داخل ہوتے ہیں۔ اس طور سے یہ ایک باضابطہ فوجداری عدالت تھی اور ایک باضابطہ اصول قانون فوجداری نافذ کرتی تھی۔

پس قانون فوجداری کی قدیم تاریخ چار مراتب طے کرتی ہے۔ اول یہ سمجھنا کہ جرم کے تصور میں، فعل ناجائز یا ٹارٹ اور نیز گناہ سے قطع نظر کر کے، حکومت یا مجموعی جماعت کی مضرت کا خیال مضمر ہے اور حکومت کا اس خیال کے کامل اتباع میں اس مضرت رساں فعل کی بابت جو اس کے خلاف کیا گیا ہے مرتکب سے منفردہ افعال کے ذریعہ سے انتقام لینے کے لئے براہِ راست مداخلت شروع کر دینا یہ ابتدائی مرحلہ ہے، اب ہر فرد قرار داد جرم یا الزام بمنزلہ ایک خاص تعزیری قانون کے ہے جس میں ملزم کا نام اور اس کی سزا بتائی جاتی ہے۔ دوسرا مرحلہ اس وقت سے طے ہوتا ہے جب کہ جرائم کی کثرت واضعان قانون کو اس پر مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے اختیارات مخصوص کمیشنوں کی طرف منتقل کر دیں، جن میں سے ہر ایک کو یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ ایک مخصوص الزام کی دریافت کرے، اور اگر وہ ثابت قرار پائے تو مرتکب کو سزا دے۔ اس موقع پر ایک دوسری کارروائی یہ بھی ہوتی ہے کہ واضعان قانون بجائے اس کے کہ وقوع جرم کے بعد اس کی دریافت کے لئے کمیشن مقرر کریں، اس خیال سے کہ بعض اقسام کے جرائم کے ارتکاب کا نہ صرف امکان بلکہ یقین ہے

(۴۴۲)

موقت کمشنر مقرر کر دیتے ہیں جیسے کمشنران دریافت "قتل آبا" و جرائم متعلقہ حکومت، وغیرہ۔ آخری مرحلہ اس وقت طے ہوتا ہے جبکہ کمیشن بجائے اتفاق یا موقتی ہونے سے مستقل اجلاس یا عدالتوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، یعنی جب کہ حکام عدالت، بجائے اس خاص قانون سے نامزد کیے جانے کے جو کمیشن کے تقرر کی اجازت دیتا ہے، اس اجازت کے ساتھ مقرر کیے جاتے ہیں کہ وہ آئندہ خاص جماعت سے اور خاص طریقہ سے منتخب ہوا کریں گے، اور جب کہ بعض افعال کی عام الفاظ میں تعریف کر کے یہ قرار دے دیا جاتا ہے کہ وہ جرائم ہیں، اور ان کے ارتکاب کی صورت میں خاص سزائیں جو ان جرائم کے مناسب حال ہوں صادر کی جائیں گی۔

اگر مستقل کمیشنوں (Quaestiones Perpetuae) کی کوئی طویل تر تاریخ موجود ہوتی، تو یقیناً وہ جداگانہ ادارات متصور ہوتے، اور ان کا تعلق "کمیٹیا" کے ساتھ اس سے زیادہ تر قریب نہ ہوتا جیسا کہ ہماری (۴۴۳) عدالتوں کا تعلق بادشاہ کے ساتھ ہے، جو اصولاً انصاف کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ان کی ابتدائی تاریخ ذہن سے محو ہو بادشاہوں کی خودسری نے انھیں تباہ و ضایع کر دیا، اور جب تک یہ مستقل کمیشن قائم رہے اہل روما انھیں صرف اختیارات منتقلہ کا خازن سمجھتے رہے۔ جرائم کی سماعت کا اختیار جماعت واضعان قوانین کا ایک فطری حق سمجھا جاتا تھا، اور اہل شہر کے خیالات ہمیشہ کمیشنوں سے "کمیٹیا" کی طرف منتقل ہوتے تھے جس نے اپنے لاینفک اختیارات میں سے کچھ اختیارات استعمال کی غرض سے کمیشنوں کو دے دیے تھے۔ کمیشن مستقل ہو جانے کے بعد بھی مجلس عامہ کی کمیٹیاں یعنی ایک اعلیٰ اقتدار کے زیر حکم کارگزار جماعتیں سمجھی جاتی ہیں۔ اس خیال نے بعض اہم قانونی نتایج پیدا کیے جن کے علامات آخر زمانہ تک قانون فوجداری میں پائے جاتے رہے۔ اس کا ایک بلا واسطہ نتیجہ یہ تھا کہ "کمیٹیا"

کمیشنوں کے منتقل ہوجانے کے بعد بھی ایک زمانہ تک قانون خاص بغرض سزا دہی (Bill of pains and penalties) کے ذریعہ سے اختیارات فوجداری عمل میں لائی رہی۔ اگرچہ جماعت واضعان قوانین نے آسانی کی غرض سے اپنے اختیارات انہی جماعتوں کی طرف منتقل کرنا منظور کرلیا تھا جو اس سے علیحدہ تھیں، مگر اس سے کلیتہً اختیارات سے دست برداری مقصود نہ تھی۔ "کمیٹیا" اور کمیشن دونوں پہلو بہ پہلو مجرمین کے جرائم کی دریافت کرتے اور سزا دیتے رہے۔ اور اگر کسی جرم کے متعلق عامہ خلائق میں غیر معمولی جوش وخروش پیدا ہوجاتا تھا تو مجرم کو دریافت کے لئے قومی مجلس (Assembly of the Tribes) میں پیش کرنا لازم ہوجاتا تھا، یہ حالت ختم حکومت تک قائم رہی۔

نظام جمہوری کی ایک مخصوص خصوصیت کا پتہ کمیشنوں کے زیر اختیار کمیٹی رہنے سے بھی چلتا ہے۔ روما کی حکومت جمہوری کے نظام قانونی سے سزائے موت کا مفقود ہوجانا گذشتہ صدی کے مصنفین کا بہت پسندیدہ اور عزیز مضمون تھا۔ یہ لوگ ہمیشہ اسے اہل روما کے بعض خلقی نظریات یا زمانۂ حال کی تمدنی تدبیر کے اظہار کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اس کی جو وجہ بھروسہ کے ساتھ بیان کیجاتی ہے اس سے خود اس کا محض عارضی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اہل روما کے واضعان قانون نے جو تین صورتیں یکے بعد دیگرے اختیار کیں ان میں سے صرف ایک، جیسا کہ مشہور اور معروف ہے، "کمیٹیا سنچوریاٹا" (Comitia Centuriata) فوجی کارروائیوں کی غرض سے حکومت کی نمایندہ متصور ہوتی تھی۔ اور اس لئے اس مجلس کو وہی تمام اختیارات حاصل ہوتے تھے جو بطرز مناسب ایک فوج کے جنرل کمانڈر کو دئے جاسکتے ہیں اسے منجملہ اور اختیارات کے یہ اختیار بھی تھا کہ وہ ہر مجرم کو ایسی سزا دے جو وہ ایک سپاہی کو فوجی احکام کی خلاف ورزی میں دے سکتی تھی، مگر "کمیٹیا کیوریٹیا" یا "کمیٹیا ٹریبوٹا"

(Comitia Curiata or Comitia Tributa) کی یہ حالت نہ تھی ۔ یہ دونوں کمیٹیاں اس وجہ سے کہ مذہب اور قانون نے اہل روما کی ذات کو شہر کی چار دیواری کے اندر مقدس قرار دے دیا تھا، اس معاملہ میں بالکل بے دست و پا اور مجبور تھیں ۔ یہ امر مسلم ہے کہ "کمیٹیا ٹریبوٹا" یعنی مجلس قبائل میں قانوناً یہ اصول مقرر ہوگیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ جو سزا دے سکتی تھی وہ صرف جرمانہ تھا ۔ جب تک کہ اختیارات فوجداری کا انحصار واضعان قانون پر رہا، اور جب تک کہ "سنٹوریز" اور قبیلے کی کمیٹیاں ایک ہی قسم کے اختیارات کام میں لاتی رہیں سنگین جرائم کے استغاثوں کا واضعان قانون کے اجلاس پر پیش ہونا موجب آسانی سمجھا جاتا تھا جنھیں سنگین تر سزاؤں کے صادر کرنے کا اختیار حاصل تھا ۔ مگر اتفاق یہ ہوا کہ مجلس قبائل نے جو زیادہ تر جمہوری تھی (۴۴۵) بقیہ مجلسوں کو نیست و نابود کر دیا اور بعد کی جمہوری حکومت کے زمانہ میں وہی عام طور سے مجلس وضع قانون ہوگئی ۔ جمہوری حکومت کے زوال ہی کے زمانہ میں مستقل کمیشن (Quaestiones perpetuae) قائم ہوئے، اور جن قوانین کی رو سے وہ قائم ہوئے وہ واضعان قوانین کی ایک مجلس کے نافذ کردہ تھے جو اپنے معمولی اجلاس میں کسی مجرم کو سزائے موت نہیں دے سکتی تھی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مستقل کمیشن جو منتقلہ اختیارات رکھتے تھے ان اقتدارات اور اختیارات کے حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے جو اس مجلس کو حاصل تھے جس نے ان کو یہ اختیارات دیئے تھے ۔ وہ کسی ایسے عمل کے مجاز نہ تھے جو خود مجلس قبائل نہیں کر سکتی تھی، اور چونکہ مجلس مذکور سزائے موت نہیں صادر کر سکتی تھی اس لئے یہ بھی سزائے موت صادر کرنے سے مجبور تھے ۔ یہ امر جو اس طور سے وجود میں آیا قدیم زمانہ میں اُس پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا جس سے زمانۂ حال کے مصنفین اسے دیکھتے ہیں یہ امر بھی مشتبہ ہے کہ آیا اس کی وجہ سے اہل روما کا چال چلن کچھ بہتر ہوگیا تھا اس سے ان کے

نظام کا بدتر ہوجانا تو یقینی ہے۔ ان دوسرے دستوروں اور قواعد کی طرح جو نسل انسان کے ساتھ ساتھ ان کی تاریخ کی انتہا تک چلے آئے ہیں، سزائے موت تہذیب و تمدن کے بعض مدارج میں ایک مسلمہ ضرورت مانی جاتی ہے۔ ایک زمانہ ایسا ہوتا ہے جب کہ اس کے حذف کر دینے کی کوشش ان دو بڑے طبعی رجحانوں کو جو قانون فوجداری کے اصل اصول ہیں سخت صدمہ پہنچاتی ہے۔ بغیر اس کے نہ سوسائٹی کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس نے مجرم سے کافی انتقام لے لیا اور نہ وہ یہ خیال کرتی ہے کہ جو سزا مجرم کو ملی وہ دوسروں کو ایسے عمل سے روکنے کے لئے کافی ہے۔ روما کی عدالتوں کا سزائے موت کے صادر کرنے سے مجبور ہونا براہِ راست اور صحیح طور سے اُن خوفناک انقلابات کا باعث ہوا جو "پروسکرپشن" (Proscriptions) کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ ان میں تمام قوانین باضابطہ طور سے معطل اور بیکار ہوگئے تھے، صرف اس وجہ سے کہ فرقہ واری جوشش کو اس انتقام کے لینے کا جس کے لئے وہ بیتاب تھا کوئی اور راستہ نہ ملتا تھا۔ اہل روما کی سیاسی قابلیت کے زوال میں سب سے بڑا حصہ انھیں بدنظمیوں کا تھا جس سے وقتاً فوقتاً قوانین معطل اور بے کار ہوکر رہ جاتے تھے، اور جب ایک مرتبہ ایسا عمل ہوگیا تو ہمیں اس کہنے میں مطلق باک نہ کرنا چاہیئے کہ اہل روما کی آزادی چند روز کی مہمان نظر آنے لگی۔ اگر عدالتوں کا طرزِ عمل عامۂ خلائق کے جذبات کے نکلنے کا کافی موقع بھی دیتا تو اس میں شک نہیں کہ عدالتی ضابطہ اُسی قدر بدنما طور سے بگڑ سکتا تھا جیسے ہمارا ضابطہ خاندان اسٹورٹ کے آخر بادشاہوں کے زمانہ میں بگڑ گیا تھا مگر قومی چال چلن پر ایسا برا اثر نہ پڑتا اور نہ اہل روما کے ادارات کی مضبوطی میں اس قدر کمزوری پیدا ہونے پاتی۔

(۴۴۶)

میں روما کے نظام قانون فوجداری کی دو اور عجیب خصوصیات

بیان کروں گا، جن کے پیدا ہونے کا باعث بھی یہی عدالتی اختیارات کا نظریہ تھا۔ اور وہ یہ ہیں، اول روما کی عدالت ہائے فوجداری کی بیحد کثرت، اور دوسرے جرائم کی خیالی اور بے اصول تقسیم، جس سے روما کے اصول قانون فوجداری کی تمام تاریخ مملو ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کے ہر کمیشن کی بنیاد، خواہ وہ مستقل ہو یا عارضی، ایک مختلف قانون پر قائم تھی۔ ان کے اختیارات کا انحصار ان قوانین پر تھا جو ان کے قیام کے باعث ہوئے تھے، اور وہ ان حدود کو نہایت احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھتے تھے جو اُن کے اسناد میں مقرر کر دیئے گئے تھے، اور اُن جرائم میں مطلق دخل نہ دیتے تھے جن کی تفصیل (۳۴۷) ان کے اسناد میں بصراحت نہ کر دی گئی تھی۔ چونکہ یہ سب قوانین جن کی رو سے یہ کمیشن قائم ہوئے تھے خاص ضرورتوں کے لحاظ سے نافذ کیئے گئے تھے، اور ہر ایک کے نفاذ کا مقصد یہ تھا کہ وہ خاص قسم کے افعال کو جنھیں ضروریات وقت نے مخصوص طور سے قابل نفرت یا خوفناک کر دیا تھا قابل سزا قرار دے، اس لئے ان قوانین میں نہ ایک دوسرے کا حوالہ تھا اور نہ وہ کسی عام اصول کے تحت میں لائے گئے تھے۔ بیس یا تیس قسم کے مختلف فوجداری قوانین جاری تھے، اور اسی قدر کمیشن ان کی تعمیل کے لئے مقرر تھے۔ حکومت جمہوری کے زمانہ میں بھی اُن مختلف عدالتوں کو یکجا کرنے، یا ان قوانین کے مضامین میں جن کی رُو سے یہ عدالتیں مقرر ہوئی تھیں اور جن میں ان کے فرائض بتا دیئے گئے تھے مناسبت پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اہل روما کے اصول قانون فوجداری کی اس وقت وہی حالت تھی جو انگلستان میں چارہ کار دیوانی کی اس وقت تک رہی جب تک کہ انگلستان کے قانون عمومی کی عدالتوں نے اپنے حکم ناموں میں اس فرضی اقرار صالح (Fictitious averments) درج کرانے کا طریقہ جاری نہیں کیا جس سے انھیں ایک دوسرے کے

مخصوص اختیارات میں دست اندازی کا موقع حاصل ہوگیا۔ رومی کمیشنوں کی طرح "کورٹس اوف کوئینس بینچ" (Courts of Queen's Bench) کامن پلیز (Common Pleas) اور "ایکسچیکر" (Exchequer) کی تمام عدالتیں اصولاً ایک اعلیٰ تر اختیارات کے تحت میں قائم تھیں، اور اُن میں سے ہر ایک مختلف اقسام کے مقدمات کی سماعت کی مجاز تھی جن کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ بالاتر اقتدارات کے ذریعہ سے ان کے تفویض ہوئے ہیں۔ مگر اہلِ روما کے کمیشنوں کی تعداد ان تین عدالتوں کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی، اور ہر روما کے کمیشن کے اختیارات سماعت میں تمیز کرنے کی نسبت "ویسٹ منسٹر ہال" کی تین عدالتوں کے اختیارات سماعت میں تمیز کرنا زیادہ تر آسان تھا۔ مختلف کمیشنوں کے صحیح صحیح اختیارات کی دریافت میں جو مشکل پیش آتی تھی اس نے کمیشنوں کی کثرت کو وقت کی حد تک محدود نہیں رکھا تھا بلکہ ایک درجہ اس سے بھی بڑھا دیا تھا۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے مبینہ جرائم کی نسبت صاف طور سے یہ نہیں دریافت ہوسکتا تھا کہ وہ کس عام عنوان میں داخل ہوتے ہیں تو مجرم ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے مختلف کمیشنوں کے اجلاس پر اس امید سے پیش کیا جاتا تھا کہ کوئی کمیشن اپنے آپ کو مجاز سماعت قرار دے کر اس کی نسبت حکم سزا صادر کرے، اور اگرچہ ایک کمیشن کا سزا دے دینا بقیہ کمیشنوں کے اختیار سماعت کو ساقط کر دیتا تھا، مگر ایک کمیشن کی برائت دوسرے کمیشن کے اجلاس پر الزام کی جواب دہی کے لئے کافی نہیں متصور ہوتی تھی۔ یہ حالت اہلِ روما کے دیوانی قانون کی حالت سے بالکل مختلف تھی؛ اور ہمیں یقین ہے کہ اہلِ روما جو اصول قانون کی بے ترتیبیوں کے متعلق (جسے وہ اپنی زبان میں نامنا کے نام سے موسوم کرتے تھے) بڑے ذی حس تھے کبھی ان بے ترتیبیوں کو ایک عرصہ تک قائم رکھنے کے روادار نہ ہوتے اگر کمیشنوں کی

(۳۴۸)

افسوسناک تاریخ سے یہ خیال نہ پیدا ہوگیا ہوتا کہ یہ کمیشن بجائے مستقل ذرایع اصلاح جرائم کے زیادہ تر ملکی فریقوں کے ہاتھ میں عارضی آلات ہیں۔ قیام شاہی کے بعد بادشاہوں نے بعجلت تمام اختیار سماعت کی کثرت اور اختلافات کو مسدود کر دیا، مگر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ وہ قانون فوجداری کا ایک دوسرا نقص جو عدالتوں کی کثرت سے قریبی تعلق رکھتا تھا دور نہ کرسکے۔ جسٹینین کے مجموعہ قوانین میں بھی جرائم کی جو تقسیم کی گئی ہے وہ محض خیالی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر کمیشن اُن جرائم کی حد سے آگے نہیں بڑھتا تھا جن کی سماعت کا اختیار اسے بروئے سند حاصل ہوا تھا۔ مگر ابتدائی قوانین میں ان سب کو ایک عنوان کی تحت میں لانے کی وجہ یہ تھی کہ قوانین مذکور کی منظوری کے وقت وہ سب جرائم یکساں قابل تنبیہ و تادیب متصور ہوتے تھے، اور اس لئے ان میں کوئی مشترکہ جزو سوائے اس کے نہ تھا کہ وہ بلحاظ معاملہ دریافت طلب کے کسی ایک خاص کمیشن کے اجلاس میں قابل دریافت تھے، یہ تعلق فطری طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہوگیا تھا، اور جن جرائم کا ذکر ایک قانون میں ہوا تھا ان کا باہمی تعلق ایسا مضبوط اور مربوط تھا کہ جب سیلا اور شہنشاہ (۳۸۹) اگسٹس نے اہل روما کے قانون فوجداری کی اصلاح کی باضابطہ کوشش کی اس وقت بھی واضعان قانون کو قدیم تقسیم قائم رکھنی پڑی۔ سیلا اور اگسٹس کے قوانین سلطنت روما کے اصول قانون فوجداری کی بنیاد تھے، مگر ان کی بعض تقسیموں سے زیادہ کوئی چیز غیر معمولی اور تعجب انگیز نہیں ہوسکتی۔ مجھے تمثیلاً صرف یہی ایک واقعہ بیان کر دینا کافی ہے کہ دروغ حلفی ہمیشہ ضرب پہنچانے، زخمی کرنے، اور زہر خورانی کی مد میں شریک رہتی تھی، اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ سیلا کے قانون اور قانون کارنیلیا نے (Lex Cornelia de Sicariis et Veneficis) ان تینوں قسم کے جرائم

کی سماعت کا حق ایک ہی مستقل کمیشن کو عطا کیا تھا۔ اس خیالی تقسیم کا اثر اہلِ روما کی ملکی زبان پر بھی پڑنا ظاہر ہوتا ہے۔ لوگ فطری طور سے ان تمام جرائم کو جن کا ذکر ایک قانون میں ہوا تھا اس جرم کے نام سے موسوم کرنے لگے جو فہرست میں سب سے پہلے تھا اور وہ عدالتیں جو ان جرائم کی تحقیقات کے لئے مقرر ہوئی تھیں اسی نام سے پکاری جانے لگیں۔ اس طور سے تمام جرائم جن کی تحقیقات وہ کمیشن تحقیقات زنا" کے متعلق تھی زنا کے نام سے موسوم ہوگئے۔

میں نے اہلِ روما کے کمیشنوں کی تاریخ اور خصوصیات پر اس وجہ سے تفصیلی بحث کی ہے کہ اصول قانون فوجداری کی پیدائش کا اس سے بہتر کہیں اور سے پتہ چلنا دشوار ہے۔ آخری کمیشن شہنشاہ اگسٹس نے مقرر کیئے اور اس کے بعد سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہلِ (۳۵۰) روما کا قانون فوجداری کافی طور سے مکمل ہوگیا۔ اس کی ترقی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا طریقہ بھی چل رہا تھا جسے میں نے ناجائز افعال (Wrongs) کو جرائم میں منتقل کرنے کے نام سے موسوم کیا ہے۔ زیادہ تر سنگین جرائم کے ارتکاب کی حالت میں روما کے واضعان قانون نے دیوانی چارہ کار ساقط نہیں کردیا تھا کیوں کہ اس کے ذریعہ سے مضرت رسیدہ شخص کو چارہ کار حاصل کرنے کا موقعہ تھا جسے وہ یقیناً ترجیح دیتا ہوگا۔ مگر اگسٹس کے وضع قوانین کی تکمیل کے بعد تک بھی بعض بعض جرائم جو زمانۂ حال کے لوگوں میں قطعی جرائم متصور ہوتے ہیں افعالِ ناجائز سمجھے جاتے تھے۔ یہ افعالِ ناجائز ایک زمانہ کے بعد جس کی صحیح تاریخ کا تعین نہیں ہوسکتا عدالت ہائے فوجداری سے قابلِ سزا قرار دیئے گئے اور اس وقت سے قانون نے اس جدید قسم کے جرائم پر جو خلاصۂ قوانین "غیر معمولی جرائم" کے نام سے موسوم کیئے گئے ہیں لحاظ کرنا شروع کیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اس قسم کے افعال تھے جنھیں روما کا اصول قانون بلحاظ اپنے اصول کے

صرف ناجائز افعال سمجھتا تھا لیکن سوسائٹی کے وقار اور عظمت کے روز افزوں احساس نے اس امر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا کہ ان افعال کے ارتکاب کرنے والوں پر بجز رقمی ہرجانہ کے کوئی اور سزا عائد نہ ہوسکے۔ اس لئے مضرت رسیدہ اشخاص کو یہ اجازت دی گئی کہ اگر وہ چاہیں تو ان افعال کو غیر معمولی جرائم قرار دے کر استغاثہ کریں یعنی وہ چارہ کار اختیار کریں جو معمولی ضابطہ سے کسی قدر مختلف ہے۔ جس وقت سے ان غیر معمولی جرائم پر پہلی مرتبہ لحاظ ہونا شروع ہوا اس وقت سے سلطنت روما کے جرائم کی فہرست ایسی ہی طویل ہوگئی ہوگی جیسی موجودہ دنیا کی کسی قوم کی ہے۔

یہ بتفصیل بتانا کہ سلطنت روما میں فوجداری عدالتوں کی کارروائی کس طرح ہوتی تھی غیر ضروری ہے، مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کے اصول اور عمل کا موجودہ تمدن پر قوی اثر پڑا ہے۔ شہنشاہوں نے (۳۵۱) کمیشنوں کا طریقہ فوراً موقوف نہیں کردیا، پہلے انھوں نے فوجداری کے وسیع اختیارات سینٹ (Senate) کو عطا کئے۔ مجلس مذکور نے ان اختیارات کے استعمال میں فی الحقیقت خواہ کتنی ہی تابعداری اور ذلت کا اظہار کیوں نہ کیا ہو مگر بلحاظ نام کے شہنشاہ کی حیثیت کسی طور سے بھی ایک رکن مجلس مذکور سے زیادہ نہ تھی۔ ابتدا سے بادشاہ ایک قسم کے متوازی اختیارات فوجداری کے دعوے دار تھے، اور ان کا یہ دعویٰ حکومت جمہوری کے اصول کی فراموشی کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور قدیم عدالتوں کے اختیارات کو دباتا گیا۔ رفتہ رفتہ جرائم کی سزا کا اختیار ان نظما کے ہاتھ میں آگیا جن کا تقرر براہ راست بادشاہ کرتے تھے، اور مجلس سینٹ کے اختیارات شاہی پرایوی کونسل کی طرف منتقل ہوگئے جو معاملات فوجداری میں آخری مرافعہ کی عدالت قرار پائی۔ ان اثرات سے زمانۂ حال کا یہ متعارفہ اصول کہ پادشاہ جملہ انصاف کا سرچشمہ اور تمام الطاف

کا منبع ہے نادانستہ طور سے پیدا ہوگیا۔ یہ روز افزوں خوشامد اور غلامی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس کا زیادہ تر سبب حکومت کی مرکزی قوت تھی جو اس زمانہ میں درجۂ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ معاملات فوجداری میں انصاف رسانی کا اصول پھر پھرا کر اسی نقطہ پہ آگیا تھا جہاں سے وہ چلا تھا۔ اس کا آغاز اس عقیدہ سے ہوا تھا کہ جماعت کو بہ حیثیت مجموعی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسے افعال کا بدلہ جو اس کے خلاف کیے جائیں خود لے، اور اس کا اختتام اس اصول پر ہوا کہ جرائم کی سزا کا اختیار بطریق خاص بادشاہ کو حاصل ہے جو اپنی رعایا کا نمایندہ اور محافظ ہے۔ جدید اور قدیم اصول میں جو بڑا فرق ہوگیا وہ صرف یہ تھا کہ انصاف کی محافظت نے بادشاہ کی ذات میں ایک قسم کا رعب اور وقار پیدا کر دیا۔

اہل روما نے انصاف کے ساتھ بادشاہ کے تعلق کا جو اصول آخر میں قائم کیا اُس نے موجودہ زمانہ کی سوسائیٹیوں کو اس محنت سے بچانے میں بڑی مدد دی جو ان کو اُن تبدیلیوں کی دریافت میں اُٹھانی پڑتی جن کا اظہار ہم نے کمیشنوں کی تاریخ کے ذریعہ سے کر دیا ہے۔ ان قوموں کے قدیم قوانین میں جو یورپ کے مغربی حصہ میں آباد ہیں اس متروک خیال کی علامتیں پائی جاتی ہیں کہ جرائم کی سزا کا تعلق آزاد اشخاص کی عام مجلس سے ہے۔ (۳۵۲) اور بعض ممالک میں جن میں سے ایک اسکاٹ لینڈ ہے، موجودہ عدالتی انتظام کی پیدائش کی تاریخ شروع ہوکر واضعان قوانین کی ایک کمیٹی پر منتہی ہوتی ہے۔ مگر عام طور سے قانون فوجداری کی عاجلانہ ترقی کے دو اسباب ہوئے، ایک سلطنت روما کی یاد دوسرے کلیسا کا اثر۔ ایک طرف قیصروں کی عظمت کے افسانے جنھیں خاندان شارلیمین کے عارضی عروج نے برقرار رکھا تھا، بادشاہوں کو وہ عظمت اور وقار دے رہے تھے جو ایک وحشی سردار کسیطرح حاصل

نہیں کر سکتا تھا، اور اسی کی بنا پر چھوٹے سے چھوٹے جاگیردار کی حیثیت سوسائٹی کے محافظ اور ریاست کے نمایندہ کی ہوجاتی تھی۔ دوسری طرف کلیسا نے خونریزی کے جذبہ کو دبانے کے لئے زیادہ ترسنگین جرائم کی سزادہی کے لئے احکام کی تلاش شروع کردی، یہ احکام انجیلوں کے ان فقرات میں ملے جن میں سزا کے اختیارات سول مجسٹریٹوں کے ہاتھ میں دینے کا حکم ہے۔ عہدِ جدید سے یہ ثابت کیا گیا کہ دنیوی حکمرانوں کا وجود اسی غرض سے ہے کہ وہ بُرے کام کرنے والوں کو ڈرائیں؛ اور عہد قدیم کا یہ حکم پیش ہوا کہ "جو شخص انسان کی خونریزی کرتا ہے انسان ہی کے ذریعہ سے اس کی خونریزی کی جائے گی"۔ میرے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ جرائم کے متعلق موجودہ خیالات دو مفروضات پر مبنی ہیں جن پر ازمنہ تاریک میں کلیسا بڑا زور دیتا رہا ہے؛ اول یہ کہ ہر جاگیر کا حکمراں اپنے درجہ کے لحاظ سے ان رومی مجسٹریٹوں کے مساوی قرار دیا جا سکتا ہے جن کا ذکر سینٹ پال نے کیا ہے دوسرے یہ کہ جن افعال کی بابت اسے سزادہی کا اختیار ہو وہ احکام موسوی کی رو سے ممنوع قرار پائے ہوں یا کم ازکم ایسے ہوں جن کی سماعت کا اختیار کلیسا نے اپنے لئے مخصوص نہ کر لیا ہو۔ الحاد، جس کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ پہلے اور دوسرے احکام تورات میں داخل ہے، اور زنا اور دروغ حلفی کلیسائی جرائم متصور ہوتے تھے۔ ان مقدمات میں کلیسا اسی صورت میں غیر کلیسائی مداخلت کی امداد جائز رکھتی تھی جب کہ جرائم کی غیر معمولی سنگینی کے لحاظ سے زیادہ ترسخت سزا دینے کی ضرورت واقع ہوتی تھی۔ قتل اور سرقہ بالجبر اور اس کی مختلف شکلوں کے متعلق کلیسا کی تعلیم یہ تھی کہ ان کی سماعت کا اختیار دنیوی حکمرانوں کو، نہ بطور لازمہ حیثیت بلکہ صریح احکام الٰہی سے حاصل تھا۔

(۳۵۴)

بادشاہ الفرڈ کی تحریرات میں (کیمبل جلد ۲ صفحہ ۲۰۹) ایک ایسا فقرہ موجود ہے جس سے نہایت وضاحت کے ساتھ ان مختلف خیالات کی کشمکش کا پتہ چلتا ہے جو اس کے زمانہ میں اختیارات فوجداری کے متعلق شائع تھے۔ الفرڈ انھیں جزءً کلیسا کے اختیارات اور جزءً قومی مجلس (Witan) کے اختیارات پر محول کرتا ہے، اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کے جرم کی نسبت صاف طور سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اسی طرح معمولی قواعد سے مستثنیٰ رہے جس طرح رومیوں کے قانون "مجسٹاس" میں قیصر کے خلاف بغاوت کا جرم مستثنیٰ تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "اس کے بعد اکثر قوموں نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا اور دنیا میں بہت سے مذہبی جلسے منعقد ہوئے[1] انگریزی قوم میں بھی عیسائی ہونے کے بعد بزرگ بطریقوں اور ان کی محترم جماعت کا اجلاس ہوا جس میں یہ قرار پایا کہ اس رحم کی بنا پر جس کی تعلیم مسیح نے دی ہے، دنیوی حکمران، ہماری اجازت سے ہر فعل ناجائز کی بابت بغیر کسی گناہ کے اس قدر جرمانہ وصول کرنے کے مجاز ہوں گے جو وہ عائد کریں۔ البتہ بادشاہ کے خلاف بغاوت کا جرم اس سے مستثنیٰ ہے، اس کے لئے ہم کسی (۳۵۴)

[1] شرع الٰہی کو اس کی تائید سے انکار ہے۔

یہاں اصل الاصول شریعت ہے، کوئی فعل اگر شریعت کے مخالف ہو تو شخص یا جماعت تقیدی کا صرف اتنا کام ہے کہ ایسے مرتکب پر حد شرعی جاری کرے، خواہ وہ کوئی ہو، اس میں درویش و بادشاہ تک کی تفریق نہیں، بادشاہ بھی حدود شرعیہ سے تجاوز کر جائے تو جمہور پر اس کی اطاعت لازم نہ ہوگی، اور اس عدم اطاعت کو "بغاوت" کا جرم نہ کہیں گے۔

عمادی۔ ناظر مذہبی

قسم کی رعایت کرنے کی جراءت نہیں کر سکتے کیونکہ خود خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں پر رحم نہیں فرماتا جو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں؛ اور نہ مسیح نے ان پر کوئی رحم فرمایا جنھوں نے اس کو بہ طمع زر موت کے پنجہ میں پھنسوا دیا تھا؛ اور اس کا حکم ہے کہ پادشاہ کے ساتھ اسی قدر محبت کی جائے جتنی اپنی ذات کے ساتھ کیجاتی ہے۔

تمت

(الف)

اشاریہ قدیم قانون

(ب)

(پ)

(ت و ٹ)

(ج)

(د)

(ڈ)

(ر)

(ز)

(س)

(ف)

ق

(ک)

(گ)

(ل)

(م)

(ن)

(و)

(ھ)

صحت نامہ

"قدیم قانون"

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۸	۱۵	فائیکوئس	فائیکولس
۱۱	۴	پوری طور	پورے طور
۱۷	۳	"کوڈ کی"	"کوڈ" کی
۶۳	۱	پوری طور	پورے طور
۶۵	۲۴	تسلم	تسلیم
۹۹	۲	پوبون	پولون
۱۲۵	۲۳	Lex	Le
۱۶۱	۲	ظہور آچکی تھی	ظہور میں آچکی تھی
"	۱۳	غیر ہسلوک	غیر مسلوک
۱۷۴	۱۱ و ۱۲	تو ہم سے	تو ہم سے
۲۱۴	۳	متقلب	ملقب
۲۲۱	۲۲	دڑجہ	درجہ
۲۹۰	۲۱	یابند	پابند
۳۱۹	۳	لالی	لاتی